مَا آتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا (القرآن)

نصیحتیں اور وصیّتیں

مُصنّف

مُرشدِ طریقت مُفکّرِ اسلام

حضرت علّامہ سیّد محمّد احسن میاں صاحب قبلہ

ناشر

جامعہ فاطمہ جلال نگر شاہجہاں پور یوپی

مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَہٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَہُوْا

نصیحتیں اور وصیتیں

مصنف

مرشدِ طریقت مفکرِ اسلام حضرت علامہ سید محمد احسن میاں صاحب قبلہ

ناشر

جامعہ فاطمہ جلال نگر شاہجہان پور (یوپی)

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : نصیحتیں اور وصیتیں

مصنف : مفکرِ اسلام حضرت علامہ سید محمد احسن میاں صاحب قبلہ

پروف ریڈنگ : سید محمد آل مصطفیٰ احسنؔ

سن اشاعت : صفر المظفر ۱۴۴۴ھ/ستمبر ۲۰۲۲ء (طبعِ اول)
بموقع عرسِ رضوی

تعداد : ۲۱۰۰

ناشر : جامعہ فاطمہ جلال نگر شاہجہان پور

صفحات : ۳۵۲ (352)

ملنے کے پتے:

(۱) جامعہ فاطمہ جلال نگر شاہ جہان پور

(۲) فاطمہ گرلس انٹر کالج چمکنی شاہ جہان پور

(۳) فاطمہ کڈز اکیڈمی آکاش پورم بریلی شریف

(۴) فاطمہ لیان C.B.S.E اسکول (سینئر سکینڈری) نریاول بریلی شریف

فہرس تعارف مصنف

فہرس الکتاب

حسنِ نیت

يَقُوْلُ عَلْقَمَةُ ابْنُ وَقَّاصٍ اللَّيْثِيْ سَمِعْتُ عُمَرَبْنَ الْخَطَّابَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُوْلُ عَلَى الْمِنْبَرِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ : "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِاِمْرَءٍ مَّا نَوٰى۔" (بخاری شریف:۱۔ص:۲)

حضرت علقمہ ابن وقاص لیثی فرماتے ہیں، میں نے حضرت عمر فاروق بن خطاب رضی اللہ عنہ کو منبر پر فرماتے سنا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرماتے ہیں: "لاریب ثوابِ عمل کی کسوٹی نیت ہے اور ہر آدمی کو اپنے عمل کا بدلہ اپنی نیت کے مُوافق ملتا ہے۔

عَنْ اِبْنِ مَسعودٍ قَالَ: لَا يَنْفَعُ قَوْلٌ اِلَّا بِعَمَلٍ، وَلَا يَنْفَعُ قَوْلٌ وَعَمَلٌ اِلَّا بِنِيَّةٍ، وَلَا يَنْفَعُ قَوْلٌ وَعَمَلٌ وَنِيَةٌ اِلَّا بِمَا وَافَقَ السُّنَّةَ۔ (جامع العلوم والحکم)

سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کوئی وعظ و بیان نفع نہ دے گا مگر عمل کے ساتھ، وعظ و عمل فائدہ نہ پہنچائے گا مگر حسن نیت کے ساتھ اور وعظ، عمل اور نیت اس وقت تک ثمر بار نہ ہوں گے جب تک وہ سنت مصطفی علیٰ صاحبہا التحیۃ و الثنا کے موافق نہ ہوں۔ (فضائل اسلام)

ذلك فضل الله

تعارف مصنف

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا
سو بار جب عقیق گھسا تب نگیں ہوا

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اس خاکدان گیتی پر اتارنے کے بعد اس کی ہدایت ورہنمائی کے لئے انبیاء ومرسلین علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ انبیاء کی بعثت کا مقصد ہی دعوت توحید وتبلیغِ دین تھا۔ امم سابقہ میں دعوت وتبلیغ کا فریضہ اس امت کے نبی وپیغمبر علیہ السلام کے ذمہ ہوتا تھا۔ لیکن جب محبوب خدا خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت وجلوہ گری ہوئی، اور بزبان قرآن (وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ) اور بزبان صاحب قرآن (لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ) باب نبوت ورسالت پر مہر ختم ثبت ہوئی، تو مالک ومختار آقا دوجہاں کے داتا حبیب خدا ﷺ نے (اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ) کا خطاب نایاب ولاجواب عطا فرما کر اس امت کی رہنمائی اور انہیں دعوت تبلیغ کی ذمہ داری علما کے حوالے کردی۔ اور علمائے ربانیین ومخلصین نے بھی اس قدر جانفشانی اور لگن کے ساتھ اس امت کی رہنمائی کی، کہ اس خطاب کا حق ادا کردیا۔ اس کے لئے انہوں نے نہ جانے کتنی اذیتیں تکلیفیں، کیسی کیسی کلفتیں مشقتیں اور طرح طرح کی سزائیں بلائیں برداشت کیں۔ لیکن ان کے پائے ثبات میں ذرہ برابر لغزش نہ آئی۔ اسی طرح سے یہ علما ۱۴۰۰/سال سے بارگاہ رسالت مآب ﷺ سے ملنے والی ذمہ داری کو نبھا رہے ہیں۔

دعوت توحید وتبلیغِ دین کے طریقے بھی مختلف ہیں۔ کسی نے تصنیف وتالیف کے ذریعہ تبلیغ کی، کسی نے تقریر وخطاب کو اپنا طریق تبلیغ بنایا۔ تو کوئی مسند درس وتدریس سے تبلیغ کے فرائض کی انجام دہی کررہا ہے، تو کوئی مسند رشد وہدایت سے دعوت توحید کی ذمہ داری نبھا رہا ہے۔ تو کوئی مدارس وجامعات قائم کر کے اس ذمہ داری کو ادا کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی طریقے ہیں۔ ہر زمانے میں علمائے ربانیین نے ان طرق مختلفہ کو اپنا کر دعوت وتبلیغ کی، کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

انہیں علمائے عظام میں سے ایک شخصیت کا نام ہے: مفکر اسلام، حضرت علامہ سید محمد احسن میاں صاحب قبلہ۔ آپ کی ۳۵/سالہ شبانہ روز کی گئیں خدماتِ مذہب وملت کے آئینے میں مفکر اسلام آپ کو اوپر ذکر کردہ میری بات کا پیکر نظر آئیں گے۔ آپ بیک وقت مصنف بھی ہیں مقرر بھی ہیں، مدرس بھی ہیں مرشد برحق بھی ہیں۔ اور آپ کے زیر نگرانی نبوی ودینی تعلیم کے ۳۰/مدارس اسلامیہ اور ۳/ عصری ودنیوی تعلیم کے اسکول وکالج کامیابی کے ساتھ ترقی کی جانب رواں ہیں۔

نام، پیدائش اور خاندان

آپ کا پیدائشی نام محمد اور عرفی نام سید محمد احسن، والد کا نام سید محمد ادریس اور دادا کا نام سید محمد رونق حسین ہے۔ آپ کی پیدائش ضلع قنوج (قدیم ضلع فرخ آباد) کی تحصیل چھبرامئو کی ایک بستی کبیر پور میں قدیم جاگیردار نقوی سادات کے اباً وجداً خالص وصحیح العقیدہ مسلکِ اعلیٰ حضرت پر قائم سنی گھرانے میں ہوئی۔ آپ کے مورث اعلیٰ دعوت وتبلیغ کے لئے کسی زمانے میں خراسان سے آئے

تھے۔ انھوں نے اس علاقے کو اپنا مرکز ومسکن بنایا تھا۔ سر پہ سایۂ پدری نہ ہونے کی بنا پر آپ کی تاریخ وسن پیدائش محفوظ نہ رہ سکی۔ ایک اندازہ کے مطابق آپ کی پیدائش ۱۹۶۰ء کے بعد ہوئی۔ پیدائش کے ایک ڈیڑھ سال بعد ہی آپ کے والد محترم ایک حادثے میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اس کے بعد مشفقہ ومہربان والدہ نے آپ کی پرورش کی۔

پیدائش سے پہلے بستی کے حالات

حضرت مفکر اسلام کی بستی کبیر پور میں سنیت کے ساتھ ساتھ شیعیت بھی پائی جاتی ہے۔ آپ کی پیدائش سے پہلے بستی کے سنیوں اور شیعوں میں کوئی خط امتیاز نہ تھا۔ شادی بیاہ اور میلاد، نیاز وفاتحہ اور محرم الحرام کی مجالس میں ایک دوسرے کے یہاں آنا جانا اور شریک ہونا سب کچھ ہوتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بستی میں کوئی دردمند اور مخلص عالم نہ تھا۔ لیکن پھر بستی والوں پر اللہ عزوجل کا فضل وکرم ہوا اور حضرت مفسر قرآن کو پیدا فرمادیا۔ کرم بالائے کرم یہ ہوا کہ حضرت مفکر اسلام اور بستی کے چند حضرات کو شہزادۂ اعلیٰ حضرت سیدنا مصطفی رضا خان مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا کے دامن ارادت وعقیدت سے وابستہ کر دیا۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ عنہ کی تعلیمات سے وابستہ ہونے کے بعد آپ کے خاندان کے اکثر لوگوں نے شیعوں سے مقاطعہ کر لیا۔ یعنی ان میں شادی بیاہ اور مجالس میں آنا جانا سب ختم ہو گیا۔ حالانکہ آج بھی شیعوں میں آپ کے قدیم رشتے پائے جاتے ہیں۔ لیکن بفضلہ تعالیٰ حضرت مفکر اسلام اور آپ کے خاندان کا اعلیٰ حضرت کی تعلیمات کی برکت سے ان سے کوئی ربط وضبط نہیں۔ پہلے شیعہ

سنی کی مساجد بھی ایک ہی تھیں، لیکن آج الحمدللہ شیعہ سنی مساجد علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اور کوئی شیعہ، سنی مسجد میں نہیں آسکتا۔

تحصیل علم

آپ کی تعلیم کا سلسلہ کافی بڑی عمر میں شروع ہوا۔ ناظرۂ قرآن مجید گاؤں میں ہی جناب سید ایوب صاحب غفر اللہ لہ اور حضرت مولانا محمد مسلم صاحب کے پاس کیا۔ اور تقریباً سترہ سال کی عمر میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے آپ نے رخت سفر باندھا۔ اور مختلف ماہر فن، مخلص ومشفق اور مہربان وپیکر علم وفضل اساتذہ کی بارگاہوں میں زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اور مشفق ومہربان اساتذہ کی عنایات ونوازشات اور اپنی خداداد صلاحیتوں اور لیاقتوں سے ۱۰/سالہ درسِ نظامی کورس صرف ساڑھے چار سال کی قلیل مدت میں مکمل کر کے مروجہ علوم عقلیہ ونقلیہ کی منتہی کتب (منقولات میں بخاری ومسلم اور بیضاوی، معقولات میں حمد اللہ، قاضی مبارک اور میر زاہد وغیرہ) پڑھ کر صرف ۲۱/سال کی چھوٹی سی عمر میں یادگار رضا جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف سے ۱۷/جمادی الاخریٰ ۱۴۰۴ھ مطابق ۲۰/فروری ۱۹۸۴ء کو علماء ومشائخ کے ہاتھوں سند ودستار فضیلت سے نوازے گئے۔

اساتذہ

آپ نے اپنے دورِ طالب علمی میں مختلف اساتذہ سے کسبِ فیض واخذ علم کیا۔ سب کا احاطہ تو مشکل ہے، چند حضرات کے نام یہ ہیں۔

(۱) حضرت علامہ ومولانا مفتی محمد حسین صاحب قبلہ سنبھلی رحمۃ اللہ الجلیل القوی

(۲) حضرت علامہ مولانا محمد مناظر حسین صاحب قبلہ سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ

(۳) حضرت علامہ مولانا محمد عبد الحفیظ صاحب قبلہ ابن حضرت علامہ عبد العزیز صاحب خلیفۂ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

(۴) حضرت علامہ و مولانا محمد ابراہیم صاحب بدایونی

(۵) استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مولانا انوار عالم صاحب قبلہ علیہ الرحمہ بہار

(۶) خلیفۂ حضور مفتئ اعظم ہند وتلمیذ مفسر اعظم علیہما الرحمۃ، ابو المعارف حضرت علامہ سید محمد عارف صاحب قبلہ بہرائچی سابق شیخ الحدیث منظر اسلام

(۷) عمدۃ الفقہا حضرت علامہ مفتی محمد صالح صاحب قبلہ شیخ الحدیث جامعۃ الرضا

(۸) شہزادۂ صدر الشریعہ حضرت علامہ بہاء المصطفیٰ صاحب قبلہ بریلی شریف

(۹) خلیفۂ حضور مفتئ اعظم ہند، وتلمیذ صدر العلماء میرٹھی علیہما الرحمۃ، حضرت علامہ مفتی رحمت اللہ صاحب قبلہ بلرامپوری

(۱۰) عالم معقول ومنقول حضرت علامہ مولانا محمد نعیم اللہ صاحب قبلہ سابق صدر المدرسین جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف

(۱۱) شیخ العلما حضرت علامہ مولانا عبد الخالق صاحب قبلہ

(۱۲) حضرت مولانا مسلم صاحب قبلہ بہار

بیعت وارادت

آپ دورِ طالبِ علمی ہی میں اپنے وقت کی عظیم ترین شخصیت شہزادۂ اعلیٰ حضرت، تاجدار اہلسنت، علامہ محمد مصطفیٰ رضا خان، مفتئ اعظم ہند رضی اللہ عنہما کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو گئے۔

خلافت واجازت

آپ کو زمانۂ طالبِ علمی سے ہی علما ومشائخ سے قلبی عقیدت ووارفتگی تھی، ان میں سرِ فہرست اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے۔ انہیں میں ایک جگمگاتا ہوا نام شیخ الاسلام، ولی کامل، عالمِ عامل، مرشدِ برحق حضرت علامہ ومولانا سید آلِ محمد عرف ستھرے میاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ زمانۂ طالب علمی ہی سے آپ حضرت ستھرے میاں قبلہ کی بارگاہ کے حاضر باش تھے۔ اکثر وبیشتر تقریبا سولہ کلومیٹر پیدل چل کر بلگرام شریف میں حضرت کی خدمت میں حاضری دیتے۔ اور آپ سے ایک طویل مدت تک کسب فیض کیا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت آپ کو اپنا روحانی بیٹا کہتے اور آپ پر بہت ہی زیادہ عنایات ونوازشات فرماتے یہاں تک کہ آپ کو چاروں سلاسل، سلسلۂ عالیہ قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ کی خلافت عطا فرمائی اور بزبانِ فارسی اپنے دست مبارک سے لکھ کر خلافت نامہ بھی عطا فرمایا۔ تبرکا وتیمنا خلافت نامہ ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

خلافت نامہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم، والعاقبة للمتقین
والصلوٰة والسلام علیٰ رسولہ سیدنا محمد وآلہ اجمعین

مولوی سید محمد احسن صاحب را اجازت دام ومجاز کردم۔ باید کہ چوں طالبِ صادق آید آنرا مرید کنند ووظائف حقہ را تلقین کنند۔ مثل درود شریف وکلمہ واستغفار وحوقلة واستعاذہ، بخدا سپردم۔ باید کہ خود وظائف را مداومت کنند۔ فقط

فقیر سید آلِ محمد ستھرے میاں واسطی قادری

اعظم العلما افضل الفضلا شیخ الحدیث و التفسیر حضرت علامہ مولانا مفتی جہانگیر صاحب قبلہ علیہ رحمۃ اللہ القدیر (وصال: ۱۳؍ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۸؍اگست ۱۹۹۷ء بروز پیر) سے بھی اجازت وخلافت حاصل ہے۔

قاضیٔ ملت، فقیہ اہلِ سنت حضرت علامہ مفتی قاضی عبد الرحیم صاحب قبلہ رحمہ اللہ المنان الکریم نے بھی آپ کو اپنی مکتوبہ اجازت وخلافت سے نوازا۔

۱۹۸۶ء میں شہزادۂ صدر الشریعۃ حضرت علامہ مولانا مفتی بہاء المصطفیٰ صاحب قبلہ مدظلہ آپ کو تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اسمٰعیل رضا المعروف بہ اختر رضا خان ازہری میاں صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ (وصال: ۶؍ذوالقعدۃ ۱۴۳۹ھ/ ۲۰؍جولائی ۲۰۱۸ء بروز جمعہ مبارکہ بوقتِ اذانِ مغرب) کی بارگاہ میں لے گئے، اور آپ کو پہلی خلافت واجازت عطا ہوئی۔

حج وزیارت

اللہ رب العزت نے آپ کو دومرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت عطا فرمائی۔

پہلا حج ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۹۹۸ء میں نیوریا حسین پور سے اور دوسرا حج ۲۰۰۴ء میں شاہجہان پور سے کیا۔ اور متعدد مرتبہ عمرہ کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔

عقد نکاح

حضرت مفکر اسلام کا عقد مسنون وطن مالوف کبیر پور ہی میں نقوی سادات گھرانے کی نہایت شریف، نیک، صالح اور عفیفہ خاتون سے ربیع الاول ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۸ء میں ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو بیٹوں اور دو بیٹیوں سے نوازا ہے۔

درس وتدریس

آپ کے تدریسی سفر کا آغاز تو دوران طالب علمی (۱۹۸۲ء) میں ہی ہو چکا تھا۔ آپ کے مشفق وقدردان اساتذہ نے پڑھنے کے ساتھ ساتھ آپ کو پڑھانے کی ذمہ داری بھی سونپ رکھی تھی۔ لیکن باقاعدہ ومکمل تدریس کا آغاز فراغت کے بعد ہوا، جب آپ ۱۹۸۴ء میں نیوریا حسین پور ضلع پیلی بھیت کے (مدرسے) دار العلوم غوثیہ میں آئے۔ اور آپ نے درسِ نظامی کی منتہی کتابوں کا درس دینا شروع کیا۔ آپ تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد وکلام، معانی وبیان اور منطق وغیرہ کا درس دیتے۔ آپ کی آمد کے بعد چند ہی سال میں ادارہ کا تعلیمی معیار اتنا بلند اور اعلیٰ ہوگیا، کہ دیکھتے دیکھتے ملک کے طول وعرض میں اس کی شہرت پھیل گئی۔ اور دور دراز علاقوں سے طالبین علوم نبویہ شوق حصول علم میں کھنچ کھنچ کر آنے لگے۔ صرف عوام ہی نہیں، بلکہ بڑے بڑے علماء ومشائخ حتیٰ کہ بعض بڑی خانقاہوں کے سجادگان نے بھی اپنے بچوں کو آپ کی بارگاہ میں بھیجا۔

آپ کے استاذ گرامی وقار حضرت علامہ سید محمد عارف میاں صاحب قبلہ آپ کی تدریسی صلاحیتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’آپ صاحب فیض ہیں۔ آپ کے تلامذہ دار العلوم منظر اسلام میں جب درجۂ حدیث میں آتے ہیں، تو ان کی اچھی صلاحیتوں سے سید صاحب کی تدریسی صلاحیتوں کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔‘‘ (تقریظ بر ’’ماہِ بہاراں‘‘)

آپ کی درس گاہ کے فیض یافتگان اور تلامذہ کی ایک لمبی فہرست ہے، جن میں مفسر بھی ہیں محدث بھی، مفتی بھی ہیں متکلم بھی، مصنف بھی ہیں محقق بھی۔ جو

ملک کے مختلف حصوں میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ حضرت مفکر اسلام کے درس وتدریس کا سلسلہ۔ جو ۱۹۸۲ء میں شروع ہوا تھا۔ اداروں کی سرپرستی، دعوتی وتبلیغی دوروں اور تصنیف وتالیف کی بیشمار مصروفیات کے باوجود آج تک جاری ہے۔ آپ نے ۱۹۸۴ء سے ۱۹۹۸ء کے درمیان تقریباً ۱۵/سال تک دار العلوم غوثیہ نیوریا میں اپنی خدمات وذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دیا۔ ۱۹۹۸ء میں آپ حضرت مفتیٔ اعظم ہند قدس سرہ کے خواب کو جامۂ تعبیر پہنانے کے لئے اور اس علاقہ کی دینی ومذہبی ضرورت کے تحت شاہجہان پور تشریف لے آئے۔

ورود شاہجہان پور

آپ چونکہ ایک کہنہ مشق وماہر مدرس ومعلم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بے باک، حق گو اور خوش بیان خطیب وواعظ بھی ہیں۔ اسی لئے آپ کے تقریری وتبلیغی دورے بھی ہوتے تھے۔ اسی درمیان آپ نے شاہجہان، پور لکھیم پور واطراف کے دورے بھی کئے۔ تب آپ نے محسوس کیا کہ اس علاقے میں دینی ومسلکی کام کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ یہاں نہ تو اہل سنت کا کوئی ادارہ تھا نہ کوئی تنظیم، جس سے کہ مسلک ودین کا کام ہوتا۔ اسی ضرورت کے پیش نظر حضرت مفکر اسلام دَامَ ظِلُّہٗ عَلَیْنَا نے ۱۹۹۷-۹۸ء میں ''جماعت مصطفیٰ'' نامی تنظیم تشکیل دی۔ اور کچھ مخلصین کے تعاون سے یکم اکتوبر ۱۹۹۸ء کو ایک مرغی خانے کا سودا کیا۔ پھر آپ نے ۱۵ سالہ شبانہ روز خونِ جگر سے سینچے ہوئے لہلہاتے چمن کو دار العلوم غوثیہ کی شکل میں اپنے تلامذہ کے سپرد کر کے نیوریا حسین پور کو خیر آباد کہہ دیا۔ اور اس خطے کی دینی ضرورت کی پکار پر لبیک کہہ کر ۱۰/فروری

۱۹۹۹ء کو ۵۷/بیرونی طلبا کے ساتھ ایک مرغی خانہ میں ''جامعہ فاطمہ'' کی شکل میں علم وادب کا باغ لگایا۔ اور اس طرح حضرت مفکر اسلام کے ذریعہ شاہجہان پور واطراف میں کئے گئے یہی تقریری وتبلیغی دورے شاہجہان پور میں جامعہ فاطمہ کے قیام کا اصل سبب ومحرک بن گئے۔

دینی، ملی اور قومی خدمات

(۱) جامعہ فاطمہ جلال نگر شاہ جہان پور

حضرت مفکر اسلام کے ذریعہ شاہ جہان پور میں قائم ہونے والا پہلا ادارہ جس کا آغاز ۱۰/فروری ۱۹۹۹ء میں ایک مرغی خانہ سے کیا گیا۔ پھر مرغی خانہ سے متصل ایک قطعۂ اراضی خرید کر ۲۳/مئی ۱۹۹۹ء کو جامعہ کی جدید عمارت کا سنگ بنیاد رکھا جو ۲۲/اکتوبر ۱۹۹۹ء تک ۵/ماہ کے قلیل عرصے میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔ صدر العلما حضرت علامہ مولانا تحسین رضا خاں صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کی زبان فیض ترجمان سے دروس نظامیہ کا آغاز ہوا۔ جامعہ میں درس نظامی اور حفظ وقرات کی مکمل تعلیم کا انتظام ہے۔ اب تک جامعہ سے سیکڑوں فضلا، علما، قرا اور حفاظ فراغت حاصل کر چکے ہیں اور ملک وملت کی خدمت میں مصروف ہیں۔ اس ادارہ میں طلبہ سے قیام وطعام اور تعلیم وغیرہ کی کوئی فیس نہیں لی جاتی ہے۔ اس کے اخراجات زکوٰۃ وصدقات وعطیات سے پورے ہور ہے ہیں۔ جامعہ فاطمہ عربی فارسی مدرسہ بورڈ سے منظور ہے اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ملحق۔

(۲) فاطمہ شریعت کالج شاہجہان پور (نسواں)

جب دہلی سے لکھنؤ تک اہل سنت وجماعت کا قوم کی بچیوں کی دینی وعصری

مخلوط تعلیم کا کوئی ادارہ نہیں تھا، جہاں قوم کی بچیاں اپنی دینی تعلیمی پیاس بجھا سکیں۔ تو اس خلا کو محسوس کرتے ہوئے حضرت مفکر اسلام نے ۲۰۰۳ء میں محلہ چمکنی شاہجہاں پور میں لڑکیوں کی تعلیم کے لئے ایک ادارہ بنام فاطمہ شریعت کالج قائم فرمایا۔ لڑکیوں کی دینی تعلیم کا واحد ادارہ ہونے کی وجہ سے دن بدن لڑکیوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا، جس کی وجہ سے یہ بلڈنگ لڑکیوں کے ہاسٹل کے لئے ناکافی ثابت ہونے لگی۔ ادھر اسی بلڈنگ میں فاطمہ گرلس انٹر کالج بھی چل رہا تھا، بچوں کی بڑھتی تعداد کی وجہ سے اس میں بھی جگہ کم پڑ رہی تھی۔ اس لیے چند سال بعد فاطمہ شریعت کالج چمکنی سے جلال نگر منتقل ہو گیا۔ الحمد للہ آج شریعت کالج میں ملک کے مختلف صوبہ جات کی تقریبا آٹھ سو (۸۰۰) بچیاں زیرِ تعلیم ہیں، جن میں سے سات سو (۷۰۰) بچیاں دارالاقامہ میں رہتی ہیں۔ ادارہ نہایت مناسب فیس پر طالبات کو بہتر سے بہتر سہولیات، عمدہ طعام اور اعلیٰ معیاری تعلیم دینے میں مصروف ہے۔ جس کے نتیجے میں سیکڑوں طالبات عالمہ، فاضلہ، قاریہ اور مُبلِّغَہ بن کر خدمت ملک و ملت میں مصروف عمل ہیں۔ ادارہ میں بہت سی یتیم وغریب بچیاں ہیں جن کے قیام وطعام اور تعلیم وغیرہ کا کوئی خرچ نہیں لیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مقامی طالبات بھی بغیر کسی فیس کے تعلیم پا رہی ہیں۔ شریعت کالج کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں چندہ نہیں کیا جاتا ہے۔

(۳) فاطمہ گرلس انٹر کالج (انگلش میڈیم)

آج کی اس سائنسی ومادی ترقی یافتہ دنیا میں ہر کوئی سائنسی وعصری علوم کے پیچھے بھاگا چلا جا رہا ہے، نہ اسے اپنے دین وایمان کی فکر ہے نہ اپنے بچوں کے دین وایمان کی۔ ہر کوئی اپنے بچوں کو دنیوی تعلیم سے آراستہ کرنا چاہتا ہے، خواہ اس

کے لیے اسے اپنے بچوں کو خالص غیر اسلامی وغیر دینی تہذیب وکلچر کا دیوانہ بنا کر دوزخ کا ایندھن ہی کیوں نہ بنانا پڑے۔ اس صورتحال کو محسوس کرتے ہوئے حضرت مفکر اسلام دام ظلہ کا دردمند اور حساس دل بے چین ہو گیا اور آپ نے ایک ایسا ادارہ قائم کرنے کا ارادہ فرمالیا جہاں قوم کے نونہال تحفظ دین اور ضروریات دین کی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم حاصل کریں۔ جس کے لئے آپ نے قلبِ شہر محلہ چمکنی میں فاطمہ پبلک اسکول (انگلش میڈیم) قائم فرمایا، جو آج برسوں سے انٹر کالج کی شکل میں ۱۲۰۰/ سے زائد بچوں کو عصری ودینی تعلیم کی دولت بانٹ رہا ہے، جن میں ۱۷۵/ بچے بچیاں مفت تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ الحمد للہ یہ کالج ضلع میں سائنس سائڈ سے مسلم گرلس کا واحد ادارہ ہے۔ اس میں درجہ ۶ تک طالبات کے ساتھ طلبا بھی شامل ہیں درجہ ۷ سے صرف طالبات۔

(۴) فاطمہ ہائی اسکول (ہندی میڈیم)

قوم کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو اپنے محدود وقلیل ذرائع آمدنی کی وجہ سے اپنے بچوں کو اچھے اور انگلش میڈیم اسکولوں میں نہیں داخل کرا پاتا ہے، جس کے سبب وہ بچے علم کی دولت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ایسے ہی غریب بچوں کے لئے حضرت مفکر اسلام نے یوپی بورڈ سے منظور شدہ فاطمہ ہائی اسکول کے نام سے ایک ہندی میڈیم اسکول قائم کیا، جس میں طلبا طالبات سے ۲۰-۳۰ روپے فیس لی جاتی تھی۔ اس وقت بوجوہ اس اسکول سے مدرسے کے طلبہ ہی ہائی اسکول کرتے ہیں۔

(۵) فاطمہ شریعت کالج نریاول بریلی شریف

مرکز اہلسنت بریلی شریف میں یوں تو بہت سارے اسکول وکالجز اور

مدارس تھے، لیکن لڑکیوں کی دینی تعلیم اور دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم کا کوئی ادارہ نہ تھا، جس کے پیش نظر حضرت مفکر اسلام نے ۲۰۰۹ء میں بریلی شریف میں ۳۵/بیگھہ زمین خریدی اور اس میں فاطمہ شریعت کالج کے نام سے لڑکیوں کی دینی تعلیم کا ادارہ قائم فرمایا۔ جس میں آج ۳۰۵/بچیاں زیر تعلیم ہیں۔ ان میں سے ۱۳۵/بچیاں فری تعلیم پارہی ہیں۔ اس ادارہ میں بھی کسی طرح کا کوئی چندہ نہیں کیا جاتا۔

(۶) فاطمہ لیان (C.B.S.E.) سینیر سیکینڈری اسکول بریلی شریف

حضرت مفکر اسلام نے فاطمہ شریعت کالج کے ساتھ دینی وعصری تعلیم کے سنگم فاطمہ لیان کا بھی آغاز کر دیا۔ فاطمہ لیان بریلی منڈل میں مسلم کمیونٹی کا (C.B.S.E.) سے ملحق سینیر سیکینڈری معیار کا واحد ادارہ ہے۔ جس میں اس وقت ۱۱۵۲/طلبا و طالبات قرآن کریم و دینیات کے ساتھ علوم عصریہ حاصل کر رہے ہیں۔ اس ادارہ میں بھی ۱۵۰/بچے بچیاں فری تعلیم پارہے ہیں۔

اس طرح کل ملا کر تمام اداروں میں تقریباً ۳۶۵۰/طلبا و طالبات اپنے دین وایمان کی حفاظت اور علم دین کے ساتھ علومِ عصریہ حاصل کر رہے ہیں۔ جن کی تعلیم وتربیت اور نگرانی کے لیے تقریباً دوسو افراد مقرر ہیں۔

(۷) فاطمہ کڈز اکیڈمی (کنڑگارڈین) آکاش پورم بریلی شریف:

قوم وملت کے ننھے منے بچوں کے لئے ابتدائی دینی وعصری تعلیم سے آراستہ کرنے کے لئے ۲۰۲۱ء میں حضرت مفکر اسلام نے یہ اکیڈمی قائم کی۔

ان کے علاوہ بدایوں، پیلی بھیت، قنوج اور دیگر مقامات پر کئی مدارس و مکاتب آپ کی سرپرستی میں خدمتِ دین انجام دے رہے ہیں۔

خصوصیات

حضرت مفکر اسلام کے زیر سرپرستی چل رہے اداروں کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ مفت یا قلیل فیس ہونے کی وجہ سے ۳۶۵۰ بچوں میں تقریباً ۹۰/فیصد وہ بچے ہیں، جن کی پہلی ہی نسل اسکول یا مدرسے میں پڑھنے آئی ہے۔

دونوں انگلش میڈیم کالجوں (فاطمہ گرلس اور فاطمہ لیان) کی ایک خصوصیت جو ان دونوں کو تمام مسلم عصری اداروں سے ممتاز کرتی ہے یہ ہے کہ دونوں کالجوں میں طلبا وطالبات اسکول آنے کے بعد اپنی تعلیم کا آغاز قرآن مجید سے کرتے ہیں۔ اس پیریڈ میں عصری تعلیم کی کلاسیز کی حدیں ختم ہوجاتی ہیں، یہ پیریڈ قرآنی تعلیم کی لیاقت کے اعتبار سے چلتا ہے۔ جس میں پانچویں کلاس کا دسواں پارہ پڑھنے والا بچہ ہائی اسکول کے دسواں پارہ پڑھنے والے بچے ساتھ بیٹھتا ہے۔

(۸) القرآن روحانی فاؤنڈیشن:

مکاتب اہل سنت و جماعت کی اصلاح اور بچوں کی ابتدائی دینی تعلیم کو بہتر بنانے کے لئے حضرت مفکر اسلام نے ۱۰/مئی ۲۰۱۵ء میں ''القرآن روحانی فاؤنڈیشن'' نامی تنظیم تشکیل دی۔

(۹) چالیس روزہ سمر اسلامک کلاسیز:

ہماری قوم کے وہ بچے جو اسکول وکالج میں پڑھتے ہیں، وہ دینی معلومات سے محروم رہ جاتے ہیں۔ کیونکہ جہاں وہ پڑھتے ہیں، وہاں دین پڑھایا نہیں جاتا۔ ایسے بچوں کے لئے حضرت مفکر اسلام نے مئی جون کی چھٹیوں میں ''چالیس روزہ سمر اسلامک کلاسیز'' کا اہتمام کیا۔ جن میں اسکول وکالج میں تعلیم

پانے والے بچے بچیوں کو دین کی ضروری تعلیم سے آراستہ کیا جاتا ہے۔اس کے لئے حضرت مفکرِ اسلام نے باقاعدہ نصاب بنایا اور کتابیں تصنیف کیں۔

هٰذَا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ یُعْطِیْهِ مَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا
ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

سماجی خدمات

(۱) فاطمہ چیریٹیبل کلینک شاہجہان پور: غریبوں اور کمزوروں کے علاج کے لیے حضرت مفکر اسلام نے اس کلینک کا آغاز کیا تھا، جس میں شاہجہان پور شہر کے ماہرفن ڈاکٹر حضرات خدمت انجام دے رہے تھے۔ ۲۰۰۵ء تک ۱۲۵۰۰/ بیماروں نے علاج کرایا تھا۔ کچھ وجوہات کی بنیاد پر یہ کلینک اس وقت بند ہے۔

(۲) حضرت مفکر اسلام کے زیر سرپرستی چلنے والے اداروں میں تقریباً (۷۷۰) بچے بچیاں بغیر کسی خرچ کے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

(۳) تقریباً تین سو (۳۰۰) بچے بچیاں بغیر کسی فیس کے قیام وطعام کی سہولیات پا رہے ہیں۔

(۴) یہ ادارے تقریباً دوسو (۲۰۰) افراد کی معاشی ضروریات پوری کر رہے ہیں۔

مستقبل کے منصوبے

(۱) نریاول بریلی شریف میں ایک مسجد کی تعمیر
(۲) فاطمہ لیان ایک دارالاقامہ کی تعمیر
(۳) فارغین مدارس کی تربیت وٹریننگ کے لیے ایک تربیت گاہ کا قیام

درس قرآن

حضرت مفکر اسلام جہاں مدارس وکالجیز کے ذریعہ قوم وملت کے نونہالوں کو عصری و دینی تعلیم سے آراستہ کر کے ان کے دین و ایمان کی سلامتی کے لیے کوشاں ہیں، وہیں ملت کے نوجوانوں اور بوڑھوں کو بھی اپنے وعظ و بیان اور ہفتہ واری درسِ قرآن کے ذریعہ ان کی اصلاح میں مصروف ہیں۔آپ نے شاہجہان پور تشریف لانے کے بعد ۲۳/ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۱/اپریل ۱۹۹۹ء کو شہر کے لوگوں کو فیضان قرآن سے فیضیاب کرنے کے لئے ''درسِ قرآن مجید'' کا آغاز فرمایا۔جس میں شہر بھر کے تقریبا چھ سات سو حضرات شرکت کرتے ہیں۔تقویم قمری کے اعتبار سے تقریباً ۲۳/سال سے ہر اتوار کو بلاناغہ تفسیر قرآن مجید بیان فرما رہے ہیں اور ابھی پندرہویں پارہ کی تفسیر چل رہی ہے۔اس درس قرآن کی برکت سے کئی گمراہوں کو صراط مستقیم اور ہدایت مل گئی اور نہ جانے کتنے بے راہ، گناہ گار اور فاسق وفاجر لوگ نیک پرہیزگار اور احکام شرع کے پیرو کار ہو گئے۔

شاہ جہان پور کے علاوہ حضرت مفکر اسلام نے دہلی، لکھنؤ اور بیسلپور وغیرہ دیگر مقامات پر بھی مختلف اوقات میں کچھ عرصہ ماہانہ و ہفتہ واری دروس تفسیر دیئے

ہیں، جن میں ماڈرن تعلیم یافتہ آفیسر رینک کے حضرات بھی شرکت کر رہے۔ حضرت کا ہفتہ واری درس تفسیر یوٹیوب پر بھی اپ لوڈ ہے، فکر سلیم رکھنے والے حضرات سرچ کر کے سن سکتے ہیں۔

خطابت و وعظ گوئی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت مفکر اسلام کو زورِ تالیف کے ساتھ ملکۂ خطابت سے بھی نوازا ہے۔ آپ ایک ہر دلعزیز مقرر وخطیب ہیں۔ آپ نے شروع ہی سے میدان خطابت میں قدم رکھ دیا تھا۔ لیکن آپ نے کبھی تقریر ووعظ گوئی کو ذریعۂ معاش نہیں بنایا، بلکہ ہمیشہ اصلاح امت اور فروغ دین وملت کے لئے تقاریر کیں۔ آپ کا انداز بیان نہایت سادہ اور انداز تفہیم نہایت آسان کہ ان پڑھ اور ناخواندہ بھی اس کو بآسانی سمجھ لیتا۔ اور خلوص وللّٰہیت، جذبۂ خدمت اور بے لوثی واستغناء کا یہ عالم، کہ کبھی کسی سے نذرانہ طے نہ کیا اور نہ کبھی طلب کیا۔ اگر کسی نے ان جانے میں نذرانے کے لئے پہلے پوچھ بھی لیا، تو اسے پیار ونرمی سے حقیقت مسئلہ سے آگاہ کر دیا۔ جس نے جو دے دیا، اسے خاموشی سے رکھ لیا۔ حتیٰ کہ بعض مقامات پر اتنا کم دیا گیا کہ کرایہ بھی اپنی جیب سے ادا کرنا پڑا۔ لیکن نہ کبھی کوئی شکوہ کیا، نہ کوئی شکایت اور نہ کبھی کسی کو بدنام کیا۔ کبھی نذرانے کے لئے رک کر انتظار نہ کیا۔ لیکن آج کل کے جلسوں کے ماحول اور حالات زمانہ کو دیکھ کر آپ نے جلسوں میں جانا کم بلکہ نہ کے برابر کر دیا ہے۔ اللہ قومِ مسلم کو ہدایت اور عقل وشعور عطا فرمائے۔ ؎

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے؟ رہ رو منزل ہی نہیں

تصنیف وتالیف

اتنے اداروں کی سرپرستی وادارت، دعوتی وتبلیغی دوروں اور تدریسی مصروفیات کے باوجود حضرت مفکر اسلام نے بندگان خدا کی اصلاح وتربیت کے لیے ترغیب وترہیب پر مشتمل کئی کتابیں تصنیف فرمائیں ہیں۔ آپ کی تمام تصانیف ترغیب وترہیب، پند ونصیحت، محاسبۂ نفس، مسلمانوں کو برائیوں سے روکنے، اچھائیوں کے کرنے، قبر وقیامت، حشر ومعاد اور دوزخ کی ہولناکیوں، وحشتوں اور ان کے حساب وعذاب وغیرہ ضروری مضامین پر مشتمل ہیں۔ انداز تحریر اتنا شستہ وسادہ اور آسان ہے کہ ہر ایک آسانی سے سمجھ سکے۔ ذیل میں ہم حضرت کی تصانیف کی فہرست پیش کرتے ہیں۔

مطبوعہ تصانیف:

(۱) گلدستۂ نماز (۲) ماہِ بہاراں (۳) درسِ عبرت (۴) نمازِ فاطمہ (۵) فقہ حنفی (۶) اسلامی آداب (۷) ایمان کی شاخیں (۸) اپنا اپنا گھر بچاؤ (۹) اسلامی عقائد واعمال (۱۰) حجاب عزت یا ذلت؟ (۱۱) اسلامی عقائد ونظریات (۱۲) نجات کا راستہ (۱۳) رضوی فضائلِ اعمال المعروف بہ فضائل اسلام (حصہ اول) (۱۴) سعادت مند اولاد (۱۵) مومن رات دن کیسے گذارے؟ (۱۶) وصیتیں اور نصیحتیں (۱۷) دھیان رہے! خدا دیکھ رہا ہے (۱۸) یاد رہے! موت تاک میں ہے (۱۹) صدقات کے آداب واحکام

رسائل وفولڈر:

(۱) اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت (۲) دل کی باتیں سچی باتیں (۳) پیغامِ امن و

نجات (۴) دعوت فکر و عمل (۵) کیا آپ کو قبر و قیامت کا کچھ خوف ہے؟ (۶) دعوت وحدت و وحدانیت (۷) دعوت فکر (۸) آمدِ مصطفیٰ ﷺ (۹) حج کا مختصر و آسان طریقہ (۱۰) احساسِ زیاں (۱۱) تحفۂ محرم (۱۲) عید میلاد النبی ﷺ کی خوشیاں کیسے منائیں؟ (۱۳) انسانی تربیت کے مراحل (۱۴) فکرِ اسلام

غیر مطبوعہ: (۱) شرح شرح جامی: الیٰ غیر المنصرف (۱۹۸۴ء) (۲) ایمانِ کامل (۳) سائنس اور سکون؟ (۴) خاموشی کی برکتیں۔

حضرت مفکر اسلام کی کتب اکثر مفت تقسیم ہوتی ہیں۔

اتباع شریعت و زہد و تقویٰ

حضرت مفکر اسلام دام ظلہ علم و فضل کا پیکر ہونے کے ساتھ ساتھ تقویٰ و طہارت اور خوف خشیت میں آج کے علماء کے لئے منارۂ نور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ عالم و فاضل ہونے کے ساتھ عاملِ کامل بھی ہیں۔ اس دور میں علماء تو بہت ہیں، لیکن علم کے ساتھ عمل کی دولت چند ہی کے حصے میں آئی، انہیں ''چند'' میں ایک شخصیت حضرت مفکر اسلام کی بھی ہے۔ آپ کی تقویٰ شعار زندگی کے آئینے میں بلا خوف کہا جا سکتا ہے، کہ اتنی سختی و شدت کے ساتھ اتباع شریعت کرنے والا ڈھونڈے نہ ملے گا۔ صوم و صلوٰۃ کے اتنے پابند کہ دیکھ کر اسلاف کی یاد آجائے۔ اور یہ تقویٰ و طہارت، خوف و خشیت اور عمل کی دولت ابھی نہیں حاصل ہوئی، بلکہ دورِ طالبِ علمی ہی سے آپ نہایت نیک، پرہیزگار، متقی، صاحب خوف و خشیت اور عامل قرآن و سنت تھے۔

اہتمام نماز و جماعت

نماز و جماعت کا اہتمام اس قدر کرتے ہیں، کہ موجودہ دور میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ سفر میں جماعت و سنن کے سلسلے میں رخصت آئی ہے، لیکن حضرت چاہے سفر میں ہوں یا حضر میں ہمیشہ نماز باجماعت کی پابندی فرماتے ہیں، اور بلا عذر کے کبھی نوافل بھی ترک نہیں کرتے ہیں۔ ٹرین سے سفر کرنے کی صورت میں فرض، وتر اور فجر کی سنتیں ٹرین رکنے پر پلیٹ فارم پر ادا کرتے ہیں۔ اور اگر نماز کے وقت میں ٹرین کہیں نہیں رکتی ہے، تو بوجہ مجبوری چلتی ٹرین میں پڑھتے ہیں اور پھر بعد میں اس کا اعادہ فرماتے ہیں۔

تربیت و اصلاح

طالبین علومِ دینیہ کو تنبیہ کرنا، ان کے اخلاق، کردار اور عادات و اطوار کو شریعت کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرنا، انہیں وقفہ وقفہ سے پند و نصیحت کرنا، اور عام طور سے لوگوں کو خلاف شرع امور پر بلاجھجک ٹوکنا، نصیحت کرنا اور اصلاح کر کے حکم شرع سے آگاہ کرنا اس دور میں آپ کا خاصہ ہے۔ ورنہ لوگوں کے سامنے احکامِ شرع کی خلاف ورزی اور حدود شرع کی پامالی ہوتی رہتی ہے، لیکن ان کے منہ سے اُف تک نہیں نکلتا ہے۔ اور کچھ ''نفس پرست'' جنہیں آپ کا یہ طریقہ اچھا نہیں لگا، انہوں نے آپ کی اتباع شریعت اور حق گوئی و بے باکی کو سخت مزاجی اور شدت کا نام دے دیا۔ ان میں نااہل و محروم القسمت شاگرد زیادہ ہیں۔ انہوں نے ہی اس چیز کو زیادہ بڑھاوا دیا۔ اور لوگوں کو حضرت کے متعلق غلط فہمی میں مبتلاء کیا۔ جس کی بناء پر وہ خود تو

محروم تھے،ہی، دوسروں کو بھی محروم کر دیا۔اوراس حق گوئی، راست بازی اور حقیقت بیانی سے بہت سے ''اپنے'' کہلانے والے دور ہو گئے۔مگر حضرت نے کبھی کسی کی پرواہ نہیں کی، اور حق کو حق اور باطل کو باطل ہی کہتے ہیں اور ہر غلط وخلاف شرع امر کا ردفرماتے ہیں۔کبھی بھی مداہنت و دورخی سے کام نہیں لیتے، نہ کسی بڑے سے بڑے شخص سے مرعوب ہوتے اور نہ کسی کی تنقید بے جا کی پرواہ کرتے ہیں۔

اساتذہ واکابرین کاادب واحترام

اپنے شیوخ واساتذہ اور بزرگوں واکابر کا بے انتہا احترام فرماتے ہیں۔ آج بھی ۔کہ بجائے خود نہ جانے کتنے قابل وجید علماء کے استاذ وشیخ ہیں، اکابر کی فہرست میں شمار ہوتے ہیں، پیر کامل اور مرشدِ برحق ہیں۔اپنے استاذوں کا اتنا احترام فرماتے ہیں،جس کی نظیر آج کے اس پُرفتن دور میں ملنا محال نہیں،تومشکل ضرور ہے۔ اساتذہ کی چھوڑیئے، وہ بزرگ واکابر علماء جن سے حضرت نے تحصیل علم نہیں کی، ان کی بھی پوری تعظیم کرتے اوران کا ادب واحترام ملحوظ رکھتے ہیں۔ ورنہ آج تو یہ حال ہے کہ اگر کسی طالبِ علم کو تھوڑی سی عبارت خوانی آجائے، یا اللہ عزوجل اسے تھوڑا ذہن عطا فرمادے، تو اب وہ نہ تو استاذ کو کچھ سمجھتا ہے اور نہ اپنے بڑوں کا ادب واحترا کرتا ہے۔ اللہ عزوجل بڑوں کی بے ادبی وگستاخی سے محفوظ رکھے۔

اساتذہ کی کرم نوازیاں

آپ کے اساتذہ بھی آپ کا اتنا ہی لحاظ واحترام فرماتے ہیں۔اورآپ کے

علم وفضل، زہدوتقویٰ، خلوص وللّٰہیت اور خدمت قوم وملت کو سراہتے اور جا بجا اس کا اعتراف کرتے ہیں اور آپ کی ذات وشخصیت پر ناز کرتے ہیں۔

تاج العلماء فخر المحدثین حضرت علامہ سید محمد عارف میاں صاحب قبلہ اطال اللہ عمرہم نے بہرائچ شریف کے ایک جلسے میں بھرے مجمع میں آپ کا تعارف کرواتے ہوئے فرمایا تھا: ''لوگ تو اپنے استادوں پر فخر کرتے ہیں، کہ میرے استاذ فُلاں صاحب ہیں۔لیکن مجھے اس بات پر ناز ہے کہ سید صاحب میرے شاگرد ہیں۔''

حضرت سید عارف میاں صاحب قبلہ آپ کی کتاب ماہِ بہاراں پر تقریظ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

''کتاب مستطاب فیض مآب ماہ بہاراں: مصنفہٗ سید محترم فاضل جلیل عالمِ بے عدیل پیکر صدق وصفا صاحب زہد واتقاء مبلغ اسلام وسنیت حامی دین متین ماحیٔ کفر و بدعت حضرت علامہ شاہ مولانا سید محمد احسن میاں صاحب قبلہ رضوی قادری شیخ الحدیث وناظم اعلیٰ دارالعلوم غوثیہ قصبہ نیوریا ضلع پیلی بھیت یوپی نظر نواز ہوئی۔'' پھر چند سطور کے بعد فرماتے ہیں:

''حضرت مصنف کا خدمتِ دین میں یہ (ماہِ بہاراں) پہلا قدم نہیں ہے۔ بلکہ آپ کی زندگی کا جائزہ لیا جائے، تو اس کم عمری میں موصوف بڑے بڑے کار ہائے نمایاں انجام دے رہے ہیں۔ تدریسی مصروفیات، مدرسہ کے انتظامات، رشد وہدایت اور خود اپنے معاشیات، یہ تو آپ کے ساتھ ہر لمحہ موجود ہیں۔ بایں ہمہ آپ نے ایک جماعت بنام ''جماعت مصطفیٰ'' قائم کی۔ جس کا مقصد اصلاح اعمال وعقائد اور تحفظ واشاعت مسلک اعلیٰ حضرت ہے، اور الحمدللہ کہ آپ اپنے اس مقصد میں بھی کامیاب ہیں۔'' ....آگے لکھتے ہیں:

''دراصل سید صاحب کا خلوص، آپ کی للّٰہیت اور آپ کی روحانیت ان تمام کامیابیوں میں اثر انداز ہے۔ یہی وجہ کہ آپ اپنی ہر کاوش میں کامیاب ہیں۔ الحمدللہ رب العٰلمین۔'' چند سطر بعد آپ کے زمانۂ طالب علمی کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''ابھی کل کی بات ہے، جب حضرت مولانا سید احسن صاحب مادر علمی دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف میں ایک ہونہار طالبِ علم تھے۔ امید تو یہی تھی، جو حضرت سے ظاہر ہوئی۔ اور آپ کی موجودہ کامیابیوں کو دیکھتے ہوئے اب یہ کہنا آسان ہو گیا ہے، کہ: آپ کے تبلیغی کارنامے، مسلکِ اعلیٰ حضرت کی اشاعت، دارالعلوم غوثیہ کی مزید ترقی اور سلسلۂ تصنیفات مستقبلِ قریب میں آپ کے اقران میں سب پر فوقیت لے جائیں گے۔ ایک بڑی خوبی کی بات یہ بھی ہے کہ آپ ایک بہترین مقرر اور بے دینوں کو دندان شکن جواب دینے کے لئے اہلِ سنت کی جانب سے ایک بلند پایہ مناظر بھی ہیں۔ اور یہ کہ آپ صاحب فیض ہیں۔ آپ کے تلامذہ دارالعلوم منظر اسلام میں جب درجۂ حدیث میں آتے ہیں، تو ان کی اچھی صلاحیتوں سے سید صاحب کی تدریسی صلاحیتوں کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ میری دعا ہے: مولیٰ تبارک وتعالیٰ سید صاحب کی اس کتاب کو قبولیت تامہ عامہ عطا فرمائے۔ اور ان کی صلاحیتوں سے عالمِ اسلام کی آبیاری کے لئے ان کے حالات ہمیشہ سازگار رکھے اور آپ کی ذات مقدسہ سے اسلام وسنیت کو زیادہ سے زیادہ نفع بخشے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم''

سطورِ بالا کے ایک ایک لفظ سے کتنا اعتماد، محبت، خلوص اور احترام ٹپک رہا ہے، استاذ کی نظر میں شاگرد کا کیا مقام واحترام ہے، آپ نے اس کا اندازہ لگا لیا ہوگا۔ اور

اُستاذ محترم کی دعائیں وپیشین گوئیاں شاگرد رشید کے حق میں حرف بحرف اور من وعن پوری ہوئیں۔ اور اس شان سے پوری ہوئیں، ایک دنیا اس کا نظارہ کر رہی ہے۔

ایک اور استاذ گرامی وقار، بقیۃ السلف عمدۃ الخلف فقیہ اسلام حضرت علامہ مفتی صالح صاحب قبلہ اسی کتاب کی تقریظ میں رقمطراز ہیں:

''نسبت علم جب زینتِ عمل سے آراستہ ہو، تو نورٌ علی نورٌ ہے اور سونے پر سہاگہ۔ اور دراصل وہی مفید ومحمود ہوتی ہے، ورنہ بے فائدہ اور غیر محمود۔ جو حضرات حاملان علم دین اپنے علم پر خود بھی عمل کرتے ہیں، اور دوسروں کو بھی فائدہ پہونچاتے ہیں، وہی مبارک لقب ''عالم دین'' کے مستحق ہیں۔ انہیں خوش نصیب حضرات میں سے ایک بہترین علمی صلاحیت کے حامل عالم باعمل ہیں، لائق احترام، قابل اکرام حضرت مولانا مولوی سید احسن صاحب رضوی منظری فرخ آبادی صدر المدرسین وناظم اعلی دارالعلوم غوثیہ قصبہ نیوریا ضلع پیلی بھیت جعلہ اللہ من احسن العلماء معاشا ومعادا وزادہ فضلا وفیضا۔''

آگے لکھتے ہیں: ''آپ جامعہ رضویہ منظر اسلام ہونہار ابنائے قدیم سے ہیں۔ سنہ ۱۴۰۳ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ زمانہ تعلم میں بھی باعمل رہے۔ محنت ولگن سے درس ومطالعہ میں منہمک رہتے۔ سبھی اساتذہ کے حضور نہایت ادب واحترام سے پیش آتے۔ اسی لئے اساتذہ کے دل میں قدر وقعت بہت رہی، اس کی برکت سے سید صاحب ہیں۔''

آپ کے اساتذہ آپ کے علم وفضل اور آپ کی ذات سے کتنا مطمئن ہیں، اس کا اندازہ آپ درج ذیل اقتباس سے لگا سکتے ہیں۔ عالم معقول ومنقول حضرت علامہ ومولانا محمد نعیم اللہ صاحب قبلہ مذکورہ کتاب کی تقریظ میں تحریر فرماتے ہیں:

"جماعت مصطفیٰ کے زیر اہتمام تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ اس کی دوسری کتاب عمدہ ٹائٹل اور اچھی کتابت وطباعت کے ساتھ ماہِ بہاراں (فضائلِ رمضان) کے نام سے شائع ہو رہی ہے۔ اگر چہ کتاب میری نظر سے نہیں گذری ہے، لیکن مجھے اعتماد ہے کہ کتاب کے مسائل سب کے لئے مفید ثابت ہوں گے۔"

آپ کے ایک اور شفیق، محسن وکرم فرما استاذ، عالی جناب، فقیہ ملت، عالم باعمل، ماہرِ فقہ ونحو حضرت علامہ ومولانا مفتی رحمۃ اللہ صاحب قبلہ بلرامپوری آپ پر نوازشات وعنایات کی یوں بارش فرماتے ہیں:

"میں نے حضرت مجاہد ملت علیہ الرحمۃ کو قریب سے دیکھا ہے، قوم کا جو درد، خدمت کا جو جذبہ، ان میں تھا وہی آپ (حضرت مفکر اسلام) میں بھی ہے۔ آپ اس دور کے مجاہد ملت ہیں۔"

تأثرات وآرائے گرامی علماء ومشائخ

آپ کی خدمات دین ومذہب دیکھنے کے بعد بڑے بڑے علماء ومشائخ اور دانشوران قوم وملت دادوتحسین دیئے بنا نہ رہ سکے۔ آپ کی خدمات کا عوام الناس کے ساتھ ساتھ ملک وملت کی عظیم شخصیات کو بھی اعتراف ہے۔ اور واقعی میں قومِ مسلم کا درد رکھنے والے، متقی وپرہیزگار، باعمل اور دانا وبینا علماء ومشائخ کھلے دل سے آپ کی برتری تسلیم کرتے ہیں۔ اور آپ کا ادب واحترام بھی کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ مخالفین وحاسدین بھی اپنی نجی وذاتی مجالس ومحافل میں آپ کی خدمات جلیلہ کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں سراہتے ہیں۔ اور آپ کی عظمت کے قائل ہیں۔

ایک مرتبہ خانقاہِ برکاتیہ کے سجادہ نشین **امین ملت حضرت پروفیسر ڈاکٹر سید محمد امین میاں صاحب قبلہ** ایک جلسہ میں شاہجہانپور تشریف لائے، تو آپ نے جامعہ فاطمہ کا بھی دورہ کیا۔ جب آپ نے حضرت مفکر اسلام کی وسیع خدمات، جامعہ کی عالیشان بلڈنگ اور اس کے مطبخ خرچ وغیرہ کو ملاحظہ کیا، تو بیساختہ حضرت مفکرِ اسلام سے یہ فرمایا:

"کیا آپ کو دستِ غیب حاصل ہے۔"

دیکھنے میں تو یہ ایک جملہ ہے، مگر اپنے اندر مخاطب کے لئے تعریف وتحسین کا ایک جہان لئے ہوئے ہے۔

حضرت علامہ مولانا عبد المبین نعمانی صاحب:

ایک مرتبہ عرسِ رضوی کے موقعہ پر جامعہ فاطمہ تشریف لائے، اور حضرت مفکر اسلام کی خدمات کو ملاحظہ فرمایا، تو بولے: "کیا اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں، جو اتنا بڑا کام انجام دے رہے ہیں۔"

اوصاف وخصائل

حضرت مفکر اسلام پاکیزہ سیرت وکردار، عدل وکرم، حسن اخلاق، جود وسخا، فضل وعطا، مہمان نوازی، فراخ دلی، عاجزیٔ وانکساری، شرافت نفس، ایفائے عہد، حق گوئی، چھوٹوں پہ شفقت وعنایت کرنے اور وقت کی قدر کرنے میں بھی بے مثال ہیں۔ آپ حق گو، حق آگاہ، حق شناس، حقیقت بیان، صداقت شعار، دور بین، دور اندیش، نکتہ داں، معاملہ فہم، اعلیٰ انتظامی صلاحیت کے مالک، مشکل سے مشکل وقت میں ثابت قدم، صائب الرائے، پیچیدہ مسائل کے حل اور الجھی

گتھیوں کو سلجھانے میں ماہر، مشکل حالات میں بھی صحیح فیصلے کرنے والے۔ غرضیکہ آپ حضرت مفکر اسلام کو جس زاویہ اور جس جہت سے دیکھیں گے، حضرت آپ کو بے مثال و باکمال نظر آئیں گے۔ مفکر اسلام جیسی جامع الصفات اور متنوع الجہات شخصیات روز روز نہیں پیدا ہوتیں۔ بلکہ ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

☆☆☆

موسیٰ علیہ السلام کی دعا

اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو جب توریت عطا فرمائی، تو انہوں نے رب تعالیٰ سے عرض کی ''اے میرے معبود تو مجھے کوئی ایسی دعا سکھا دے جس سے میں دعا کیا کروں۔ اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے انہیں حکم دیا کہ ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کے ذریعہ دعا کیا کریں۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے میرے رب! تیرا ہر بندہ اسی کلمے کے ساتھ دعا کرتا ہے۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تو مجھے کوئی خاص دعا عطا فرما، جس کے ساتھ میں دعا کروں۔ اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے ارشاد فرمایا اے موسیٰ! اگر تمام آسمان اور آسمانوں کے رہنے والے، تمام سمندر اور جو بھی سمندروں میں ہے ان سب کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کو ترازو کے دوسرے پلڑے میں، تو ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کا پلڑا وزنی ہوگا۔ (فضائل اسلام)

سبب ترتیب

ہمارے چوبیس پچیس سال پرانے ایک مخلص شمس الدین بھائی صدر مسجد و مدرسہ حضرت نظام الدین اولیا، ساکنِ حال سنگم وِہار دہلی (قدیم ساکن سہرامئو جنوبی شاہجہانپور) نے بہت دن پہلے وصیت سے متعلق ایک کتابچہ ترتیب دینے کے لئے کہا تھا۔ بات ٹلتی رہی۔ آخر ان کے بار بار کے اصرار کے بعد میں نے اپنے آپ کو آمادہ کیا۔ بات ٹلتی یوں بھی رہی کہ وصایا سے متعلق کوئی کتاب میرے ہاتھ نہیں آ رہی تھی۔ اتفاق سے کچھ دن پہلے مجھے "مفاتیح الجِنان شرح شِرْعَة الاسلام" للعلامة یعقوب ابن السید علی رحمة الله علیه (اَلمُتَوَفّٰی: ۹۳۱ھ مطابق ۱۵۲۵ء) مطبوعہ استنبول ترکی دستیاب ہوئی۔ اس کا مطالعہ کیا دورانِ مطالعہ ایک صفحہ پر وصیت سے متعلق کچھ باتیں نظر سے گذریں۔ ان چند باتوں نے میری ہمت بڑھائی اور میں وصیت کے موضوع پر ایک رسالہ کے جمع و ترتیب کا ارادہ کرلیا۔ مگر رسالہ کے لئے ایک صفحہ بہت ناکافی تھا تو میں نے ولدی عزیزی مولوی آل مصطفیٰ احسن سَلَّمَہٗ سے کہا کہ وصیت سے متعلق کچھ مواد نیٹ سے نکال کردو۔

انہوں نے اپنی محنت اور جد و جہد سے حافظ ابو سلیمان محمد بن عبداللہ الرَّبعی (۲۹۷-۳۷۹ھ) کی ''وصایا العُلَما عند حضور الموت''، حجۃ الاسلام امام غزالی (۴۵۰-۵۰۵ھ) کی ''ایہا الولد''، قطب الاقطاب سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ (۴۷۰-۵۶۱ھ) کی ''فتوح الغیب شریف''، محدثِ ہند شیخ محقق عبد الحق دہلوی (۹۵۸ھ - ۱۰۵۲ھ) کی ''شرح فتوح الغیب''، علامۂ وقت امام ابن جوزی (۵۰۹ھ/ ۵۹۷ھ) کی ''لفتۃ الکبد الیٰ

نصیحۃ الولد‘‘ ،مولانا حسنین رضا خان کے مُرتب کردہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضلِ بریلوی کے’’ وصایا شریف‘‘ اور یابُنَیَّ وغیرہ کتابیں نکال کردیں۔ان کے علاوہ میں نے اپنے قلبی ذوق وشوق کے مطابق کتبِ تفسیر مثلاً: تفسیرِ کبیر، تفسیرِ بیضاوی، روح البیان، حاشیۂ صاوی، دُرِّ منثور، روح المعانی اور اشرف التفاسیر وغیرہ سے بعض آیات وسُوَر کا جگہ جگہ سے مطالعہ شروع کیا۔اور مذکورہ تمام کتابوں کے مطالعہ کے دوران مجھے عام دینی بھائیوں کی دینی ودنیاوی صلاح وفلاح کے لئے جومواد مفید نظر آیا،مُختلف جگہوں سے اٹھا کر ایک جگہ جمع کردیا۔ اور اب اس جمع وترتیب کو’’وصیتیں اور نصیحتیں‘‘ کے نام سے موسوم کر کے دینی بھائیوں کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔

ارادہ تو دس پندرہ صفحات کا ایک کتابچہ لکھنے کا تھا مگر جیسے جیسے مطالعہ بڑھتا گیا ویسے ویسے کتاب بڑھتی گئی یہاں تک کہ جب کتاب نے تین سو صفحات سے تجاوز کیا تو میں نے سوچا کہ کتاب کی ضخامت میرے مقصد کو پورا نہیں کرے گی اس لئے کہ میرے دل کی آواز یہ ہے کہ تارکینِ فرائض و واجبات اور حرام و باطل میں مبتلا لوگوں کے دلوں کو زیادہ سے زیادہ جھنجھوڑ کر ان کے ظاہر وباطن کی اصلاح کی جائے۔اس میں نے اصلاح باطن اور اصلاح ظاہر کے لئے بہت ہی زیادہ مفید حصوں کو علیحدہ کر کے ایک حصہ کو’’ خدا دیکھ رہا ہے‘‘ اور ایک حصہ کو’’ یاد رکھ ہر آن آخر موت ہے‘‘ سے موسوم کررہا ہوں۔

میرا خیال ہے جو دینی بھائی فرائض و واجبات سے دور ونفور اور حرام و بدعات میں ہر وقت مست ومسرور ہیں ان کے مردہ یا سوئے ہوئے دلوں کو جھنجھوڑنے اور بیدار کرنے کے لئے یہ دونوں کتابچے بہت مفید ثابت ہوں

گے۔اب جو ہمارے دینی بھائی ذوقِ مطالعہ رکھتے ہوں گے وہ ترغیب وترہیب پر مشتمل ہر سہ حِصص ’’وصیتیں اور نصیحتیں‘‘ نامی کتاب میں یکجا پڑھیں گے۔اور جو حضرات مطالعہ کا اتنا ذوق نہیں رکھتے اور موت سے پہلے وصیت کی اہمیت کو نہیں جانتے ان کی اصلاح کے لئے’’ خدا دیکھ رہا ہے‘‘ نامی کتابچہ اور گناہوں سے روکنے اور نیکیوں پر اپنے آپ کو آمادہ کرنے کے لئے’’ آخر موت ہے‘‘ نامی رسالہ انشاءاللہ تعالیٰ بہت مفید ثابت ہوگا، بشرطیکہ غور وفکر اور لگن سے پڑھیں۔ اہلِ علم سے گذارش ہے کہ اگر اس کتاب میں کوئی خطا اور غلطی پائیں تو بیانِ صحیح کے ساتھ ہماری خطا پر مطلع فرمائیں، انشاءاللہ ہم اس غلطی کو اگلے ایڈیشن میں درست کردیں گے اور ان کے مشکور بھی ہوں گے۔

سید محمد احسن

۱۶/شعبان المعظم ۱۴۴۳ھ-۲۰/مارچ ۲۰۲۲ء بروز اتوار

ایمان وتوحید

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے انسان پر بہت سے حقوق ہیں ان میں سب سے اول، سب سے اہم اور سب سے افضل واعلیٰ حق اللہ عَزَّوَجَلَّ کی وحدانیت اور اس کے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی نبوت ورسالت کی عظمتوں کا اعتقاد واقرار کرنا ہے۔اور اسی کا نام اسلام میں ایمان وتوحید ہے۔ اب وہ توحید خواہ توحید فی الذات ہو یا توحید فی الصفات، توحید فی الافعال ہو یا توحید فی الاحکام۔ اول (توحید) کا بیان کلمۂ طیبہ کے پہلے جز میں کیا گیا ہے اور ثانی (عظمتِ رسالت) کا بیان کلمہ طیبہ کے دوسرے جز میں۔(فضائل اسلام)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ و کفیٰ وسلام علی حبیبہ محمد المصطفیٰ

وعلی آلہ وصحبہ أولی الصدق والصفا، اما بعد:

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَلَقَدۡ وَصَّیۡنَا الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَاِیَّاکُمۡ اَنِ اتَّقُوا اللّٰہَ وَاِنۡ تَکۡفُرُوۡا فَاِنَّ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ وَکَانَ اللّٰہُ غَنِیًّا حَمِیۡدًا ۔ (پارہ:۵-النساء:۱۳۱)

ترجمہ: واقعی ہم نے تاکیدی حکم دیا ان لوگوں کو جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور تم کو کہ: اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اور اگر تم نے کفر و ناشکری کی تو (یاد رکھو) جو بھی زمین و آسمان میں ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے، اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور سراہا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کو وصیت

اس آیت کریمہ میں (اِیَّاکُمۡ) سے وہ امت مراد ہے جسے ہدایت کے لئے کتابِ مقدس ''قرآن'' عطا کی گئی یعنی امت محمد ﷺ، جیسے (اَلَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ) سے پچھلی تمام امتیں (یہود ونصاریٰ وغیرہ)۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دو چیزوں کا تاکیدی حکم دیا ہے:

(۱) تقویٰ اختیار کرنے کا: تقویٰ کا خلاصہ یہ ہے کہ بندہ اپنے خالق و مالک کے تمام اَوَامر (احکام) کو بجا لائے۔ اس کی تمام مَنَاہِی (روکوں) سے رک

جائے۔ اس کی حدود پر ٹھہر جائے۔ اس سے خوف کرے۔

(۲) کفر و ناشکری سے بچنے کا: کیونکہ اللہ تعالیٰ مالِکُ الۡمُلۡکِ، غنی اور بے نیاز ہے۔ جس طرح بندوں کی عبادت، شکر اور تقویٰ سے اس کو کوئی نفع نہیں پہنچتا، اسی طرح بندوں کے کفر، ناشکری اور معصیت اسے ضرر و نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ مولیٰ کریم نے اپنے بندوں کو تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنے اور ناشکری سے بچنے کی جو وصیت کی ہے وہ صرف اپنے فضل سے بندوں پر رحم کرتے ہوئے کی ہے، اپنی ضرورت کی وجہ سے نہیں۔ قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ ایسی جامع عظیم آیت ہے کہ قرآن کریم کے تمام احکام اسی آیت کے ارد گرد گھوم رہے ہیں۔ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام اولین آخرین کو تقویٰ کی وصیت فرمائی۔

بندوں پر کیا لازم ہے؟

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تقویٰ کی وصیت کی ہے، تو اب اس کے بندوں پر لازم ہے کہ اس کی وصیت پر مضبوطی سے مکمل عمل کریں۔ کیونکہ تقویٰ ایک عظیم خزانہ اور ایسا عظیم جوہر ہے، جو خیر کثیر اور تمام بھلائیوں کا جامع ہے۔
کیونکہ تقویٰ کے دو مفہوم ہیں:

(۱) ظاہری (۲) باطنی

ظاہری تقویٰ تو شریعت کے احکام وحدود کی حفاظت ہے اور باطنی تقویٰ ہے نیت میں اخلاص اور نیت کا سچا ہونا۔ اب جو انسان بندہ ہو کر اپنے مالک کے احکام اور اس کی وعیدوں کے خوف سے اپنے آپ کو گناہوں سے نہ روکے اور اس کے رحمت بھرے وعدے سن کر اطاعت وفرمانبرداری کی طرف رغبت نہ

کرے، تو یقینی طور پر اس کا دل پتھر سے زیادہ سخت اور جمادات سے بدتر ہے۔

دو زندگیاں

ایک زندگی تو یہ دنیا کی زندگی ہے جو چند روزہ اور فانی ہے۔ بہت سے انسان اس کی لذات وخواہشات کو اپنی زندگی کا مقصد اور اپنے لئے غنیمت سمجھتے ہیں۔ اور اپنی خواہشات کو پورا کرنے میں اتنے اندھے ہوتے ہیں کہ آخرت کے محاسبہ سے بے خوف ہوکر ناجائز وحرام کا ارتکاب کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ کفر و شرک کی گندگیوں میں مُلَوَّث ہونے کی بھی پروا نہیں کرتے۔ ظاہر ہے ایسے لوگوں کا انجام طرح طرح کے عذابوں کے علاوہ اور کیا ہوگا؟ مولیٰ کی پناہ!

حیات ابدی

دوسری زندگی آخرت کی ہمیشہ ہمیش باقی رہنے والی زندگی ہے۔ جس میں مومن ان جنتوں میں عیش کرے گا، جن کی چوڑائی زمین وآسمان کے برابر ہے۔ وہاں ایسی عظیم اور اعلیٰ نعمتیں ہیں، جنہیں آنکھوں نے دیکھا نہیں، کانوں نے سنا نہیں اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں ان نعمتوں کا خیال آسکتا ہے۔ (جنہیں نہ آنکھوں نے دیکھا، نہ کانوں نے سنا اور نہ کسی کے خواب وخیال میں آئیں۔) اس زندگی کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہاں اس کے رفیق اور ساتھی صالحین، شہدا، صدیق (رضی اللہ عنہم) اور انبیا (علیہم السلام) ہوں گے۔ حیات ابدی کے طلبگار انسان اِس دنیا کی فانی زندگی کو صرف ایک ایسا پُل سمجھتے ہیں، جو اِس پار (فانی دنیا) سے اُس پار (عقبیٰ کی طرف) اتارنے والا ہے۔ یہ لوگ اپنے نفس

امارہ کے ساتھ مجاہدہ کرتے ہیں اور شبانہ روز اعمالِ صالحہ کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ اور اپنے مولیٰ تعالیٰ کے اس ارشادِ گرامی پر یقین رکھتے ہیں:

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ * وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۔ ترجمہ: جو ذرہ بھر بھی نیکی کرے گا وہ ضرور دیکھ لے گا اور جو ذرہ بھر شر اور برائی کرے گا وہ بھی ضرور دیکھے گا۔ (پارہ:۳۰-الزلزال:۷-۸)

وقت وصیت

یہی صاحبِ بصیرت اور حَسَّاس اَبرَار نیکوکار جب محسوس کرتے ہیں کہ کوچ کا وقت قریب ہے۔ موت کا فرشتہ آنے والا ہے۔ رخصت و جدائی کی گھڑی قریب ہوچکی ہے، تو اپنی دنیا کی زندگی کی کارگزاری کا خلاصہ ونچوڑ اپنے مخلصین کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ طرح طرح کی خالص نصیحتیں، وصیتیں، مواعظِ حَسَنہ اور پَندہائے عظیمہ پیش کرتے ہیں۔ لیکن یہ عمل وہی لوگ کرتے ہیں، جو ہوشیار، چوکنّے اور آخرت کی زندگی کو ترجیح دینے والے ہیں۔

وصیت کی تعریف

لفظِ وصیت عربوں کے قول ارض واصیۃ سے ماخوذ (نکلا) ہے۔ عرب بولتے ہیں: **وَصَاهُ اِذَا وَصَلَهٗ** (اس نے اسے وصیت کی یعنی اس نے اس کو ملا دیا۔) لغت میں اس کا ایک معنیٰ ''کسی پر نیک بات پیش کرنا'' بھی آتا ہے۔ اب دونوں معنوں اور مفہوموں کا خلاصہ ہے: مُوصی (وصیت کرنے والے) کا اپنے فعل کو وَصی (جس کو وصیت کی جائے) کے فعل سے ملا دینا۔ شریعت کی اصطلاح

میں تاکیدی حکم کو وصیت کہا جاتا ہے۔اس لئے مرنے والوں کے آخری پیغام کو وصیت کہتے ہیں۔ کہ اس کو پورا کرنے کی بہت تاکید آئی ہے، خصوصًا جائز اور مُباح ومَندُوب اُمُور میں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوْلَادِكُمْ (پارہ:۴-النسا:۱۱)

ترجمہ: اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں۔

(روح المعانی، اشرف التفاسیر معروف بہ تفسیر نعیمی)

حضور موت اور موت کے آثار طاری ہونے سے پہلے انسان جو پند و نصیحت اور مواعظ حسنہ بیان کرے، انہیں اقوال کا نام وصیت ہے۔

وصیت کا ثبوت

صدیقین، صالحین یا جن ہوشیار اور بیدار لوگوں نے اپنے بعد والوں کو وصیتیں کی ہیں، اس وصیت کے جواز کا ثبوت قرآن کریم سے بھی ہے، سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی اور اجماعِ اُمّت سے بھی۔

وصیت کا ثبوت قرآن سے

(۱) قرآن کریم کی ایک آیت تو ماقبل میں مذکور ہوئی۔

(۲) وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ۔ (پ:۱۱البقرة:۱۳۲)

ترجمہ: اور اسی دین کی وصیت کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے۔

(۳) يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوْلَادِكُمْ۔ (پ:۴-النساء:۱۱)

ترجمہ: تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں۔

وصیت کے ساتھ گواہی

مولیٰ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ آخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ (۱۰۶) (پارہ:۷-المائدۃ:۱۰۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہاری آپس کی گواہی، جب تم میں سے کسی کو موت آئے وصیت کرتے وقت تم میں سے دو معتبر شخص ہیں یا غیروں میں کے دو، جب تم ملک میں سفر کو جاؤ پھر تمہیں موت کا حادثہ پہنچے، ان دونوں کو نماز کے بعد روکو وہ اللہ کی قسم کھائیں اگر تمہیں کچھ شک پڑے، (اور وہ یہ کہیں کہ) ہم حلف کے بدلے کچھ مال نہ خریدیں گے اگر چہ قریب کا رشتہ دار ہو اور اللہ کی گواہی نہ چھپائیں گے ایسا کریں تو ہم ضرور گنہگاروں میں ہیں۔

اس آیت مبارکہ کی نحوی ترکیب میں علمانے بڑے اشکال بتائے ہیں۔عام دینی بھائی صرف لفظی ترجمہ سے آیت کا معنی ومطلب نہیں سمجھ پائیں گے۔اس لئے میں آیت کریمہ کا عام فہم ترجمہ اور خلاصہ عرض کر رہا ہوں۔

آیت کا خلاصہ: اے مسلمانو! اے ایمان والو! جب تم میں سے کوئی مرنے لگے یعنی موت کے آثار ظاہر ہو جائیں اور وہ وصیت کرنا چاہے، تو وصیت کرتے وقت اپنے عزیزوں اور قرابت داروں میں سے دو متقی پرہیزگار بالیاقت

گواہ بنائے اور ان کے سامنے وصیت کرے۔ اور اگر وہ وصیت کرنے والا سفر میں ہو، جہاں اسے گواہی کے لئے اپنے عزیز اور قریبی لوگ نہ مل سکیں، اور اسے موت کا حادثہ پیش آجائے، تو وہاں سے ہی دو اجنبی متقی پرہیزگار بالیاقت مسلمانوں کو گواہ بنائے۔ پھر جب وصیت کرنے والا مر جائے اور یہ گواہ گواہی دینے کے لئے وارثوں کے پاس آئیں، تو اے وارثو! یا اے حاکمو! تمہیں ان کی گواہی میں کچھ شک وشبہ ہو، کہ یہ جھوٹی گواہی دے رہے ہیں یا انہوں نے مال میں خیانت کی ہے، (جیسا کہ اس آیت کے شانِ نزول کے واقعہ سے ظاہر ہے۔) تو تم ان دونوں گواہوں کو نمازِ عصر کے بعد مسلمانوں کے مجمع میں کھڑا کرو، اور وہ سب کے سامنے گواہی دینے سے پہلے یہ قسم کھائیں کہ: اللہ کی قسم! ہم صحیح گواہی دیں گے، کسی سے کچھ مال لے کر جھوٹی گواہی نہیں دیں گے اگرچہ ہمارا کوئی عزیز وقرابت دار بھی ہمیں جھوٹی گواہی دینے کے لئے روپیہ پیسہ دے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی اس گواہی کو جس کی ہم پر ذمہ داری ہے، ہرگز نہ چھپائیں گے، نہ کُل نہ بعض۔ اور اگر ہم ایسا کریں تو ہم مجرموں اور گنہگاروں میں سے ہیں۔

وصیت کی عمومیت واہمیت

اسلام میں وصیت کی بہت بڑی اہمیت ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر وصیت کا ذکر فرمایا۔ لیکن ہمارے مولیٰ کریم نے سورۂ مائدہ میں وصیت کے متعلق کئی آیات مبارکہ مسلسل نازل فرمائیں۔ اور ان میں وصیت پر گواہ بنانے کا ذکر اور گواہوں سے مخصوص طریقہ سے گواہی لینے کا طریقہ بھی بیان فرمایا۔ حالانکہ دوسری جگہ قرآن کریم میں گواہی سے متعلق ایک عام قانون

بیان کردیا گیا ہے، وہ یہ ہے:

اَشۡهِدُوۡا ذَوَىۡ عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ (پارہ:۲۸۔الطلاق:۲)

ترجمہ: اپنے میں سے دو ثقہ (قابلِ اعتبار لوگ) گواہ کرلو۔

اس عام قانون کے ہوتے ہوئے، پھر وصیت کے لئے علیحدہ سے قانون بیان کرنا اس کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔

دوسرے مالی معاملات کی طرح وصیت میں بھی دو گواہوں کی ضرورت ہے۔ نہ ایک گواہ کافی اور نہ چار کی حاجت۔

دیگر معاملات کی طرح مسلمان کی وصیت میں بھی دو متقی لوگوں کی گواہی ہی مُعْتَبَر ہوگی، فُسَّاق وفُجَّار کی نہیں۔ اور وہ بھی وصیت کرنے والا اپنے باصلاحیت، عقلمند اور متقی عزیز واقارب کو ہی گواہ بنائے۔ کیونکہ عزیز واقارب گھر کے حالات بہتر طریقہ سے جانتے ہیں۔ اس لئے اجنبی، غیر صلاحیت والے لوگوں کو گواہ بنانا بہتر نہیں۔ البتہ اگر سفر کی حالت میں وصیت کی ضرورت پڑ جائے، اور وہاں اگر عزیز واقارب نہ ہوں، تو اجنبی لوگوں کو گواہ بنایا جاسکتا ہے۔ مگر وہ بھی مسلمان اور متقی پرہیزگار ہوں۔

فائدۂ ضروریہ: قسم دو طرح کی ہوتی ہے:

(۱) شرعی قسم (۲) لُغوی قسم

شرعی قسم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی ہی کھائی جاتی ہے۔ جیسے: اللہ تعالیٰ کی قسم، قرآن کی قسم۔ اور اسی قسم پر شرعی احکام جاری ہوتے ہیں۔

لغوی قسم دوسری چیزوں کی کھائی جاتی ہے۔ جیسے: وَالتِّيۡنِ وَالزَّيۡتُوۡنِ

مقدمہ میں چار چیزیں ہوتی ہیں:

(۱) دعویٰ (۲) جوابِ دعویٰ

(۳) گواہی (۴) حاکم کا فیصلہ

مگر ان چاروں میں گواہی کی بہت اہمیت ہے۔ اس لئے کہ گواہی سے ہی دعویٰ پکّا ہوتا ہے۔ اُسی پر حاکم کا فیصلہ موقوف ہوتا ہے۔ حاکم اپنے علم پر فیصلہ نہیں کرتا ہے بلکہ گواہوں کی گواہی پر فیصلہ دیتا ہے۔ اور پورے معاملہ کے ذمہ دار گواہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث مبارک میں آیا ہے:

مولیٰ تعالیٰ عالم الغیب ہے، مگر قیامت میں فرعون پر حُجّت قائم فرما کر جہنم میں ڈالے گا۔

اس آیت میں بھی غور کریں تو آپ دیکھیں گے، کہ دعویٰ، جوابِ دعویٰ اور فیصلہ کے لئے مُدَّعِی، مُدَّعیٰ عَلَیہ اور قاضی و حاکم پر کوئی قید یا پابندی نہیں لگائی گئی، لیکن وصیت کی گواہی کے لئے گواہوں پر کئی پابندیاں لگائی گئیں۔

(۱) انہیں کھڑا کرو (۲) نماز عصر کے بعد گواہی ہو (۳) گواہی سے پہلے ان سے قسمیں لو (۴) گواہ دو ہوں (۵) گواہ متقی، پرہیزگار اور قرابت دار ہوں۔

ان تمام پابندیوں سے بھی وصیت کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

نکتۂ عظیمہ: علما فرماتے ہیں: گواہی کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) عینی (۲) فرعی

فرعی گواہی تو علامات اور شہرت وغیرہ سے بھی ادا ہو جاتی ہے۔ مگر عینی گواہی کے لئے دو شرطیں ہیں، ایک گواہ بنتے وقت اور دوسری گواہی دیتے وقت۔

(۱) گواہ بنتے وقت تو یہ شرط ہے کہ شاہد یعنی گواہ واقعہ اور واردات کے وقت موجود ہو، اسے دیکھے اور جو لوگ واردات میں مُلَوَّث ہیں انہیں پہچانے بھی۔

(۲) گواہی دیتے وقت یہ شرط ہے کہ حاکم کی عدالت میں حاضر ہو۔

وقف، نکاح اور نسب وغیرہ کے ثبوت میں علامات اور شہرت وغیرہ سے فرعی گواہی مقبول ہے۔ لیکن باقی اہم معاملات میں عینی گواہی ضروری ہے۔ یہاں وصیت میں اللہ تعالیٰ نے عینی گواہی کا ذکر فرمایا ہے، وہ یوں کہ: آیت کے پہلے جملہ میں گواہ بننے کا بیان ہے اور دوسرے جملہ میں گواہی دینے کا۔

(ماخوذ از روح البیان وتفسیرِ نعیمی)

اوپر ذکر کی گئیں آیات مبارکہ کے علاوہ قرآن کریم میں اور بھی آیتیں موجود ہیں جن سے وصیت کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔

احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے وصیت کا ثبوت

صحیح بخاری مسلم میں سیدنا سعد بن ابی وقاص سے مروی، فرماتے ہیں:

فتح مکہ کے بعد میں اس قدر بیمار ہوا کہ موت کے قریب ہو گیا۔ ایک دن رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا: سرکار! میرے پاس بہت مال ہے، اور میری بیٹی کے سوا اس کا کوئی وارث نہیں، تو کیا میں اپنے سارے مال کی وصیت کر دوں؟ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ میں نے عرض کیا: تو دو تہائی کی؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ میں نے عرض کیا: آدھے مال کی؟ فرمایا: نہیں۔ پھر میں نے عرض کیا: کیا تہائی مال کی وصیت کر دوں؟ تو محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اَلثُّلُثُ، وَالثُّلُثُ کَثِیرٌ

''تہائی (کی وصیت ٹھیک ہے) اور تہائی بھی زیادہ ہے۔''

پھر رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تمہارا اپنے وارثوں کو غنی اور مالدار چھوڑنا

اس بات سے بہتر ہے کہ تم انہیں محتاج بنا کر چھوڑو اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے پھریں۔ اور فرمایا: بیشک تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس کی رضا کے لئے جو خرچ کرو گے، تمہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ حتیٰ کہ اس لقمہ کا بھی، جو تم اپنی بیوی کے منہ میں رکھو گے۔ (ریاض الصالحین)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''کسی مسلمان کے لئے مناسب نہیں کہ اس کے پاس وصیت کے قابل کوئی شئ (مال) وغیرہ ہو اور وہ بلا تاخیر اس میں وصیت نہ کرے۔''

پہلی حدیث سے وصیت کی مشروعیت ثابت ہے، جبکہ دوسری حدیث سے جوازِ وصیت کے ساتھ وصیت کی تاکید ثابت ہو رہی ہے۔

امام ترمذی، امام ابوداؤد اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی، اللہ پاک کے حبیب ﷺ نے فرمایا:

جو مرد و عورت ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری لمبے زمانے تک کرتے رہیں، پھر ان کی موت کا وقت قریب آجائے اور وہ وصیت میں (کسی کو) ضرر و نقصان پہنچائیں، تو ان کے لئے دوزخ کی آگ واجب ہو جاتی ہے۔

پھر حضرت ابوہریرہ نے یہ آیتیں تلاوت فرمائیں:

مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ۔ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ (پارہ: ۴۔ النسا: ۱۳۔۱۲)

ترجمہ: میت کی وصیت اور دَین (قرض) نکال کر جس میں اس نے نقصان

نہ پہنچایا ہو، یہ اللہ کا ارشاد ہے اور اللہ علم والا حلم والا ہے۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو اللہ اور اللہ کے رسول کا حکم مانے اللہ اسے باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ ان میں رہیں گے، اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

(جامعِ ترمذی، ج: ۲۔ ابواب الوصایا۔ ص: ۳۳)

اس حدیث سے وصیت کے جواز کے ساتھ ساتھ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مُوصی (وصیت کرنے والا) اپنی وصیت میں کسی وارث کو ضرر و نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اور اگر ایسا کرے گا، تو اس کی نیکیاں ضائع ہونے کا اندیشہ ہے جیسا کہ ارشادِ مبارک سے ظاہر ہے۔

حضرت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، اللہ پاک کے رسول ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ''جس کی موت وصیت پر ہو (یعنی جو وصیت کر کے انتقال کر جائے) وہ عظیم سنت پر مرا، اس کی موت تقویٰ اور شہادت پر ہوئی اور وہ اس حال میں مرا کہ اس کی بخشش و مغفرت ہوگئی۔''

اس حدیث سے وصیت کی مشروعیت کے ساتھ ساتھ اس کا سنت ہونا اور ساتھ میں وصیت کرنے والے کی موت تقویٰ اور مغفرت کے ساتھ شہادت پر ہونا ثابت ہو رہا ہے، جو ایک بڑا امر تبہ ہے۔

حضرت ابوداؤد اور ابن ماجہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو حَجَّۃُ الوَداع کے سال خطبہ میں ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کو اس کا حق عطا فرما دیا۔ تو وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں۔''

اس حدیث سے وصیت کے جواز کے ساتھ یہ بھی ثابت ہوا کہ وصیت

وارثوں کے لئے نہیں۔ آیت میراث نازل ہونے سے پہلے وارثین کے لئے وصیت تھی، مگر جب آیتِ میراث میں وارثوں کے سہام (حصے) مقرر ہو گئے، تو ان کے لئے وصیت کا حکم منسوخ ہو گیا۔ مگر یہ کہ جب دوسرے وارثین چاہیں۔ ایسا ہی مشکوٰۃ شریف اور بہارِ شریعت میں ہے۔

اجماعِ امت سے وصیت کا ثبوت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر آج تک صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمۂ دین، مجتہدین، سلفِ صالحین، اولیائے کاملین، عارفین و واصلین اور علمائے ربانیین قرناً بعد قرنٍ بلا کسی انکار ونکیر کے وصیت کرتے چلے آئے ہیں۔ یہاں تک کہ وصیت پر اجماع قائم ہو گیا۔ (البدائع) جس کا تفصیلی بیان انشاء اللہ آگے آ رہا ہے۔

وصیت کا عقلی (سائنٹفک) ثبوت

اگر ہم ذرا گہرائی سے غور کریں تو وصیت کا جواز قیاساً اور استدلالاً بھی ثابت ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کہ انسان پوری زندگی قربت وعبادت کے وظائف اور اعمال ادا کرتا رہا۔ اب حدیث (اَلْعِبْرَۃُ بِالْخَوَاتِیْم) کی روشنی میں عقل یہ چاہتی ہے کہ اس کی زندگی کا آخری عمل قربت وعبادت پر ہی ختم ہوتا کہ اس کی سابقہ عبادات اور نیکیوں میں اور اضافہ ہو۔ یا اگر اس کی زندگی میں حقوق اللہ یعنی نماز، روزہ اور حج وغیرہ یا بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئیں اور مولیٰ تعالیٰ کی توفیق سے اسے مرنے سے پہلے ہوش آ گیا اور خواب غفلت سے بیدار

ہو گیا، تو سابقہ کوتاہیوں کا تدارک (بھرپائی) کس طرح سے کرے؟ تو اس کی صورت صرف یہی ہے کہ (توبہ کے ساتھ) نماز روزہ وغیرہ حقوق الٰہیہ اور اپنے مال کے ایک مخصوص حصہ (ثُلُثِ [تہائی] مال) سے حقوق العباد کی ادائیگی کی وصیت کرے۔

فائدہ: جہاں وراثت کے احکام بیان کئے گئے ہیں وہاں تقسیمِ وراثت کے عمل کو جاری کرتے وقت یہ بیان کیا گیا ہے کہ مرنے والے کے کفن دفن اور اس پر جو قرض ہے اس کی ادائیگی کے بعد اب وارثین کے درمیان مال تقسیم کیا جائے گا۔ اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ موت سے مرنے والے کے مال سے اس کی ملکیت مِن کُلِّ الْوُجُوہ زائل نہیں ہوتی۔

وصیت کی قسمیں

وصیت کی چار قسمیں ہیں:

(۱) واجب: جب انسان پر اس کے خالق و مالک کے فرائض و واجبات، جیسے: اس پر حج فرض تھا ادا نہ کیا، یا اس کے ذمہ نمازیں تھیں، یا اس پر زکوٰۃ فرض ہوئی ادا نہ کر سکا، یا روزے نہ رکھ سکا یا کفّاراتِ واجبہ اس کے سر پر تھے، تو ان تمام صورتوں میں وصیت کرنا واجب ہے۔

(۲) مُباح: اَغنِیا اور مالداروں کے لئے وصیت کرنا۔

(۳) مکروہ: فسق و فجور اور معصیت میں مبتلا لوگوں کے لئے وصیت کرنا، جب کہ غالبِ گمان ہو کہ یہ مال وہ گناہ میں خرچ کریں گے۔

(۴) مُستَحَب: اس کے علاوہ کے لئے وصیت کرنا مستحب ہے۔ لیکن اسی

وقت جب کہ اس پر حقوق اللہ کی ادائیگی واجب نہ ہو۔

وصیت کی اہمیت

بعض علما فرماتے ہیں: مومن کو وصیت کرنا واجب ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

لَا یَحِلُّ لِرَجُلٍ یُؤمِنُ بِاللّٰہِ وَ الیَومِ الآخِرِ وَ لَهٗ مَالٌ یُرِیدُ اَن یُّوصِیَ فِیهِ یَبِیتُ لَیلَتَینِ اِلَّا وَ صِیَّتُهٗ عِندَ رَاسِهٖ۔

جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اور اس کے پاس مال ہو جس میں وہ وصیت کرنا چاہتا ہو، اس کے لئے حلال نہیں کہ وہ دو راتیں گذارے مگر یہ کہ اس کی وصیت اس کے سرہانے ہو۔

مطلب یہ کہ مالدار مومن بلا وصیت کے دو راتیں نہ گذارے۔ حالانکہ اس حدیث سے مطلق وجوب ثابت نہیں ہوتا ہے مگر اس کے لئے جس کے ذمہ فرائض وواجبات یعنی: حج، زکوٰۃ، روزہ وغیرہ باقی ہوں۔ مومن کے لئے سنت یہ ہے کہ وہ اپنے مرض میں دو راتیں بغیر وصیت کے نہ گذارے اور وصیت تہائی مال سے کم میں کرے۔ اسی کا رب العلمین کے محبوب ﷺ نے حکم دیا ہے۔

آج جو کرنا ہے کرلو

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں قیامت کے احوال بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

فَلَا یَستَطِیعُونَ تَوصِیَةً وَّلَآ اِلٰٓی اَهلِهِم یَرجِعُونَ۔ (یٰس:۵۰)

ترجمہ: (جب قیامت قائم ہوگی تو) لوگ نہ وصیت کرسکیں گے اور نہ اپنے

اہلِ خانہ کی طرف پلٹ کر جا سکیں گے۔ (کیونکہ قیامت کا جھٹکا انہیں اتنی مہلت وفرصت ہی نہ دے گا۔)

قیامت کا جھٹکا

شاید کہ اللہ تعالیٰ نے کلمۂ توصیۃ کا ذکر فرما کر اس بات کی طرف باریک اشارہ دیا کہ انسان کو قیامت میں اہم سے اہم کاموں کو بھی پورا کرنے کی مہلت نہ ملے گی اگرچہ وہ کام ایک چھوٹی سی بات بولنے سے پورا ہو رہا ہو۔ جنس کلمات میں سے یہاں وصیت کا ذکر فرما کر اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ مرنے والے کے نزدیک وصیت سے زیادہ اہم کوئی چیز نہیں ہوتی۔ جب وہ اہم اور چھوٹی باتوں اور چھوٹے کاموں سے عاجز ہے، تو کیا اسے غیر اہم اور بڑے کاموں کو پورا کرنے کی مہلت ملے گی؟ انسان کی موت بھی اس کے لئے قیامت صغریٰ ہے۔ انسان کان کھول کر سن لے، موت بہت جلدی پکڑ لیتی ہے، لیکن اپنی تمام آرزوؤں کو حاصل نہیں کر پاتا۔ تو اس پر لازم ہے کہ اپنی امیدوں کو چھوٹا کرکے اپنی کوتاہیوں کا تدارک اور ان کی بھرپائی کرے۔

جو چھوٹ گیا اس کی بھرپائی ابھی کرلو

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جو جلیل القدر صحابی اور فاتح مصر ہیں، جب آپ پر موت کے آثار طاری ہوئے تو آپ نے ہتھکڑی اور بیڑی منگائی اور ان کو پہن لیا۔ پھر کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے:

''انسان کے لئے توبہ کا دروازہ آخری سانس تک کھلا ہوا ہے۔''

ھر آپ نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں اس طرح عرض کی: اے میرے مالک! تو نے ہم کو حکم دیا ہم نے نافرمانی کی، تو نے ہمیں برائیوں سے روکا ہم نے ارتکاب کیا۔ اب تیری طرف آنے اور تجھ سے ہی پناہ کا وقت آچکا ہے۔ اگر تو معاف کردے (فَاَهْلُ الْعَفْوِ اَنْتَ) اور اگر تو نے ہماری کمیوں پر گرفت کی تو (سُبْحَانَكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ) یہ کہا اور اس حال میں انتقال کیا کہ ہتھکڑی اور بیڑی پہنے ہوئے تھے۔ جب سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو ان کے انتقال کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: جب موت کا یقین ہوا تو شیخ نے سب کچھ مان لیا۔ اور شاید ان کو یہ نفع بھی دے گا یا یقیناً ان کو نفع دے گا۔ (روح البیان)

اللہ اکبر! دیکھو لوگو! دیکھو! ذرا آپ کا خوفِ آخرت تو دیکھو۔ آخرت کا خوف ان کو کس طرح دامن گیر تھا؟ یہ کون ہیں؟ جو اتنا زیادہ گھبرا رہے ہیں اور مرنے سے پہلے زندگی کی کوتاہیوں کی بھرپائی کرنا چاہتے ہیں۔ یہ وہ ہیں جنہیں شافعِ روزِ جزا، مالکِ ہر دوسرا، حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبتِ اقدس ملی ہے۔ کیا انہیں صحبتِ رسول کافی نہیں تھی؟ لیکن نہیں! وہ اللہ تعالیٰ کے استغنا و بے نیازی اور موت، قبر اور قیامت کی سختیوں کو خوب جانتے تھے۔ اسی لئے وہ مرنے سے پہلے پہلے اپنے مولیٰ کو راضی کرنے کا ہر جتن کر رہے تھے۔ مولیٰ تعالیٰ ہمیں بھی موت سے پہلے، زندگی کی کوتاہیوں کی بھرپائی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

عبرتناک واقعہ

حضرت وَہَب بن مُنَبِّہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: حضرت دانیال علیہ

السلام ایک جنگل سے گزرے، تو آپ نے سنا، کوئی کہہ رہا ہے: دانیال! ٹھہرو اور ایک عجیب چیز دیکھو۔ آپ فرماتے ہیں: میں رُکا اور اِدھر اُدھر دیکھا، لیکن کچھ نظر نہیں آیا۔ پھر دوبارہ آواز آئی۔ آپ فرماتے ہیں: میں رک گیا اور میں نے دیکھا ایک گھر کی آواز مجھے اپنی طرف بلا رہی ہے۔ میں اس گھر میں گیا، تو اس میں ہیرے جواہرات سے جڑا ایک عالی شان تخت دیکھا۔ پھر تخت سے آواز آئی: اے دانیال! تخت کے اوپر چڑھ کر آؤ اس سے بھی عجیب تر چیز دیکھو گے۔ میں تخت پہ چڑھا تو دیکھا کہ اس تخت پر عمدہ مشک وعنبر کی خوشبوؤں سے بسا ہوا ایک فرش ہے اور اس پر ایک مردہ نوجوان پڑا ہے، ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے سو رہا ہو۔ اس پر ایسے اعلیٰ قسم کے لباس اور زیورات ہیں، جن کی تعریف نہیں کی جاسکتی۔ اس کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی، سر پر سونے کا تاج اور کمر کے پٹکے سے سبز رنگ کی تلوار بندھی ہوئی ہے۔ آپ فرماتے ہیں: پھر تخت سے آواز آئی: اے دانیال! اِس تلوار کو اٹھاؤ اور اس پر جو لکھا ہے، اس کو پڑھو۔

اپنے بعد والوں کے لئے نصیحت و وصیت

حضرت دانیال علیہ السلام فرماتے ہیں: میں نے تلوار اٹھائی، اس تلوار پر یہ نصیحت و وصیت لکھی ہوئی تھی۔ ''یہ تلوار صمصام بن عوج بن عنق بن عاد بن اِرم کی ہے، میں سترہ سو برس جیا، میں نے بارہ ہزار کنواری لڑکیوں سے شادی کی، ایک ہزار شہر بسائے، میرے خزانوں کا یہ عالم تھا کہ ان کی چابیاں چار سو خچروں پر چلتی تھیں، میں دنیا میں جس سے چاہتا تھا خراج وصول کر لیتا تھا، روئے زمین پر کوئی میرا مقابلہ کرنے والا نہیں تھا۔ میں نے ایک ہزار ایسے لشکروں کو شکست دی، جن میں سے ہر لشکر میں

چالیس سپہ سالار اور ہر سپہ سالار کے ساتھ بارہ ہزار سپاہی تھے۔لیکن اس قوت اور شان و شوکت کے باوجود میں نے ایک غلطی کی کہ میں عقلمندوں سے دور رہا اور احمقوں بیوقوفوں کو اپنے قریب کیا۔اپنی حماقت ونادانی میں ظلم کرتے کرتے عدل وانصاف کی حد سے باہر ہو گیا۔اور حماقت میں خدائی دعویٰ کر بیٹھا لیکن مجھے بھوک نے مارا اور آج میں اپنی بھوک مٹانے کے لئے ایک بوری سچے موتیوں کے بدلے ایک مٹھی جَو کا طلبگار ہوں لیکن میں ایک مٹھی جو نہیں پا رہا ہوں اور بھوک سے مر رہا ہوں۔اے دنیا والو! موت کو کثرت سے یاد کرو اور مجھ سے نصیحت وعبرت حاصل کرو۔دنیا کی یہ رنگ رُلیاں اور مستیاں تمہیں میری طرح دھوکے میں نہ ڈالیں۔میری یہ وصیت یاد کرلو! میرے اہل خانہ میرے گناہ کا رتی بھر بوجھ نہیں اٹھائیں گے۔آہ! دولت، شہرت، شہوت اور عزت نے مجھے دھوکے میں رکھا۔'' (مفاتیح الجنان)

عقلمند قوم

احمق اور بے وقوف انسان اپنے بعد والوں اور عزیز واقارب کے عیش و عشرت کے لئے بے شمار دولت چھوڑ جاتا ہے اور خود عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ لیکن عقلمند آدمی اپنے وارثوں کے عیش وعشرت کے لئے مال کثیر چھوڑ کر خود کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا۔ بلکہ شریعت کے حکم پر ایک تہائی یا چوتھائی یا ایک بٹا پانچ کی وصیت کر کے مرنے سے پہلے اپنی بخشش کا سامان اور اپنی سابقہ کوتاہیوں کی بھرپائی کر جاتا ہے۔اور اپنے وارثوں کے لئے خدا ورسول کے حکم کے مطابق مال کا ایک کافی حصہ چھوڑ جاتا ہے، تاکہ وہ دوسروں کے سامنے محتاج کا ہاتھ نہ پھیلائیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا خوف

مسلمہ بن عبدالملک ۔جو حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ (ولادت: ۶۱/ ۶۳ ھ ۔وصال ۲۵/رجب ۱۰۱ھ مطابق جنوری ۷۲۰ء) کے چچازاد بھائی بھی تھے اور برادر نسبتی بھی۔آپ کے انتقال سے پہلے آپ کے پاس آئے، اور کہنے لگے: امیرالمؤمنین! آپ نے تو ایسا کام کیا، جو آپ سے پہلے کسی خلیفہ نے نہیں کیا۔آپ نے اپنی اولاد کے لئے کوئی روپیہ پیسہ نہیں چھوڑا جبکہ آپ کی اولادیں آپ کے تیرہ وارث ہیں۔آپ لیٹے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: مجھے بیٹھاؤ، لوگوں نے آپ کو بٹھا دیا۔آپ نے فرمایا: آپ کہ رہے ہیں میں نے اولاد کے لئے کوئی مال نہیں چھوڑا، غور سے سن لو! میں نے اپنی اولاد کا کوئی حق نہیں مارا، ان کے جو حقوق تھے وہ میں نے ادا کئے۔لیکن دوسروں کے حق مار کر ان کا کوئی حق ادا نہیں کیا یا دوسروں کا کوئی حق مار کر انہیں کچھ نہیں دیا۔اور تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں اپنی اولاد کو بیکار چھوڑ رہا ہوں کہ ان کے لئے کوئی مال نہیں چھوڑا۔ سنو! میری اولاد دو حال سے خالی نہیں، یا تو وہ اللہ تعالیٰ کی مطیع وفرمانبردار ہوگی، تو اللہ تعالیٰ ان کو کافی ہے اور ان کا بہتر نگہبان ہے وہ ان کی نگرانی کرے گا۔(وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ) اور اگر خدانخواستہ اللہ تعالیٰ کی نافرمان ہوئی تو مجھے ان کی پرواہ نہیں ان کے ساتھ کیا ہوگا؟

باب العلم کا فرمان

اسی مفہوم کا ایک ارشاد مبارک مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کا بھی ہے، آپ فرماتے

ہیں: ''انسان اپنی اولاد کے لئے خدا کی نافرمانیاں کر کے بے شمار دولت اکھٹی کرتا ہے، حالانکہ اس کی اولاد یا تو خدا کی دوست ہوگی یا خدا کی دشمن۔ اگر خدا کی دوست ہے، تو خدا اپنے دوستوں کو ضائع و برباد نہیں کرتا ہے۔ اور اگر وہ خدا کے دشمن ہیں، تو خدا کے دشمنوں کی مدد نہیں کرنی چاہیئے۔''

خدا صالحین کی اولاد کو ضائع نہیں فرماتا

یہی حضرت عمر بن عبدالعزیز، جنہوں نے انتقال سے پہلے اپنے وارثین کے لئے چند درہم کے علاوہ کچھ نہیں چھوڑا تھا۔ اور انہیں کے دورِ خلافت کا ایک گورنر ہشام بن عبدالملک، جو اپنے کھانے پر ایک ہزار درہم روز خرچ کرتا تھا۔ جس باپ نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اپنی اولاد کے لئے کچھ نہیں چھوڑا، دیکھنے والی آنکھوں نے اس باپ کی اولاد کو ہزاروں لاکھوں راہِ خدا میں صدقہ کرتے دیکھا۔ اور جو باپ اپنے کھانے پر ایک ہزار درہم خرچ کرتا تھا اور جس نے اپنی اولاد کے لئے لاکھوں درہم چھوڑے، اس کی اولاد کو بغداد کے پل پر بھیک مانگتے ہوئے دیکھا۔ (ماخوذ)

سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں اس طرح کے بہت سے واقعات موجود ہیں۔ لیکن انسان اپنی حماقت و نادانی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کو بھول کر زندگی بھر دنیا و دولت کو جمع کرنے میں لگا رہتا ہے۔ اور مرتے وقت بھی اسے ہوش نہیں آتا کہ جاتے جاتے کچھ تو زندگی کی کمیوں اور کوتاہیوں کی بھرپائی کر لے۔ اور اپنی کمائی کے ایک حصے کی آخرت کے لئے وصیت کر دے۔ اس طرح وہ اپنی غفلت و نادانی میں اولاد کی دنیا اور اپنی آخرت برباد کر لیتا ہے۔

عقلمند کی فکر

اللہ تبارک وتعالیٰ جنہیں فکرِ اعلیٰ اور فکرِ عقبیٰ عطا فرماتا ہے، وہ دنیا کے مال کے بجائے رحمت و نصرتِ خداوندی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

حضرت محمد بن کعب رضی اللہ عنہ نے بیشمار مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں بانٹ دیا۔ تو آپ سے کہا گیا: اے ابوحمزہ! اگر آپ اس مال کو اپنے بعد اپنی اولاد کے لئے چھوڑ دیتے تو بہتر ہوتا۔ آپ نے جواب دیا: اپنے مال کو میں نے اپنے لئے اپنے رب کے پاس ذخیرہ بنا دیا ہے۔ اور اپنے رب کی رحمت اور اس کی مدد کو اپنی اولاد کے لئے ذخیرہ بنا دیا ہے۔ (مفاتیح الجنان)

ظاہر بات ہے جس مال میں رب تبارک وتعالیٰ کی رحمت و برکت شامل ہوگی، تو وہ تھوڑا ہو کر بھی انسان کے لئے بہت ثابت ہوگا۔ اور جس کثیر مال سے اللہ تعالیٰ اپنی برکت اٹھا لے، وہ بہت ہو کر بھی قلیل اور تھوڑا ثابت ہوگا۔

مرنے والے کی دو عظیم مصیبتیں

مرنے سے پہلے انسان خود بھی فطری طور پر کچھ وصیتیں اپنے وارثین کے لئے کرتا ہے۔ اور اس کے وارثین اور عزیز و اقارب بھی کہتے ہیں، کچھ نہ کچھ تو بتائے جاؤ۔ اب وہ غافل انسان مال کے بارے میں بتانا شروع کرتا ہے۔ اِتنا اس کے پاس ہے، اتنا اُس بینک میں ہے اور یہ کہتے کہتے مر جاتا ہے۔ اپنی آخرت بھول جاتا ہے۔ جبکہ اِس کے بعد اُس پر کتنی بڑی مصیبت آنے والی ہے، اس کا اُسے اندازہ بھی نہیں ہوتا۔ حضرت یحیٰ بن معاذ نے کیسی حقیقت پر

مبنی بات فرمائی، فرماتے ہیں:

انسان پر مرتے وقت اس کے مال کے بارے میں دو ایسی بڑی مصیبتیں آتی ہیں کہ ان جیسی مصیبتوں کے بارے میں اگلوں پچھلوں نے بھی نہیں سنا ہوگا۔ لوگوں نے عرض کی: حضور! وہ دونوں مصیبتیں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا:

(۱) مرنے والے سے مرتے وقت اس کا مال چھن رہا ہے۔ یعنی اس مال سے کا حق اور اس کا اختیار ختم ہو رہا ہے۔

(۲) قیامت میں اس مال کے بارے میں اسی سے پوچھ تاچھ اور حساب و کتاب ہوگا۔ (روضۃ الناصحین)

خلاصہ یہ کہ کھائے اڑائے کوئی اور بھرے کوئی۔ اگر یہی انسان اپنے اس مال سے مرتے مرتے کچھ صدقہ وخیرات کی وصیت کر دیتا، تو کچھ اپنے لئے بچا بھی لیتا اور سوال کی سختی سے بھی بچ جاتا۔

وصیت کی اہمیت

علما فرماتے ہیں: جو وصیت کئے بغیر مرجاتا ہے، اسے عالمِ برزخ میں قیامت تک بولنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ حالانکہ مردے آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں، باتیں کرتے ہیں، لیکن وہ چپ رہتا ہے۔ تو کچھ ارواح اس کے بارے میں پوچھتی ہیں: یہ خاموش کیوں ہے؟ جواب ملتا ہے: یہ وصیت کئے بغیر انتقال کر گیا تھا۔ (مفاتیح الجنان، روح البیان)

غافل بندو! ہوش میں آؤ! عالمِ برزخ یہ کوئی معمولی وقت نہیں ہے۔ موت کے وقت سے بعث ونشر تک کے بیچ کی بڑی مدت کا نام برزخ ہے۔ بلا وصیت

کے مرنے والوں کی حسرت ومایوسی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ایمان کی حفاظت

انسان جب بہت زیادہ معصیت وگناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے، تو کبھی کبھی اس کا ایمان بھی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ دنیا والے تو اسے مومن اور جنتی سمجھتے ہیں اور ظاہر شریعت میں حکم بھی یہی ہے، لیکن حقیقت میں گناہ ومعصیت کی کثرت کی وجہ سے اس کی منزل کوئی اور ہوتی ہے۔ (اللہ تعالیٰ کی پناہ)

سیدنا عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اہلِ قبور کے پاس جب کوئی انتقال کر کے پہنچتا ہے۔ تو وہ آنے والے سے پوچھتے ہیں: فلاں کا کیا حال ہے؟ فُلاں کے بارے میں بتاؤ۔ تو وہ جانے والا کہتا ہے: کیا وہ تمہارے پاس ابھی آئے نہیں؟ وہ روحیں (اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ) پڑھتی ہیں اور کہتی ہیں: شاید وہ ہمارے راستے سے ہٹ کر چلا گیا۔

جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مومن روحوں کے بارے میں پوچھا گیا، آپ نے فرمایا: وہ سفید پرندوں کی صورت میں عرش کے سائے میں رہتی ہیں۔ اور فرمایا: کافروں کی روحیں ساتویں زمین کے نیچے۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ! (مفاتیح الجنان)

بشری تقاضے

ہر مُدَبِّر اور ذِی شعور انسان دنیا سماج میں عزت وعافیت کی زندگی گزارنے کی خواہش رکھتا ہے۔ اور اپنی اولاد اور اپنے ماتحتوں کو اچھی زندگی گزارنے کی

تاکید کرتا ہے۔ جیسے: اعلیٰ تعلیم حاصل کرو، تعلیم یافتہ بنو، صحت کا خیال رکھو، سماج میں عزت پیدا کرو، آپس میں محبت سے رہو، لڑائی جھگڑا مت کرو، باپ دادا کی کمائی کی حفاظت کرو، فضول خرچی، عیش وعشرت اور حرام کاری میں اسے ضائع و برباد مت کرو، ناطے رشتے دار اور گھر خاندان کے لوگوں سے اچھے تعلقات رکھو وغیرہ بہت سے دنیوی امور ہیں، جن کے بارے میں انسان اپنی زندگی میں کوشش کرتا ہے۔ پھر جب موت کا وقت آتا ہے تو مرنے سے پہلے بھی وہ انہیں دُنیوی امور کی وصیت کرتا ہے۔ کہ آپس میں محبت سے رہنا، لڑائی جھگڑا مت کرنا، میرے مرنے کے بعد میری کمائی کو برباد مت کر دینا، بڑا چھوٹے کا حق ادا کرے، چھوٹا بڑے کا حق ادا کرے، چچا کا خیال رکھنا، ماموں کا خیال رکھنا، باپ وصیت کرتا ہے، تو کہتا ہے ماں کا خیال رکھنا اور اگر مُوصی ماں ہے، تو کہتی ہے باپ کا خیال رکھنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ انسان کے فطری تقاضے ہیں جن کے بارے میں ہر انسان سوچتا ہے۔ لیکن دین وایمان سے غافل شخص یہاں پر ایک دھوکہ کھاتا ہے، کہ وہ دین وایمان، شریعت، قرآن اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طاعت وبندگی کو بھول جاتا ہے۔ اور وہ اپنی اولاد کو دین وایمان اور شریعت کے متعلق کوئی وصیت نہیں کرتا ہے۔

ایمان کا تقاضا

اور جس انسان کو اللہ تعالیٰ ایمان کی دولت، اپنی اور اپنے حبیب ﷺ کی محبت، دین وشریعت اور قرآن وسنت کی عظمت عطا فرماتا ہے، وہ اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو ان امور پر عمل کرنے کی تاکید کرتا ہے اور جب موت کا وقت آتا ہے،

اس وقت بھی انہیں دین وایمان، شریعت کے احکام، قرآن وسنت کی عظمت ور ان کے احکام کی پابندی اور خدا ورسول کی محبت کی وصیت کرتا ہے۔ اور اپنی اولاد کو تاکید کرتا ہے کہ اللہ ورسول کی اطاعت کرتے رہنا، شریعت کی پابندی کرتے رہنا، دین کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھانا، قرآن وحدیث کے احکام کی مخالفت مت کرنا۔ اگر وہ دنیوی امور کی وصیت کرتا کہ آپس میں محبت سے رہنا، میری دولت کو حفاظت سے خرچ کرنا وغیرہ، تو یہ وصیت بھی ناجائز نہیں۔ لیکن اس کی نظر میں دین مقدم ہے۔

جیسا سیدنا ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے اپنی اولاد سے فرمایا:

فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۔ (پارہ:۱-البقرۃ:۱۳۲)

تم کوشش کرنا کہ تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مؤمن ہو۔

اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے وصال سے پہلے اپنی اولاد کو جمع کر کے فرمایا:

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۔ (پارہ:۱-البقرۃ:۱۳۳)

تم سب میرے بعد کس کی عبادت وبندگی کروگے؟ سب نے کہا آپ کے اور آپ کے باپ دادا (سیدنا) ابراہیم واسمٰعیل واسحٰق (علیہم السلام) کے ایک خدا کی عبادت کریں گے۔

لیکن آج اِس ہوا وہوس کی دنیا اور خود فراموشی وخدا فراموشی کی اس زندگی میں عقبیٰ، عذاب قبر اور عذاب آخرت سے غافل انسان جب اپنی زندگی میں ایمان کے مطالبے اور ایمان کے تقاضے پورے نہیں کر رہا ہے، تو مرتے وقت اپنی وصیت میں ایمان کے تقاضے کہاں سے پورے کرے گا؟

سب سے پہلے وصیت کس چیز کی کرے؟

قرآن وحدیث کی تعلیم کا خلاصہ اور نچوڑ یہ ہے کہ: ایک مومن دین وعقبیٰ کو دنیا پر ترجیح دے۔ اگر دنیا کے لئے اس کی ایک کوشش ہو، تو آخرت کے لئے دس کوششیں کرے۔ اگر دنیا کے لئے ایک قدم اٹھائے، تو آخرت کے لئے دس قدم اٹھائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ مَنۡ اَرَادَ الۡاٰخِرَۃَ وَسَعٰی لَهَا سَعۡیَهَا ۔ (پ:۱۵، بنی اسرائیل:۱۹)

جس نے آخرت کا ارادہ کیا اور اس کے لئے آخرت جیسی کوشش کی۔

(وَ سَعٰی لَهَا) یہ کلمہ بہت غور کرنے کا ہے۔ بار بار پڑھئے اور غور کیجئے۔ آخرت اور دین کی صرف تمنا ہی کافی نہیں، بلکہ اس کے لئے کوشش بھی درکار ہے۔ جیسا کہ بہت سے لوگ دین اور جنت کی تمنا تو بہت کرتے ہیں، لیکن اس کے لئے کوشش اور جد وجہد ایک قدم بھی نہیں کرتے۔ یاد رکھو! دین اور آخرت کوشش ومحنت سے ملتے ہیں، صرف تمنا وآرزو سے نہیں۔ جیسا کہ ہماری جماعت کا ایک بہت بڑا طبقہ تمنا وآرزو لئے بیٹھا ہے۔

اس آیت میں ایک کلمہ اور ہے **(سَعۡیَهَا)** یہ بھی غور کرنے کا ہے۔ یہ کلمہ بتا رہا ہے، جیسی آخرت ویسی کوشش، جتنی آخرت اتنی کوشش۔ جب آخرت اعلیٰ ہے، تو اس کے لئے کوشش بھی اعلیٰ ہو۔ جب آخرت لمبی ہے، تو کوشش بھی لمبی ہو۔ اور دنیا ادنیٰ ہے، تو اس کے لئے کوشش بھی ادنیٰ ہی ہونی چاہئے، دنیا چھوٹی تو لازم ہے کہ اس کے لئے کوشش بھی چھوٹی ہی ہو۔

آگے ایک اور جملہ آرہا ہے **(وَ هُوَ مُؤۡمِنٌ)** یہ بھی غور کرنے کا ہے۔

مطلب یہ کہ آخرت کے لئے ہم جو کوشش کریں، اس میں ایمان کی حلاوت و چاشنی بھی شامل حال ہو۔ اور یہ کوشش اور جد وجہد ایمان سے ہٹ کر نہ ہو، تبھی ہماری جد وجہد اور کوشش وہاں محبوب ومقبول ہوگی۔

اس لئے مومن پر لازم ہے کہ دنیا سے جاتے وقت جب وصیت کرے، تو دین، ایمان، شریعت وقرآن کے احکام کی پابندی اور اللہ و رسول (عز وجل و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کی وصیت پہلے کرے اور دنیوی امور، گھر خاندان سے صلہ رحمی اور اچھے معاملات وتعلقات کی بعد میں۔

اولیاء اللہ کا خوف

موت کس وقت آجائے، کوئی پتہ نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کے نیک اور برگزیدہ بندوں پر آخرت کا خوف، حساب وکتاب کا ڈر اور خداوند قدوس کی عدالت میں پوچھ تاچھ کی ہیبت ہر وقت طاری رہتی ہے۔ اور وہ رات کو اپنے اپنے وصیت نامے اپنے سرہانے رکھ کر سویا کرتے تھے۔

انبیائے کرام علیہم السلام کی

وصیتیں

محبوبِ خدا امام الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کے

وصایائے مقدسہ

ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (میلاد شریف: ۱۲/ربیع الاول مطابق ۲۰/اپریل ۵۷۱ء بروز دوشنبہ بوقتِ صبح صادق۔ وصال مبارک: ۱۲/ربیع الاول ۱۱ھ مطابق ۱۲/جون ۶۳۲ء بروز دوشنبہ) نے مختلف موقعوں پر اپنے اہل بیت، اہل خاندان، صحابہ اور اپنی کُل امت کو بہت سی وصیتیں اور نصیحتیں فرمائیں۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہر وصیت و نصیحت امت کے ہر فرد کے لئے اس کی اہلیت و لیاقت کے مطابق واجب العمل ہے۔ چونکہ انبیائے کرام علیہم السلام کی وراثت مال میں جاری نہیں ہوتی اسی لئے ان کی وصیت مال و جائداد کے بارے میں نہیں ہوتی، بلکہ وہ اپنے اہل بیت و خاندان اور امت کو علم و فضل، اعمال صالحہ، معارف و حقائق اور دینی کمالات کی وصیتیں کرتے ہیں۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی اپنے اہل بیت، صحابہ اور امت کو اِنہیں اُمورِ مذکورہ کی موقع بموقع وصیتیں فرمائیں۔ ان سب وصایا کا احاطہ تو ممکن نہیں، البتہ ان میں سے چند منتخب وصایا شریف ہم اس رسالہ میں بیان کر رہے ہیں۔ مولیٰ کریم ہمیں عمل کی توفیق دے۔

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو وصیت و نصیحت

اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے اہل بیت اور اپنی اولاد میں سب سے زیادہ محبت سیدۃ النسا حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ تعالیٰ علیٰ ابیہا وعلیہا (ولادت:

اعلانِ نبوت سے پانچ سال قبل ۔ وصال: ۳؍رمضان ۱۱ھ) سے فرماتے تھے، لیکن آپ کی خداخوفی کا یہ عالم تھا کہ جب آیت مبارکہ:

وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ۔ (پارہ:۱۹۔الشُّعراء: ۲۱۴)

اور اے محبوب! اپنے قریب تر رشتہ داروں کو ڈرائیے۔

نازل ہوئی تو آپ نے اپنی چہیتی بیٹی فاطمہ زہرا کو بلایا اور فرمایا:

یَا فَاطِمَةُ بِنْتِ مُحَمَّدٍ! اَنْقِذِیْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ فَاِنِّیْ لَا اَمْلِكُ لَكِ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا۔ (صحیح المسلم)

اے میری بیٹی فاطمہ! اپنے آپ کو (حلاوتِ ایمان اور اخلاصِ عمل کے ذریعہ) دوزخ کی آگ سے بچانے کی کوشش کرو۔ کیونکہ (ذاتی طور پر) میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کی رَتّی بھر قدرت نہیں رکھتا۔

اللہ! اللہ! جن کے غلاموں کے اشارے اور شفاعت سے لاکھوں ہزار دوزخ کے عذاب سے نجات پائیں گے، ان کی خداترسی اور تواضع کا یہ عالم ہے کہ آپ اپنی لاڈلی بیٹی سے فرمارہے ہیں: میں تمہیں خدا کے عذاب سے بالکل نہیں بچا سکتا ہوں۔ اس حدیث میں تواضع کے علاوہ آپ اپنے اہل بیت اور اہل خاندان کو یہ ذہن بھی دینا چاہتے ہیں کہ محض میری قربت ونسبت پر تکیہ وبھروسہ کرکے دینی کمال، علم وفضل، اعمال صالحہ اور اطاعت وفرمانبرداری سے غافل نہ ہوجانا۔

مدعیانِ محض غور کریں

اِس حدیث پاک سے وہ سادات، پیرزادگان اور بڑے علما کی اولاد عبرت وسبق حاصل کریں، جو درس وتدریس، علم وفضل، تعلیم وتربیت، اصلاحِ عمل، مسجد

کی حاضری، طاعت وبندگی، عبادت وریاضت اور مراقبہ ومجاہدہ سے محروم رہ کر صرف خاندان ونسبت پر بھروسہ کرکے بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں، دولت وثروت حاصل کرنے کے لئے اپنے آبا واجداد کا نام استعمال کرتے ہیں اور صرف خاندان ونسبت کو ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ صرف خاندان ونسبت پر تکیہ نہ کرتے ہوئے اپنے اندر فضائلِ علمیہ اور کمالاتِ عملیہ پیدا کرکے فلاح وصلاح ونجاح کے حقدار بنیں۔

کیا سیدۂ کائنات فاطمہ زہرا کی اولاد اور ان کی اولاد کی اولاد کی شفاعت اور ان کے دامن کرم کی نسبت سے ہزاروں لاکھوں لوگ قیامت میں نہیں بخشے جائیں گے؟ لیکن سیدۂ کائنات کی عبادت وریاضت کا یہ حال تھا کہ رات میں عبادت کے لئے کھڑی ہوتیں، تو اتنا طویل سجدہ کرتیں کہ ایک سجدہ میں پوری رات گزر جاتی۔ تو اپنے رب سے عرض گزار ہوتیں: اے مولیٰ! تیری راتیں کتنی چھوٹی ہیں، فاطمہ کا ایک سجدہ نہیں ہو پاتا کہ رات ختم ہوجاتی ہے۔ اور ان کے لختِ جگر سیدنا امام حسین اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہما ایک رات میں تین تین سو رکعت ادا فرماکر پوری رات مسجد میں گزار دیتے۔ اور ایک ہم ہیں نسبت کے مدعی جو نوافل تو دور، فرائض میں بھی مسجد کی حاضری سے محروم ہیں۔

حِبرِ امت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو وصیت

اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سگے چچا حضرت عباس ابن عبد المطلب رضی اللہ عنہ (ولادت: عام الفیل سے تین سال قبل ۔ وصال: ۳۲ھ) کے بیٹے ''عبداللہ ابن عباس'' (ولادت: ہجرت سے تین سال پہلے ۔ وصال: ۶۸ھ)

جن کو دنیائے اسلام ترجمان القرآن، مفسر قرآن، حَبر امت اور عالمُ العصر وغیرہ القاب سے جانتی ہے۔ آپ کی سگی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا اُمَّہات المؤمنین سے تھیں، ان کی نسبت سے بھی آپ کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہنے اور فضائلِ علمیہ اور کمالاتِ عملیہ حاصل کرنے کا وقت ملا۔ حتیٰ کہ دن کی عبادت وخدمت کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلوت اور رات کی تنہائیوں میں بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قیام کرنے کا موقعہ ملا۔

ایک مرتبہ آپ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سواری پر پیچھے بیٹھے ہوئے تھے (راوی نے پیچھے سواری پر بیٹھنے کا ذکر اس لئے کیا کہ یہ وصیت بہت قریب اور نزدیکی کی حالت میں کی گئی تھی۔) تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یَا غُلَامُ اَوْ یَا غُلَیِّمُ! اَلَا اُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُكَ اللّٰهُ بِهِنَّ؟

"اے لڑکے یا اے بچے! کیا میں تجھے کچھ ایسی وصیتیں اور نصیحتیں نہ سنا دوں، جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تجھے نفع دے؟"

شریعت کی حفاظت کرو

عبداللہ ابن عباس نے عرض کی: جی حضور! ضرور۔ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تم اللہ تعالیٰ کو تنہائی میں یاد رکھو، اللہ تعالیٰ ہر جگہ تمہاری حفاظت فرمائے گا۔ تم اللہ تعالیٰ کے دین، احکام اور شریعت کی حفاظت کرو، اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد ہر جگہ پاؤ گے۔ تم راحت وآرام میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرو، مولیٰ کریم شدت و پریشانی میں تمہیں یاد رکھے گا۔ جب سوال کی ضرورت پڑے، تو اللہ تعالیٰ ہی سے مانگو۔ جب عون و مدد کی ضرورت ہو، تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو۔

(انبیا و اولیا سے استغاثہ واستعانت حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی سے ہے، لیکن یہ خواص کے لئے ہے کہ وہ ذاتی وعطائی کا فرق جانتے ہیں۔ عوام کو ڈایریکٹ اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنا چاہئے، جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔ کیونکہ وہ ذاتی اور عطائی کے فرق سے واقف نہیں ہوتے) بیشک جو کچھ بھی ہونے والا ہے، قلم سب کچھ لکھ چکا ہے۔ (اور تم اس بات کا یقین کرلو کہ) اگر تمام کی تمام مخلوق تمہیں کسی ایسی چیز کا نقصان پہنچانا چاہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری تقدیر میں نہیں لکھا، تو وہ نہیں پہنچا سکتے۔ اور یہ بات بہت دھیان سے سنو! جس چیز کو تمہارا نفس ناپسند کرتا ہے اس چیز میں صبر کرنا اور اپنے آپ کو روکنا خیر کثیر رکھتا ہے۔ اور بیشک مدد صبر کے ساتھ ہے۔ کشادگی وراحت، بے چینی اور پریشانی کے ساتھ ہے۔ اور بیشک تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔" (ترمذی شریف)

خیر کثیر

انسان کا نفس فطری طور پر عبادت و بندگی اور طاعت وفرمانبرداری سے گھبراتا ہے اور لذات وشہوات اور گناہ ومعصیت میں یہ راحت وآرام پاتا ہے۔ اسی لئے علما فرماتے ہیں: نفس کو عبادت و بندگی میں لگانا صبر علی الطاعۃ ہے اور گناہ ومعصیت سے اپنے آپ کو بچانا صبر علی المعصیت ہے۔ انہیں دونوں چیزوں میں انسان کے لئے بے شمار بھلائیاں ہیں۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: (وَ اعْلَمْ اَنَّ فِی الصَّبْرِ عَلٰی مَا تَكْرَهُ خَيْرًا كَثِيْرًا) جس چیز کو تمہارا نفس ناپسند کرتا ہے اس چیز میں صبر اور اپنے آپ کو روکنا خیر کثیر رکھتا ہے۔

علامہ ابن جوزی اِس وصیت والی حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

جب میں نے اس حدیث کے معانی پر غور کیا، تو میں مدہوش ہو گیا اور میری عقل اڑ گئی۔ پھر بولے: افسوس! میں اس حدیث سے ناواقف رہا اور اس حدیث کے پورے معنیٰ نہ سمجھ سکا۔ (یہ چھوٹا سا رسالہ اس حدیث کے ان کثیر معانی کا متحمل نہیں ہو سکتا، جن کو محدثین نے سمجھا۔)

حَجَّۃُ الوَدَاع کے موقع پر ارشادِ مبارک

ہم پیچھے بتا آئے ہیں کہ وصیت کا معنی ہے ’’حکمِ تاکیدی، آخری پیغام یا انتقال سے پہلے کی جانے والی نصیحت‘‘۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج فرض ہونے کے بعد (ذوقعدہ ۱۰ھ کو) اپنی حیاتِ طیبہ کا جو واحد حج ادا فرمایا، تاریخ میں ’’حجۃ الوداع‘‘ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جس میں مختلف روایتوں کے مطابق تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار ایمان والے غلام آپ کے ساتھ تھے۔ اسی میں اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب عرفات کے میدان میں کمبل کے ایک خیمہ میں تشریف فرما تھے، تو سورج ڈھلنے کے بعد آپ نے اپنی مخصوص اونٹنی قَصْوَا پر سوار ہو کر اُس بڑے مجمع میں ایک مخصوص تقریر فرمائی، جو اسلامی تاریخ میں ’’خطبۂ حجۃ الوداع‘‘ کے نام سے مشہور ہے۔ اس خطبہ میں آپ نے اسلام کے بہت ضروری احکام بیان فرماتے اور زمانۂ جاہلیت اور شرک کی تمام برائیوں، بدعتوں اور بیہودہ و خرافاتی رسموں کو مٹاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَلَا كُلُّ شَيْئٍ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوْعٌ.

’’خبردار! کان کھول کر سن لو! زمانۂ جاہلیت کے تمام طور و طریقے اور مشرکانہ

رسم و رواج میرے ان قدمہائے نبوت کے نیچے پامال و ختم ہو چکے ہیں۔‘‘

جوا، شراب، زنا، سود اور بیاج وغیرہ کو ختم کرتے ہوئے، زمانۂ جاہلیت کی ایک اور رسمِ بد خاندانی بڑائی و برتری اور قومی اونچ نیچ وغیرہ کے مشرکانہ تصورات کو پاش پاش کرتے ہوئے اور اُخُوّت و مروت اور مساوات و برابری کا درس دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: جو اس خطبے کا ایک خاص جز ہے

يَا اَيُّهَا النَّاسُ! اَلَا اِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ. اَيُّهَا النَّاسُ! وَاِنَّ اَبَاكُمْ وَاحِدٌ. لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَلَا اَحْمَرَ عَلٰى اَسْوَدَ وَلَا اَسْوَدَ عَلٰى اَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوٰى.

’’اے لوگو سن لو! تمہارا مُرَبِّی و مالک ایک ہے۔ تمہارے باپ (آدم علیٰ نبینا و علیہ السلام) بھی ایک ہیں۔ اب کسی عربی کو عجمی پر، کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی عزت و بزرگی نہیں۔ ہاں اگر عزت و بزرگی ہے، تو وہ تقویٰ و پرہیزگاری سے ہے۔‘‘

اِسی طرح آپ نے قتل و غارت گری کی دنیا میں ہمیشہ کے لئے امن و امان قائم فرمانے کے لئے ایک فرمان اور جاری فرمایا:

اِنَّ دِمَاءَكُمْ وَ اَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا يَوْمَ تَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ۔

’’(آپس میں) تمہارا خون (جانیں) اور تمہارے مال تم پر اسی طرح قیامت تک کے لئے حرام (محترم) ہیں، جس طرح تمہارا یہ دن، تمہارا یہ مہینہ اور تمہارا یہ شہر محترم ہے۔‘‘

خدا تو گواہ رہنا

جب آپ اپنا یہ تاریخی خطبہ فرما چکے، تو عرفات کے میدان میں موجود قریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار لوگوں سے فرمایا: جب تم سے اللہ تعالیٰ کے یہاں میرے بارے میں پوچھا جائے گا، تو تم کیا جواب دو گے؟ تو تمام حاضرین نے بیک زبان عرض کی: ہم خدائے تعالیٰ سے کہیں گے: ''آپ نے خدائے تعالیٰ کا پیغام ہم تک پہنچا دیا اور رسالت کا حق ادا کر دیا۔'' آپ نے اپنے اصحاب کا یہ جواب سن کر آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار عرض کی:

اَللّٰھُمَّ اَشْھِدْ، اَللّٰھُمَّ اَشْھِدْ، اَللّٰھُمَّ اَشْھِدْ۔

''اے اللہ تو گواہ رہنا۔ اے اللہ تو گواہ رہنا۔ اے اللہ تو گواہ رہنا۔''

اور دین مکمل ہو گیا

ابھی آپ عرفات کے میدان میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، کہ عین خطبہ کی حالت میں حضرت جبریل امین علیہ السلام دین اسلام کی تکمیل و تتمیم کا مژدہ سنانے کے لئے یہ آیت لے کر نازل ہوتے ہیں:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (پارہ:۶۔ المائدہ:۳)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔

پھر آپ منیٰ تشریف لائے اور کنکریاں مار کر ایک اور خطبہ ارشاد فرمایا، جس

کا ایک جز یہ ہے: لِتَاْخُذُوْا مَنَاسِکَکُمْ فَاِنِّیْ لَا اَدْرِیْ لَعَلِّیْ لَا اَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِیْ ھٰذِہٖ۔

''(اے لوگو!) مجھ سے حج اور عبادات کے مسائل سیکھ لو، کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اس کے بعد دوسرا حج کر پاؤں گا یا نہیں؟''

اِس خطبۂ مبارکہ کے مختلف اجزا و حصے بخاری، مسلم، ترمذی اور ابوداؤد وغیرہ کتبِ حدیث اور کُتُبِ سِیَر میں موجود ہیں جن میں آپ نے اپنے صحابہ اور اپنی امت کو مختلف احکام، متعدد نصیحتیں اور بہت سی وصیتیں فرماتے ہوئے اپنے وصال کی طرف اشارہ فرما دیا۔ اسی لئے اِس خطبے کو ''خطبۂ وَدَاع'' (رخصتی اور اپنے معبودِ حقیقی سے وصال کا خطبہ) کہا جاتا ہے۔

خدا کے حبیب ﷺ کا آخری پیغام

رسول اللہ ﷺ نے تقریباً تیئیس (۲۳) برس دعوت وارشاد اور تبلیغِ رسالت کے فرائض انجام دیئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے کلام مقدس قرآن کریم کی تعلیمات کو عملی تفسیر کی روشنی میں عام کرنے میں تیئیس برس جو جد جہد کی، علما فرماتے ہیں: وہ ''دریا کو کوزے میں سمیٹنا'' کے مطابق دو جملوں میں آتی ہے:

(۱) التعظیم لِاَحکام اللہ   (۲) الشفقۃ علی خلق اللہ

یعنی قرآن کریم کی تقریباً چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (۶۶۶۶) آیات کا نچوڑ اور خلاصہ ان دو جملوں میں ہے۔ خدائی احکام کی تعظیم و توقیر اور خدا کی مخلوق کے ساتھ شفقت ومہربانی و نرمی۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے وصال شریف سے پہلے اپنی امت کو جو آخری

پیغام اور وصیت فرمائی ہے، وہ آپ کی تیئیس سالہ دعوت و تبلیغ اور قرآنی تعلیمات کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔ آپ کی آخری نصیحت و وصیت کو آپ کے چہیتے اور پیارے مولیٰ علی مشکل کشا شیر خدا کرّم اللہ وجہہ الکریم روایت کرتے ہیں، جن کے بارے میں محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ۔

''جس کا میں محبوب و محب ہوں، اس کے علی محبوب و محب ہیں۔''

اور اس روایت کو مشہورِ زمانہ فقیہ امام ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شُہرہ آفاق کتاب ''تنبیہ الغافلین'' میں نقل فرماتے ہیں۔

سورۂ نصر

مولیٰ علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب سورۂ نصر (اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ) نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اس سورۂ مبارکہ میں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پاس بلانے کا اشارہ فرما دیا، تو یہ سورۂ مبارکہ نازل ہونے کے بعد رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنے علیل ہو گئے کہ مسجد میں تشریف لانا بھی موقوف ہو گیا۔

ابھی کچھ وقت گزرا تھا کہ ایک دن (بروز جمعرات) حجرۂ مبارکہ سے مسجد میں تشریف لائے اور منبرِ مبارک پر جلوہ فرما ہو گئے۔ حالانکہ آپ کے سرِ مبارک میں شدّتِ درد کی وجہ سے پٹی بندھی ہوئی تھی، آپ کا چہرہ منور زرد ہو رہا تھا اور چشمانِ مبارک سے اشک جاری تھے۔ پھر آپ نے حضرت بلال کو بلایا، جب وہ آ گئے تو فرمایا: پورے مدینہ میں بلند آواز سے اعلان کرو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری وصیت، آخری پیغام سننے کے لئے مسجد میں جمع ہو جائیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اونچی آواز میں اعلان کر دیا۔ پھر کیا تھا، اعلان سنتے ہی چھوٹے

بڑے سب اپنے گھروں کے دروازے اور بازار کی دکانیں کھلی چھوڑ کر حاضر ہو گئے۔ یہاں تک کہ پردہ نشین خواتین بھی اپنے گھروں سے نکل آئیں اور مسجد کھچا کھچ بھر گئی۔ اللہ پاک کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار ارشاد فرماتے: اپنے پیچھے والوں کو جگہ دو، پیچھے والوں کو جگہ دو۔ پھر آپ منبر پر اللہ تعالیٰ کی محبت میں گریہ و زاری کرتے ہوئے کھڑے ہوئے۔ اور آپ نے [اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ] پڑھا پھر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور اپنی ذات مبار اور تمام انبیائے کرام پر درود مبارک بھیجا۔ پھر فرمایا:

اے لوگو! میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم عربی مکی حرم والا ایسا نبی ہوں کہ اب میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا (یعنی نہ اب اور نہ آئندہ) اے لوگو! جان لو! مجھے میرے رب نے رخصتی کی خبر دے دی ہے۔ میرا دنیا سے جدائیگی کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اب میں خود اپنے رب کی ملاقات کا مشتاق ہوں۔ لیکن امت کی جدائی کا مجھے بہت رنج و ملال ہے۔ پتہ نہیں میرے بعد کیا کریں گے؟ (یعنی کیا عقیدے رکھیں گے؟) اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ (اے اللہ تو انہیں محفوظ و سلامت رکھنا) اے لوگو! میری آخری وصیت غور سے سنو اور دلوں میں بسا لو اور محفوظ کر لو۔ جو آج یہاں موجود ہیں، وہ کل آنے والے لوگوں کو ضرور ضرور میرا یہ پیغام پہنچائیں کیونکہ یہ میری آخری وصیت و نصیحت ہے۔ (اب آج کے بعد میری وصیت و نصیحت اور تقریر نصیب نہ ہو گی۔)

یہ حقیر راقم، اللہ پاک کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصائح و وصایا پر مشتمل اس بڑی حدیث کو۔ جو بے شمار ارشادات و ہدایات اور ترغیبات و ترہیبات پر مشتمل ہے اور جس میں کافی عنوانات ہیں۔ تسہیلِ فہم کیلئے عنوانات سے مزین کر کے عام فہم

ترجمہ کے ساتھ عرض کر رہا ہوں۔

قرآن کے بارے میں وصیت

رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو سب سے پہلے قرآن مجید ۔جو کہ ہمارے دین وایمان کی حفاظت کے لئے مضبوط دلیل اور بنیاد ہے۔کے بارے میں وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

بیشک اللہ پاک نے اپنی کتاب کی مُحْکَم (منسوخ نہ ہونے والی) آیات میں جو چیزیں تمہارے لئے حلال کیں اور جو تم پر حرام کیں اور جو تمہیں کرنا ہے اور جس سے تمہیں بچنا ہے، یعنی حلال وحرام اور اوامر ونواہی واضح طور پر بیان کر دیئے ہیں۔تو اللہ تعالیٰ کے حلال کئے ہوئے کو حلال جانو اور اس کے حرام کئے ہوئے کو حرام سمجھو۔(یعنی کسی حلال کو حرام مت سمجھنا اور کسی حرام کو حلال مت جاننا۔) اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی متشابہِ آیات (مثلاً: الم،حم) کے معنی کی کھوج اور ٹوہ میں نہ پڑنا۔ بلکہ ان پر ایمان لانا اور ان کے حق ہونے کا یقین رکھنا۔محکم آیات (یعنی جن کے معنی صاف اور واضح ہیں) پر مضبوطی سے عمل کرتے رہنا۔ اور قرآن کریم میں جو مثالیں، قصے، واقعات، اور کہاوتیں ہیں، ان سے عبرت و نصیحت حاصل کرنا۔ پھر آپ نے آسمان کی طرف سر مبارک اٹھایا اور عرض کی: اے مولیٰ! میں نے تیرا پیغام لوگوں تک پہنچا دیا، تو گواہ رہنا۔

بدعات سے بچنے کی نصیحت

ایمان خراب کرنے، اعمال صالحہ سے روکنے اور سنت سے دور کرنے میں

بنیادی رول بدعتوں (نئی نئی بدعقیدگیوں اور بداعمالیوں) کا ہے۔کیونکہ بدعتوں کا ارتکاب انسان دینی کام سمجھ کے کرتا ہے، حرام اور گناہ سمجھ کے نہیں۔

اسی لئے علما فرماتے ہیں: شرابی اور جواری کا جوا و شراب چھڑانا آسان ہے، کیونکہ وہ ان کا ارتکاب ثواب سمجھ کے نہیں کرتا ہے۔لیکن بدعتی کا بدعقیدگی اور بدعملی سے بچنا اور بچانا بہت مشکل کام ہے، کیونکہ یہ لوگ ان کاموں کو گناہ سمجھ کے نہیں، ایمان یا ثواب سمجھ کے کرتے ہیں۔

جیسا کہ آج بہت سے بدعقیدہ فرقے بے شمار دلائل و براہین ہونے کے باوجود اپنی بدعقیدگیوں سے توبہ نہیں کر رہے ہیں۔اسی طرح ہماری جماعت میں بہت سے بدعمل بدعتی ایسے ہیں، کہ ان کے سامنے قرآن وحدیث کے کتنے ہی روشن دلائل بیان کرو، وہ اپنی بدعتوں اور بدعملیوں کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ جیسے آج کل کی مُرَوَّجہ تعزیہ داری، مزارات کی مروجہ قوالیاں اور میلے تماشے وغیرہ۔غیب جاننے والے نبی ﷺ کی دوربین نظر دیکھ رہی تھی کہ میری امت میں اس طرح کے لوگ پیدا ہو جائیں گے، اسی لئے آپ نے اپنی آخری وصیت میں دوسری نصیحت جو فرمائی، وہ انہیں بدعتوں (بدعقیدگیوں اور بدعملیوں) کے بارے میں فرمائی۔آپ نے فرمایا:

اے لوگو! تم اپنے آپ کو بری بدعتوں یعنی گمراہ اور گمراہ کن من گڑھنت بدعقیدگیوں اور برے عملوں سے بہت دور رکھنا۔کیونکہ یہ بدعتیں اللہ تعالیٰ اور جنت سے دور کرنے والی اور دوزخ سے قریب کرنے والی ہیں۔اور اپنے اوپر سواد اعظم (بڑی جماعت) کو لازم کرلو۔(یعنی ہمیشہ بڑی جماعت کے ساتھ رہنا) اور دین میں استقامت اختیار کرنا۔کیونکہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ اور جنت سے

قریب کرنے والی اور دوزخ سے بچانے والی ہیں۔ پھر آپ نے عرض کیا: اے مولیٰ! میں نے تیرا پیغام لوگوں تک پہنچا دیا، تو گواہ رہنا۔

دین اور امانت کے بارے میں وصیت

غیب جاننے والے نبی کی نظر دیکھ رہی تھی کہ میری امت کے لوگ دین میں کمزور ہو جائیں گے۔ امانت میں خیانت کریں گے، نوکروں اور ماتحتوں پر ظلم کریں گے اور عورتوں کے حق ماریں گے۔ اسی لئے تیسری نصیحت و وصیت ان امور کے بارے میں کرتے ہوئے فرمایا:

اے لوگو! اپنے دین اور اپنی امانتوں کے بارے اللہ پاک کا خوف کرو، اللہ پاک سے ڈرو۔ (یعنی دین اور امانت کے معاملہ میں اپنا محاسبہ کرتے رہنا کہ کہیں تم بے دین اور خائن نہ ہو جاؤ) اپنے غلاموں اور نوکروں چاکروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا خوف کرو، اللہ تعالیٰ کا خوف کرو۔ جو تم کھانا وہی انہیں کھلانا اور جو تم پہننا وہی انہیں پہنانا۔ ان کی طاقت سے زیادہ ان پر کام مت ڈالنا۔ اس لئے کہ وہ بھی تمہاری طرح گوشت پوست والی مخلوق اور انسان ہیں۔ خبردار! جو ان پر ظلم کرے گا، قیامت کے دن ان کی طرف سے میں مدعی یا گواہ ہوں گا اور اللہ تعالیٰ حاکم اور فیصلہ کرنے والا ہوگا۔

اور فرمایا: اللہ کا خوف کرو۔ اللہ کا خوف کرو! صِنفِ نازک عورتوں کے بارے میں۔ خوش دلی سے ان کا مہر پورا ادا کرنا۔ ان پہ ظلم نہ کرنا، ورنہ قیامت کے دن تمہاری نیکیوں کے ثواب سے تمہیں محروم کر دیا جائے گا۔ خبردار! دین کی باتیں ہم نے تم تک پہنچا دیں۔

اولاد کی تعلیم وتربیت کے بارے میں وصیت

اللہ پاک کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر دیکھ رہی تھی کہ لوگ خواہشات کے غلام بن کر خود کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ میں جھونکیں گے، دین وایمان اور قرآن وحدیث کی تعلیمات سے غافل ہو کر سائنس وٹکنالوجی میں مست ہو جائیں گے اور دین وعقبیٰ بھول جائیں گے۔ تو آپ نے قیامت تک کے آنے والے غلاموں سے فرمایا:

اے لوگو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ اور انہیں دینی علم اور اسلامی آداب سکھاؤ۔ کیونکہ تمہارے اہل وعیال تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں۔ اور تمہارے ماتحت اور حکم کے پابند۔ خبردار! ہم نے دین کی باتیں تم تک پہنچا دیں۔

اماموں، قائدوں اور بڑوں کے بارے میں وصیت

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک نظر دیکھ رہی تھی کہ آنے والے وقت میں چھوٹے بڑوں کی، رعایا حاکم کی، مقتدی امام کی اور شاگرد استاذ کی نافرمانی کرے گا اور لوگ وعدہ خلافیوں میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اس لئے آپ نے فرمایا:

اے لوگو! انتظامی معاملات میں حاکموں، پیشواؤں اور بڑوں کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے رہنا۔ (بلا وجہ شرعی) ان کی نافرمانی نہ کرنا، اگرچہ وہ چپٹی ناک والا حبشی غلام اور نوکر کیوں نہ ہو۔ جس نے ان کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی، اور بیشک میری اطاعت کرنے والا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والا ہے۔ اور جس نے ان کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی، اور یقیناً میری نافرمانی

کرنے والا اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے۔ خبردار! ان کے خلاف بغاوت نہ کرنا۔ نہ ان سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو توڑنا۔ خبردار! ہم نے دین کی باتیں پہنچا دیں۔

اہل بیت اور دینی پیشواؤں کے بارے میں وصیت

اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کی مبارک نظر دیکھ رہی تھی کہ کچھ لوگ میرے اہل بیت، قرآن کے حاملین علما اور دین کے داعیوں کے عیب تلاشنے میں لگ جائیں گے۔ خود کو بھول بیٹھیں گے، دین کے عالموں پر طعنہ زنی کریں گے، ان سے بغض رکھیں گے، ان سے حسد کریں گے اور ان کو ہلکا کر کے اپنا دین و ایمان خراب کریں گے۔ ایسے لوگوں کا ایمان بچانے کے لئے اللہ پاک کے حبیب ﷺ نے یہ وصیت فرمائی:

اے لوگو! اپنے اوپر میرے اہلبیت کی محبت لازم کرلو۔ اور جو قرآن کے حامل حافظ و عالم ہیں، ان کی محبت اپنے اوپر لازم کرلو۔ ان سے بغض مت رکھنا، ان سے حسد مت کرنا اور ان کے بارے میں طعنہ زنی نہ کرنا۔ خبردار! جس نے اہل بیت اور علمائے رَبّانِیِّین سے سچی محبت کی، اس نے مجھ سے محبت کی اور جو مجھ سے محبت کرتا ہے، حقیقت میں وہی اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے۔ اور جس نے اہلِ بیت اور علمائے دین سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جو مجھ سے بغض رکھتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے بغض رکھتا ہے۔ خبردار! ہم نے دین کی باتیں پہنچا دیں۔

نماز اور طہارت کے بارے میں وصیت

اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کی قیامت تک دیکھنے والی نظر دیکھ رہی تھی کہ آخر زمانے میں لوگ نماز برائے نام پڑھیں گے۔ کہ نماز کے شرائط و آداب اور

نماز کے ارکان و واجبات کا لحاظ نہ رکھیں گے۔ بس رسمی طور پر اُٹھک بیٹھک کرلیا کریں گے۔ اور طہارت و وضو کے بارے میں تو بالکل ہی غافل رہیں گے۔

جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: آخر زمانے میں نماز نام کو رہ جائے گی۔

آپ لوگ بھی دیکھ رہے ہیں آج مسجدوں میں کیا ہو رہا ہے؟ اس لئے آپ نے آخری خطبہ میں نماز کے بارے میں یہ وصیت فرمائی:

اے لوگو! (خشوع خضوع، شرائط وارکان اور آداب کے ساتھ) نماز پنجگانہ اور کامل وضو و طہارت کو اپنے اوپر لازم کرلو۔ اور مکمل رکوع و سجود کے ساتھ نماز پڑھو۔

زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ کے بارے میں وصیت

اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ جانتے تھے کہ آخری زمانے میں لوگ نام و نمود اور اپنی تعریف و شہرت کے لئے تو پیسہ بہت خرچ کریں گے، لیکن زکوٰۃ نہیں نکالیں گے اور اگر نکالیں گے بھی تو ڈَنڈ (جُرمانہ) سمجھ کر۔ اس لئے آپ نے زکوٰۃ کے بارے میں فرمایا:

اے لوگو! اپنے زکوٰتی مال کی مکمل زکوٰۃ نکالو۔ خبردار! جس نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کی، اس کی نماز نہیں۔ جس کے پاس نماز نہیں اس کا دین نہیں۔ نہ اس کا روزہ قبول، نہ اس کا حج قبول اور نہ اس کا جہاد قبول۔ یا اللہ! کیا میں نے دین کی باتیں مکمل پہنچا دیں؟

حج کے بارے میں وصیت

اللہ پاک کے حبیب ﷺ جانتے تھے کہ آخری زمانے لوگ حج نہیں

کریں گے۔اور اگر کریں گے،تو شہرت اور دکھاوے کے لئے۔اس لئے آپ نے اخلاص سے حج کرنے کے بارے میں وصیت فرمائی:

اے لوگو!اللہ تعالیٰ نے ہر(اس) شخص پر حج فرض کیا(جو بیت اللہ تک پہنچنے کی قدرت رکھتا ہو) اور جس نے قدرت رکھنے کے بعد حج ادا نہیں کیا،تو (اللہ پاک کو پرواہ نہیں) چاہے وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی یا مجوسی ہو کر۔ایسے کو نہ میری شفاعت سے کوئی حصہ ملے گا اور نہ وہ میرے حوض پر آس کے گا۔ہاں اگر اسے کسی بیماری یا ظالم حاکم نے روک دیا تو اور بات ہے۔(اس صورت میں وہ مجرم نہیں) خبردار! کیا میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا؟

قیامت کے بارے میں آگاہی

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۔ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۔

(پارہ:۱۹۔الشعراء:۸۹۔۸۸)

ترجمہ: (قیامت کا دن ایسا ہولناک ہے) جس دن (انسان کے) مال و اولاد نفع نہ دیں گے۔البتہ جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قلبِ سلیم (یعنی کفر و شرک، نفاق،حسد اور کینہ وغیرہ سے پاک دل) لے کے حاضر ہوگا۔(وہ محفوظ رہے گا)

اسی لئے اللہ پاک کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو قیامت کی ہولناکیوں سے آگاہ فرماتے ہوئے فرمایا:

اے لوگو! بیشک تمہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک میدان میں اکٹھا کرنے والا ہے۔اور وہ قیام بہت شدید اور ایسے ہولناک دن کو ہوگا،جس دن

انسان کے مال و اولاد کوئی اسے نفع نہ دیں گے۔البتہ جو رذائل و خبائث سے پاک صاف دل لے کر آئے گا، وہ (اس کے فضل سے) نفع پائے گا۔سنو! کیا میں نے دین کی باتیں پہنچا دیں؟

زبان اور دلوں کی حفاظت کے بارے میں وصیت

انسان کے جسم میں بہت سے ایسے اعضا ہیں، جو اللہ پاک کے احکام کے مکلف ہیں۔خصوصاً زبان، دل، آنکھ، ہاتھ، پیر اور شرمگاہ وغیرہ۔کفر و شرک اور دوسروں کی ایذا رسانی کا سامان انسان زبان درازی سے اکٹھا کرتا ہے۔

حدیث میں آیا ہے: قیامت کے دن بہت سے لوگ زبان کے اژدھے سے ڈسے ہوئے جہنم میں جائیں گے۔(اللہ تعالیٰ کی پناہ)

چغلی،غیبت کا چارا بھی اسی زبان کا کاٹا ہوا ہے۔نفاق، بدعقیدگی اور حسد و کینہ یہ دل و نفس کے تعاون کی کارستانیاں ہیں۔

بدکاری کے اسباب

آج سب دیکھ رہے ہیں کہ آدمی کتنا کاہل ہو گیا ہے۔مجاہدانہ زندگی کا جذبہ بالکل ہی مردہ ہو کے رہ گیا ہے۔اخلاص تو کہیں دور دور بھی نظر نہیں آتا۔آپس میں خیر خواہی بالکل ختم ہو چکی ہے۔زنا و بدکاری، بدنظری اور ان کے اسباب کا بازار اتنا گرم ہے کہ ہر گھر نہیں، بلکہ ایک ایک انسان کے پاس بدنظری اور بدکاری کے کئی کئی اسباب موجود ہیں۔(یعنی ملٹی میڈیا موبائل وغیرہ) اور دکھاوے کا یہ عالم ہے کہ مسجدوں کو بڑے بڑے قیمتی ٹائل، پتھر،شیشوں اور رنگ

وروغن سے سجایا جارہا ہے۔ دس دس بیس بیس اے سی لگا کر بڑے فخر سے کہا جارہا ہے: ہم نے اپنی مسجد میں تین کروڑ خرچ کئے، پانچ کروڑ خرچ کئے۔ (اور حال یہ ہے کہ یہی دو تین چار کروڑ کی تعمیر شدہ مسجدیں مخلصانہ سجدوں اور مؤمنانہ پیشانیوں سے محروم وویران پڑی ہیں) ہمارے پیارے آقا ﷺ کی مازاغ نظر دیکھ رہی تھی کہ قیامت کے قریب میری امت کے لوگ اپنی محنت سے کمائی ہوئی دولت حسد، کینہ، چغلی، غیبت، زنا و بدکاری اور ریاکاری میں ضائع و برباد کریں گے۔ اسی لئے آپ نے امت پر رحم کرتے ہوئے فرمایا:

کاہلی چھوڑ دو

اے لوگو! (حرام وفضول گوئی سے) اپنی زبان کی حفاظت کرو، فکر آخرت میں خوف خدا سے اپنی آنکھوں سے آنسو بہاؤ، دلوں سے تواضع و عاجزی و انکساری کرو، نیستی وکاہلی (آرام طلبی) چھوڑ کر اپنے جسموں کو محنت ومشقت سے تھکاؤ، اپنے دشمنوں کے مقابلے میں جان توڑ مجاہدانہ کوششیں کرو، اپنی مسجدوں کو (مؤمنانہ پیشانی اور مخلصانہ سجدوں سے) آباد کرو، اپنے ایمان میں اخلاص پیدا کرو، اپنے دینی بھائیوں کے لئے خیر خواہی کرو، اپنی آخرت کے لئے پہلے ہی کچھ زادِ راہ بھیج دو، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، اپنے مالوں سے (صدقاتِ نافلہ ادا) کرتے رہو۔ آپس میں حسد نہ کرنا، کہیں تمہاری سب نیکیاں برباد نہ ہو جائیں اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرنا، ورنہ ہلاک و برباد ہو جاؤ گے۔ خبردار! ہم نے دین کی باتیں پہنچا دیں۔

قیامت کی محتاجیاں

قیامت کا دن دنیا کے دنوں کے ہزار برس کے برابر ہوگا اور اس کی گرمی کی شدت اور تپش کا یہ عالم ہوگا کہ یہ زمین جو آج مٹی کی ہے، چاندی یا تانبے کی ہوجائے گی اور سورج جو آج چوتھے آسمان اور آج کی سائنس کے مطابق چودہ کروڑ اکیانوے لاکھ کلومیٹر دور ہے، کل قیامت کے دن ہمارے سروں سے صرف سوا نیزے یا سوا ہاتھ دور ہوگا۔ راستہ خاردار، سر پر گناہوں کا بوجھ۔ بھلا بتاؤ اس فاقہ وتشنگی کے عالم میں انسان کس قدر نیکیوں کا محتاج ہوگا؟

زمیں تپتی، کٹیلی راہ، بھاری بوجھ، گھائل پاؤں
مصیبت جھیلنے والے ترا اللہ والی ہے

ہمارے والی ومولیٰ ﷺ کی مبارک نظریں قیامت کا یہ منظر دیکھ رہی تھیں، اسی لئے آپ نے اپنی امت کو اس دن کے فاقہ وتشنگی سے بچانے اور دوزخ کے عذاب سے رہائی دلانے کے لئے یہ وصیت فرمائی۔

برابر کوشش کرتے رہو

اے لوگو! (خود کو دوزخ کے عذاب سے بچانے کے لئے) برابر کوشش میں لگے رہو (یعنی عبادت وبندگی میں مشغول رہو) اور اپنے واسطے فقر وفاقہ اور محتاجی والے دن کے لئے اعمال صالحہ کرتے رہو۔ اے لوگو! تم کسی پر ظلم مت کرنا (نہ اپنوں پر نہ غیروں پر) بیشک اللہ تعالیٰ ظالم سے اس کے ظلم کا محاسبہ کرے گا وہی تمہارا حساب لے گا اور تمہیں پلٹ کر جانا بھی اسی کی طرف ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ

گناہوں کے سبب تم سے راضی نہ ہوگا، اگر تم اس کے پاس گناہ لے کر جاؤ گے۔
یاد رکھو! تم میں جو شخص اعمال صالحہ کرے گا، وہ اپنے بھلے ہی کیلئے کرے گا اور جو گناہ و برائی کرے گا، اس کا وبال بھی اسی کے سر ہے۔

وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ۔ (پارہ ۲۵۔حم السجدۃ:۴۶)

ترجمہ: تمہارا رب بندوں پر (رتی بھر) ظلم نہیں کرتا۔

ڈرو اس دن سے جس دن تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف واپس ہونا ہے، ہر جان کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اس طور پر کہ اس پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا۔

میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب یہ اعلیٰ نصیحتیں فرما چکے، تو آپ نے فرمایا:

اے لوگو! میں اپنے رب کے پاس جانے والا ہوں اور میں اپنے وصال کی خبر تم کو دے چکا ہوں۔ اب میں تمہارا دین، تمہاری امانت اللہ تعالیٰ کے پاس ودیعت و امانت رکھ کر تم سے رخصت ہو رہا ہوں۔ اے میرے صحابہ کی جماعت! تم پر سلامتی، میری کل امت پر سلام، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

راوی فرماتے ہیں: پھر اللہ پاک کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر شریف سے اترے اور حجرۂ مقدسہ میں تشریف لے گئے۔ اس کے بعد باہر تشریف لانا نہ ہوا۔

صلی اللہ تعالیٰ وَبَارَكَ وَسلم علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وامتہ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ حَتّٰى لَا يَبْقٰى مِنَ الصَّلَاةِ شَيْءٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ حَتّٰى لَا يَبْقٰى مِنَ الْبَرَكَةِ شَيْءٌ
اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ حَتّٰى لَا يَبْقٰى مِنَ السَّلَامِ شَيْءٌ
وَعَلٰى آلِهٖ وصحبه وازواجه وذُرِّيَّاتِهٖ وَاَوْلَادِهِ الْكِرَامِ وَابْنِهِ الْاَكْرَمِ الْغَوْثِ الْاَعْظَمِ وَعَلٰى خُدَّامِهٖ وَخَادِمَاتِهٖ اَجْمَعِيْنَ اِلٰى

يَوْمِ الدِّيْنِ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَعَلٰى اِخْوَانِهِ الْاَنْبِيَاءِ الْكِرَامِ وَالْمُرْسَلِيْنَ الْعِظَامِ وَعَلٰى سَائِرِ عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ كَثِيْرًا كَثِيْرًا دَائِمًا اَبَدًا وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ بِهِمْ وَلَهُمْ وَفِيْهِمْ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ - وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام　　شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام
کعبے کے بدر الدجیٰ تم پہ کروڑوں درود　　طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروڑوں درود
وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا　　ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا
تجھے حمد ہے خدایا تجھے حمد ہے خدایا

حضرت نوح علیہ السلام کی وصیت

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

اللہ پاک کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آدمِ ثانی حضرت سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: بیٹے! میں آپ کو ایک مختصر جامع مگر نا بھولنے والی نصیحت و وصیت کرتا ہوں۔ دو کام کرنے کے ہیں، جن کے کرنے کا اللہ تعالیٰ اور اس کے نیک بندوں نے کا حکم دیا ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرنا۔ (یعنی اس کی وحدانیت کی گواہی دینا) اس لئے کہ اگر زمین و آسمان اور جو ان میں ہے، سب مل کر ایک مضبوط حلقہ بن

جائیں، پھر ترازو کے ایک پلڑے میں توحید اور لا الہ الا اللہ اور دوسرے پلہ میں وہ مضبوط حلقہ رکھا جائے، تو توحید کا پلڑا زمین و آسمان والے پلے پر بھاری ہوگا۔

(۲) سبحان اللہ وبحمدہ (تسبیح) کا ورد و ذکر۔ کیونکہ یہ عظیم تسبیح تمام مخلوق کی نماز ہے۔ اس تسبیح کی برکت سے مخلوق کو رزق دیا جاتا ہے۔

اور دو کام ایسے ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ اور اس کے نیک بندوں نے روکا ہے۔

(۱) شرک (۲) تکبر

جب اللہ پاک کے حبیب ﷺ نے نوح علیہ السلام کی یہ وصیت اپنے صحابہ کو سنائی، تو ایک صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں تو یہ پسند کرتا ہوں کہ میری سواری، میرا کھانا، میرا لباس اور میری زندگی کے لوازمات بہتر سے بہتر ہوں، کیا یہ بھی تکبر میں آتا ہے؟ اللہ پاک کے حبیب ﷺ نے فرمایا: اچھی سواری، اچھا کھانا، اچھا لباس وغیرہ استعمال کرنا تکبر نہیں ہے۔ بلکہ حق سے کترانا، حق کو نہ ماننا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا تکبر ہے۔ (مسند امام احمد)

سیدنا ابرہیم علیہ السلام کی وصیت

دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا و علیہ السلام نے بھی اپنے بیٹوں کو وصیت فرمائی۔ آپنے اپنے بیٹوں کو ملتِ ابراہیمی پر قائم رہنے کی تاکیدی وصیت فرمائی۔ آپ کی وصیت ویسے تو سب کے لئے تھی، مگر خاص طور سے بیٹوں کا ذکر اس لئے کیا تاکہ وہ آپ کا نمونہ بنیں اور آپ کی ملت کی تبلیغ کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود تو کامل تھے ہی مگر آپ چاہتے تھے کہ میرے جانشین بھی میرے نقش قدم پر چلیں تاکہ میرے بعد لوگ

انہیں دیکھ کر میرے راستے پر چلیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مقدس میں آپ کی وصیت کا ذکر ان الفاظ میں فرماتا ہے:

وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ (پارہ:۱-البقرۃ:۱۳۲)

ترجمہ: اور اسی دین کی وصیت کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت

جب سیدنا یعقوب علیہ السلام کے وصال کا وقت قریب آیا، تو انہوں نے پنے تمام بیٹوں کو بلایا اور انہیں ایک سوال کی شکل کی وصیت فرمائی اور ان سے پوچھا: اے میرے بچو! بتاؤ میری وفات کے بعد تم کس کی عبادت کروگے؟ ان سب نے بیک زبان عرض کیا: ہمارے والد مہربان! آپ ہم سب کی طرف سے مطمئن رہیں اور بالکل پریشان نہ ہوں۔ ہم سب اس معبودِ برحق اللہ واحد کی عبادت کریں گے، جسے آپ، آپ کے باپ دادا اور دیگر انبیا کے ذریعہ سے پہچانا ہے۔ اور جس کی آپ اور آپ کے باپ دادا نے عبادت کی ہے۔ اور ہم سب اسی کے فرمانبردار رہے ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے۔ اس پوری وصیت کا تفصیلی ذکر سورۂ بقرہ آیت نمبر (۱۳۳) میں موجود ہے۔

یہاں اگر یعقوب علیہ السلام اپنی اولاد سے یہ فرماتے: اے میرے بیٹو! آپس میں محبت سے رہنا، لڑائی جھگڑا نہ کرنا اور میری کمائی یا میرے سرمائے کو برباد نہ کرنا، تو یہ بھی بے جا نہ ہوتا۔ یہ وصیت کرنا بھی انسان کا فطری تقاضا ہے۔ لیکن آپ نے اِن امور کی وصیت نہ کرکے سب سے پہلے دین کی حفاظت اور دین پر قائم رہنے کے بارے میں اپنی اولاد سے پوچھا۔ اس آیت اور اس واقعہ

سے ظاہر ہوا کہ انسان کو سب سے پہلے اپنی اولاد کے دین کی فکر کرنا چاہئے۔ اور دین وایمان اور طاعت وفرمانبرداری کی وصیت ونصیحت اور دعوت وتبلیغ دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں اپنی اولاد کو پہلے کرنا چاہئے۔ جیسا کہ پیغمبروں نے کیا۔

اصحابِ رسالتمآب
رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی
وصیتیں

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بعض وصیتیں

خلیفۂ اوّل یارِ غار ومزار سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (ولادت: عام الفیل کے ڈھائی سال بعد/ ۵۷۳ء۔ وصال: ۲۲/ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ/ ۶۳۴ء] کے وصال کا وقت جب قریب آیا تو آپ نے بہت سی وصیتیں فرمائیں ہم ان میں سے کچھ کا ذکر اس رسالہ میں کرتے ہیں۔

جب آپ نے چند دانشور صحابہ سے رائے لے کر حضرت عمر فاروق اعظم کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کر دیا۔تو کچھ صحابہ آپ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: آپ نے حضرت عمر کی سخت مزاجی سے واقفیت کے باوجود ان کو خلیفہ نامزد کر دیا، آپ اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے؟ آپ نے جواب دیا: قسم اللہ کی! تم لوگوں نے مجھے خوفزدہ کر دیا۔لیکن میں مولیٰ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کروں گا: اے میرے معبود! میں نے تیرے بندوں پر ان میں جو سب سے بہتر تھا، اس کو خلیفہ منتخب کیا ہے۔ اور جو کچھ میں ان کے بارے میں جانتا ہوں یا میں نے کہا، وہ اس سے بھی بہتر ہیں۔اور جو میں نے تم لوگوں سے کہا ہے، دوسروں تک پہنچا دو۔

پھر آپ نے حضرت عثمان بن عفان کو بلایا اور فرمایا: یہ وصیت لکھئے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: یہ وہ وصیت نامہ ہے جو ابوبکر بن ابو قحافہ نے اپنے آخری عہد میں دنیا سے جاتے وقت اور آخرت کے عہد اول میں عالم بالا میں داخل ہوتے وقت لکھوایا ہے۔ یہ ایسا سخت وقت ہوتا ہے، جب کافر بھی ایمان لے آتا ہے، فاسق وفاجر بھی یقین کر لیتا ہے اور جھوٹا بھی سچ بولنے لگتا ہے۔ اے لوگو! میں نے اپنے بعد تم پر عمر بن خطاب کو خلیفہ مقرر کیا ہے۔ لہذا ان کے احکام

اور ان کی باتوں کو سننا اور مضبوطی سے ان کی اطاعت وفرمانبرداری کرنا۔ میں نے اپنی طاقت بھر اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول ﷺ اور دین اسلام اور تمہاری خدمت کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔حتیٰ المقدور میں نے سب کے ساتھ خیر کا معاملہ کیا۔ اگر عمر عدل وانصاف سے کام لیں گے، تو یہ میرے یقین اور غالب گمان کے مطابق ہوگا۔اور اگر وہ بدل گئے، تو ہر شخص اپنے کئے کا جواب دہ ہوگا۔ میں نے تمہارے لئے نیکی اور بھلائی کے ارادہ سے یہ انتخاب کیا۔ مجھے غیب کا علم نہیں۔ ظالموں کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ فقط والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (تاریخ الخلفا)

حضرت ابوبکر صدیق کی حضرت عمر کو ایک خاص وصیت

جب لوگ حضرت عمر بن خطاب کی بیعت کر چکے۔تو حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے وصال سے کچھ پہلے حضرت عمر کو تنہائی میں بلایا اور انہیں چند وصیتیں فرمائیں۔ان میں سے ایک وصیت پوری امت کے لئے بہت اہم اور قابل عمل ہے۔آپ نے فرمایا:

اے عمر! اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرنا۔ جان لو اللہ تعالیٰ کے کچھ کام دن کے ہیں، اگر انہیں رات میں کرو گے، تو قبول نہ فرمائے گا۔ اور کچھ رات میں کرنے کے ہیں، اگر انہیں دن میں کرو گے، تو قبولِ بارگاہ نہ ہوں گے۔ اور بہت غور سے سن لو کوئی بھی نفلی کام اس وقت تک قبول نہیں کیا جائے گا، جب تک کہ فرض ادا نہ کر لیا جائے۔ (رواہ الامام السیوطی بحوالہ فتاویٰ رضویہ۔ ج: ۴)

سیدنا ابوبکر صدیق کی اِس وصیت ونصیحت سے، جو آپ نے خاص اپنے بعد کے خلیفہ کو فرمائی، وہ علما وائمہ، پیر اور اسلامی بھائی عبرت حاصل کریں، جو نماز

روزہ زکوٰۃ جیسے اہم فرائض کو چھوڑ کر صرف مستحب و مستحسن اور جائز و مباح کام کرنے پر بہت زور دیتے ہیں۔ غافل بندو! ہوش میں آؤ۔ اور اعمال واحکام کے درجات پہچانو۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بعض وصیتیں

خلیفۂ دوم سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ [ولادت: عام الفیل کے ۱۳/ سال بعد مطابق ۵۸۳ء۔ وصال: ایک محرم ۲۴ھ مطابق ۶۴۵ء] نے وصال سے پہلے اپنے صاحبزادہ کو بلایا اور انہیں کچھ وصیتیں فرمائیں۔

(۱) اے میرے بیٹے! میرے کفن میں بہت زیادہ بیجا خرچ نہ کرنا۔ کیونکہ اگر میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک نیک اور بہتر ثابت ہوا، تو وہ میرے اس معمولی کفن کو بدل دے گا۔ اور اگر میں اس کے نزدیک نیک ثابت نہ ہوا، تو یہ کفن بھی چھن جائے گا، پھر اس میں تکلف کیوں کیا جائے؟

(۲) میری قبر بہت لمبی چوڑی نہ کھدوانا، کیونکہ اگر میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک نیک اور بہتر ہوں گا، تو وہ میری قبر کو تاحد نظر وسیع وکشادہ کردے گا اور (خدانخواستہ) ایسا نہ ہوا تو کتنی ہی وسیع وکشادہ قبر کیوں نہ ہو وہ اتنی تنگ کر دی جائے گی کہ پسلیاں ٹوٹ جائیں گی۔ (اللہ تعالیٰ کی پناہ)

(۳) میرے جنازہ کے ساتھ کوئی عورت نہ چلے۔

(۴) جو خوبیاں اور کمالات مجھ میں نہیں ہیں، میرے مرنے کے بعد ان خوبیوں سے مجھے یاد نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے، مجھے اچھی طرح جانتا ہے۔

(۵) جب میرا جنازہ گھر سے لے کر چلو تو چلنے میں جلدی کرنا، کیونکہ اگر

میں اللہ پاک کے نزدیک اچھا ہوں، تو جتنی جلدی ہو سکے مجھے اس کے پاس پہنچا دو اور اگر (خدانخواستہ) میں برا ہوں، تو ایک برے آدمی کا بوجھ دیر تک کیوں اٹھایا جائے؟ جلدی اپنے کندھوں سے اتار کر پھینک دو۔ (تاریخ الخلفاللسیوطی)

جھوٹی تعریف سے بچنا

سیدنا فاروق اعظم عمر بن خطاب کی یہ وصیتیں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ آپ کی ان وصیتوں کے ایک ایک کلمہ سے کس قدر تواضع، عاجزی، خوف خدا اور خشیت الٰہی ٹپک رہی ہے۔ آپ اپنی زندگی میں اپنی تعریف اپنے سامنے کبھی پسند نہیں فرماتے تھے، اس لئے اپنے وصال کے بعد بھی یہ پسند نہ کیا کہ ان خوبیوں سے یاد کیا جائے، جو مجھ میں نہیں ہیں۔ حالانکہ آپ کی ذات میں نبوت کے علاوہ ایسی کون سی خوبی ہے، جو نہیں تھی؟ لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیًّا لَکَانَ عُمَرُ [اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے] نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک آپ کے اندر ہر خوبی وکمال کی خبر دے رہا ہے۔ آسمان کے ستاروں کے برابر نیکیوں کی خبر زبان نبوت نے آپ ہی کے بارے میں تو دی ہے۔

آپ کی ان معنیٰ خیز وصیتوں سے وہ حضرات نصیحتیں حاصل کریں، جو اپنی زندگی ہی میں جھوٹی سچی تعریفوں کی کتابیں لکھوا کر شائع کرتے ہیں۔ اور آج کے وہ پیر اور پیر زادے بھی عبرت پکڑیں، جو جلسوں جلوس میں جھوٹی سچی تعریفوں کے لئے کرائے کے اناؤنسر اور کرائے کے شاعر ومقرر بلا کر سیدھی سادی عوام کالاَنعَام کی دولت اور ایمان کو ٹھگ رہے ہیں۔ اور وہ لوگ خاص طور سے نصیحت حاصل کریں، جو اپنی زندگی ہی میں بڑے بڑے مزار اور بڑے

بڑے گنبد بنوا جاتے ہیں یا بنوانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو قوم کا لاکھوں کروڑوں روپیہ اپنے نااہل باپ دادا کے مزارات، آسمان کو چھونے والے گنبدوں اور میناروں پر صرف کرر ہے ہیں۔ اگر وہ مولیٰ تعالیٰ کو راضی کرنے والے علمی اور عملی کمالات نہیں رکھتے ہیں، تو کیا یہ لمبے لمبے مینار اور گنبد خداوند قدوس کی گرفت سے بچالیں گے؟

خوف عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

غالباً سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا جوامع الکلم سے یہ مقولہ ہے:

اَلْمُؤْمِنُ لَا یَخْدَعُ وَلَا یُخْدَعُ۔ مومن نہ دھوکہ دیتا ہے اور نہ کھاتا ہے

جس کی نظر عقبیٰ اور آخرت پر ہوتی ہے، وہ کبھی جھوٹی تعریفوں سے خوش نہیں ہوتا۔ جیسے سیدنا عمر بن خطاب نے پوری زندگی خصوصاً خلیفہ بننے کے بعد کبھی اپنی تعریف پسند نہ کی۔ انسان کی فطرت ہے، موت کے بعد آنے والے حالات سے موت سے پہلے گھبراتا ہے۔

جب حضرت عمر کو نیزہ مارا گیا، تو وصال سے پہلے سیدنا عبداللہ بن عباس آپ کے پاس آئے۔ آپ کی کچھ (فطری) پریشانی دیکھ کر عرض کی: امیر المومنین! آپ اس وقت ایمان لائے تھے، جب لوگ کفر کر رہے تھے، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس وقت جہاد فرما رہے تھے، جب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ رہے تھے، آپ کی موت تو شہادت کی موت ہو رہی ہے، آپ یا آپ کی خلافت میں دو لوگوں نے بھی اختلاف نہیں کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب وصال فرمایا تو وہ آپ سے راضی تھے (پھر یہ پریشانی کیوں؟) تو فاروق

اعظم نے فرمایا: اے بن عباس! کیا کہ رہے ہو؟ ذرا دوبارہ کہنا۔ انہوں نے اپنی گفتگو کا اعادہ کیا۔ تو فاروق اعظم نے فرمایا: تم دھوکہ کسی اور کو دینا، قسم اللہ کی! میرا تو اس وقت یہ حال ہے اگر میں کل روئے زمین کی دولت کا مالک ہو جاؤں، تو آنے والی (موت، قبر اور قیامت کی) ہولنا کیوں سے اپنی جان چھڑانے کے لئے سب کچھ فدیہ میں دے دوں۔ (وصایا العلماء عند حضور الموت)

حضرت ذوالنورین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی وصیت

جب خلیفۂ سوم سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ (ولادت: عام الفیل کے چھ سال بعد مطابق ۵۷۷ء۔ وصال: ذوالحجہ ۳۵ھ مطابق ۶۵۷ء) کو شہید کر دیا گیا، تو آپ کے تمام سامان اور اثاثہ کو تلاشا گیا، تو اس میں وارثین نے ایک مُقَفَّل صندوق پایا۔ جب اس کو کھولا، تو اس میں ڈبیہ تھی، جس میں ایک خط تھا، جس کا عنوان تھا: ''یہ عثمان بن عفان کی وصیت ہے''

اور اس میں مُندَرِجہ ذیل کلمات مبارکہ لکھے ہوئے تھے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔عثمان بن عفان گواہی دیتا ہے: لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ و اَنَّ محمدا عبدُہٗ و رسولہٗ، اور یہ کہ جنت حق ہے، دوزخ حق ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب کو قبروں سے اٹھائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ خلاف نہیں کرے گا۔ عثمان اسی شہادت پر زندہ رہا، اسی پر انتقال کر رہا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ عز وجل اسی پر اٹھے گا۔ (وصایا العلما عند حضور الموت)

یہ شان تھی صحابہ کرام کی۔ خوف آخرت اور موت کا یقین اس درجہ ان کے اندر

تھا کہ موت سے پہلے ہی وصیتیں کر دیتے تھے۔ اور ان کو حفاظت سے رکھتے تھے۔

سیدنا مولیٰ علی مشکل کشا کرم اللہ وجہہ الکریم کی وصیتیں

اسمٰعیل بن ابوخالد، امام شعبی سے روایت کرتے ہیں: جب مولیٰ علی کرّم اللہ وجہہ (ولادت: عام الفیل کے تیس سال بعد اور اعلانِ نبوت سے دس سال پہلے، ۱۳/رجب بروز جمعہ مطابق ۶۰۱ء۔ وصال: ۲۱/رمضان المبارک ۴۰ھ مطابق ۶۶۱ء) پر تلوار کا وار کیا گیا تو آپ نے پوچھا: مجھ پر وار کرنے والے کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ لوگوں نے عرض کی: حضور! ہم نے اس کو پکڑ لیا ہے۔ آپ نے فرمایا: اس کو میرے کھانے سے کھانا کھلانا اور میرے پانی سے پانی پلانا، اگر میں زندہ رہا تو اس کے متعلق میں خود غور وفکر کر کے فیصلہ کروں گا اور اگر میں انتقال کر گیا تو ایک ضرب سے اسے مارنا ایک سے زائد نہ کرنا۔ پھر آپ نے امام حسن رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ غسل دیں اور کفن میں بہت غلو نہ کریں، اس لئے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بیان فرماتے سنا: ''کفن میں بہت غلومت کرو کیونکہ وہ بہت جلدی ختم ہو جاتا ہے۔'' (وصایا العلماء عند حضور الموت)

یہ تھی مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شانِ تواضع، شان انصاف، شان مساوات اور مخلوق خدا پر ترحم ورحم دلی، کہ اپنے بیٹوں کو اپنے قاتل اور جانی دشمن کے بارے میں بھی حسن سلوک کی وصیت فرما رہے ہیں۔

آٹھ باتیں

جب مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کے زخم لگا، تو امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ

[ولادت: ۱۵/رمضان ۳ھ مطابق یکم اپریل ۶۲۵ء۔ وصال: ۵/ربیع الاول ۴۹ یا ۵۰ھ مطابق ۶۷۰ء] آپ کے پاس روتے ہوئے آئے آپ نے فرمایا: بیٹے! مجھ سے چار باتوں کے ساتھ چار باتیں یاد کر لو۔ عرض کی: وہ کیا ہیں؟ فرمایا: (۱) سب سے بڑی مالداری عقل ودانائی ہے۔ (۲) سب سے بڑی مفلسی حماقت وبیوقوفی ہے۔ (۳) سب سے بڑی وحشت عجب وتکبر ہے۔ (۴) سب سے اعلیٰ شرافت حُسنِ اخلاق ہے۔

امام حسن نے عرض کی: دوسری چار کیا ہیں؟ فرمایا: (۱) احمق اور بیوقوف کی ہمنشینی سے بچتے رہنا۔ اس لئے کہ وہ ارادہ تو کرے گا تمہیں نفع پہنچانے کا، مگر پہنچائے گا نقصان۔ (۲) جھوٹوں کی دوستی سے بچنا، کیونکہ وہ بعید کو قریب اور قریب کو بعید کر دے گا۔ یا ہونی کو انہونی اور انہونی کو ہونی بتائے گا۔ (۳) بخیل اور کنجوس سے دور رہنا، کیونکہ وہ تم کو (ان نیکیوں سے) دور کر دے گا، جن کے تم (قیامت میں) سخت محتاج ہوگے۔ (۴) فاسق وفاجر کی دوستی سے بچنا، کیونکہ وہ تمہیں معمولی چیز کے بدلہ بیچ دے گا۔ (تاریخ الخلفا)

لوگوں کے ساتھ کس طرح رہیں؟

سیدنا مولیٰ علی مشکل کشا رضی اللہ عنہ نے ایک موقعہ پر لوگوں کو نصیحت و وصیت کرتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! لوگوں کے ساتھ ایسے رہو، جیسے شہد کی مکھی پرندوں میں رہتی ہے۔ پرندوں میں کوئی ایسا پرندہ نہیں، جو اس کو کمزور وحقیر نہ جانتا ہو، لیکن اگر پرندے جان لیتے کہ شہد کی مکھی کے پیٹ میں کیا برکت ہے تو وہ اسے حقیر نہ جانتے۔ اس لئے اے لوگو! تم اپنی زبان اور جسم میں اتحاد پیدا کرو

اور اعمال وقلوب اور نیتوں میں تضاد مت آنے دو۔اس لئے کہ انسان کو قیامت میں اسی چیز کا بدلہ ملے گا جو اس نے کیا ہے۔اور وہ قیامت میں اسی کے ساتھ رہے گا دنیا میں اس کو جس کے ساتھ محبت تھی۔(سابق)

علم والوں کو بابُ العلم کی وصیت

ایک مرتبہ سیدنا مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے علمائے دین اور حاملین قرآنِ مبین کو وصیت ونصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

''اے اپنے سینوں میں علمِ قرآن رکھنے والو! تم قرآن اور علمِ قرآن پر عمل کرو اس لئے کہ عالمِ دین وہی ہے جو علم حاصل کرے اور اس پر عمل کرے اور اس کا عمل اس کے علم کے مطابق بھی ہو۔کیونکہ عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے جب ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جو علم تو حاصل کریں گے لیکن ان کا علم ان کی حلق کے نیچے نہیں اترے گا۔ان کا باطن ان کے ظاہر کے مخالف ہوگا، ان کے علم وعمل میں کھلا تضاد ہوگا، وہ بڑے بڑے حلقے بنا کر ایک دوسرے پر فخر کرنے کے لئے جلسے کریں گے۔پھر (فخر وگھمنڈ میں) نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ ایک شخص اپنے برابر بیٹھنے والے دوسرے شخص پر صرف اس لئے غصہ کرے گا کہ وہ اس کے برابر کیوں بیٹھ گیا؟ اور اس کو اپنے پاس سے ہٹانے کی سعیِ (ناحق) کرے گا۔حالانکہ ایسے لوگوں کے اعمال (اپنے کھوکھلے پن کی وجہ سے) مجلس سے خدا تک نہیں پہنچیں گے۔''(سابق)

درس عبرت: سیدنا مولیٰ علی کی اس وصیت ونصیحت پر اگر بے شعور عوام غور نہ کریں تو آج کے حاملین قرآن اور عالم کہلانے والے حضرات تو غور

کریں۔سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کی دور بین نظر اور نبی کریم ﷺ کے توسط سے غیب بتانے والی زبان کیا چودہ سو سال بعد والی باتیں صحیح صحیح نہیں بتا گئی؟ کیا ہمارے خواص اور علم والے واقعی اپنے علم پر عامل ہیں؟ ان کا عمل علم کے مطابق ہے؟ کیا ان کے ظاہری اعمال اور ظاہری کردار یہ نہیں بتا رہے کہ ان کے ظاہر و باطن میں تضاد ہے؟ کیا آج ہمارے بڑے بڑے جلسے اور کانفرنسیں صرف فخر و مباہات کے لئے نہیں ہو رہی ہیں؟ ان میں کتنے دین کے داعی شریک ہوتے ہیں؟ کتنی دین کی دعوت دی جاتی ہے؟ کیا آج ایک عالم دوسرے عالم سے اس لئے بغض نہیں رکھتا ہے کہ اس کی تقریر اچھی ہو گئی یا اس کو نذرانہ زیادہ مل گیا؟ یا ایک مشہور عالم دوسرے غیر مشہور عالم پر اس لئے نہیں گھرک رہا ہے کہ وہ اس کے برابر بیٹھ گیا؟ کیا ایک خانقاہ کا مرشد دوسری خانقاہ کے مرشد کو خاطر میں لا رہا ہے؟ کیا ایک مشہور خانقاہ کا پیر دوسری غیر مشہور خانقاہ کے پیر کو حقیر نہیں سمجھ رہا ہے؟ اور اپنے غرور و گھمنڈ اور شہرت کی وجہ سے اس نیک پارسا کو اپنے برابر بٹھانے کے لئے تیار نہیں۔کہیں آج ہمارے جلسوں کے خطیب، عالم، شاعر اور پیرانِ زمانہ قرآن کی آیت: تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَّقُلُوبُهُمْ شَتّٰى (پارہ:۲۸۔الحشر:۱۴)

ترجمہ: تم انہیں آپس میں اکٹھا سمجھو گے، مگر ان کے دل آپس میں پھٹے ہیں۔

کا مصداق تو نہیں ہو گئے؟ غور کرو! اور اگر جواب ہاں میں ہو، تو اللہ کریم سے اصلاح حال کی دعا کرو۔ بیشک وہ دعائیں قبول کرنے والا ہے۔

اخلاص عمل کی تاثیر

سیدنا مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ عمل کرنے والوں کو نصیحت کرتے

ہوئے فرمایا: اے لوگو! تم عمل کے اہتمام سے زیادہ عمل کی قبولیت کی کوشش اور اہتمام کرو۔ اس لئے کہ کوئی عمل تقویٰ و اخلاص کے ہوتے ہوئے چھوٹا ہو کر بھی چھوٹا نہیں ہوتا، اور عملِ مقبول چھوٹا ہو بھی کیسے سکتا ہے؟ (سابق)

ہمارے عوام وخواص سب سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کی اس وصیت کو غور سے پڑھیں۔ یقیناً آپ کی یہ وصیت آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ آپ کے کمالِ فصاحت نے دریا کو کوزہ میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔ آپ کی آنکھیں شاید آنے والے زمانہ کے لوگوں کی ریا و تصنّع کو دیکھ رہی تھیں۔ آپ کی نظریں دیکھ رہی تھیں کہ لوگ عمل تو کریں گے، مگر عمل کی قبولیت کی طرف ان کی توجہ نہیں ہوگی۔ سینے اخلاص سے خالی ہوں گے۔ لمبی لمبی رقموں کے اعلان تو ہوں گے، لیکن اس میں ریا کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا۔

عمل مقبول

ایک آدمی بطورِ ریا ایک لاکھ روپیہ صدقہ کرے، اور ایک انسان اپنے مولیٰ کی رضا کے لئے اپنی محنت کی کمائی کا صرف ایک روپیہ صدقہ کرے، تو یقینی طور پر ایک روپیہ کے صدقہ کا عمل عملِ مقبول ہے اور ایک لاکھ کا ریا کاری کا صدقہ عملِ مقبول نہیں۔ ایسے ہی ایک آدمی خوف وخشیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دو رکعت نفل ادا کرے، اور ایک آدمی دکھاوا کرتے ہوئے خشوع خضوع اور نماز کی سنن وآداب کا لحاظ کئے بغیر دو سو رکعت پڑھ ڈالے، تو یقینی طور پر دو رکعت والے کا عمل عمل مقبول ہے۔ اور دو سو رکعت بلا توجہ واہتمام کے پڑھنا عملِ مقبول نہیں۔ اول نے اگرچہ عمل تھوڑا کیا، لیکن قبولیت کے اہتمام اور قبولیت کی امید

کے ساتھ کیا، اس کا عمل تقویٰ واخلاص پر مبنی ہے۔ اور دوسرے نے اخلاص سے خالی اور تقویٰ سے عاری عمل تو بہت کیا، مگر بے معنی۔ تو اول تھوڑا ہو کر بہت، کیونکہ وہ عمل عملِ مقبول ہے۔ اور دوسرا بہت ہو کر بھی کچھ نہیں، کیونکہ وہ عمل غیر مقبول ہے۔ بیشک تقویٰ واخلاص بڑی دولت ہے۔ اور تمنائے قبولیت ایسی چیز ہے، جو عمل کو خالص اور مقبول بنا دیتی ہے۔

تقویٰ کی قیمت

سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے اسی لئے اپنی اس وصیت میں فرمایا: کثرت عمل کا اہتمام مت کرو، بلکہ عمل کی قبولیت کا اہتمام اور کوشش زیادہ کرو۔ مقبول ایک، نجات کو کافی ہے اور غیر مقبول کروڑوں ناکافی۔ سیدنا مولیٰ علی کی اس نصیحت اور اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیشمار حدیثوں میں عمل کی مقبولیت کی بنیاد اخلاص اور تقویٰ کو قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سے صحابہ سے بہت موقعوں پر فرمایا: (أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ) (میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں) اس لئے کہ تمام اعمال کا دار و مدار تقویٰ پر ہی ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیق نے اپنی وصیت میں فرمایا: (أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ) خود ہمارے آپ کے خالق و مالک نے قرآن میں صراحۃً اور کنایۃً (۱۵۰) سے زائد مقامات پر تقویٰ کا ذکر فرمایا۔

بعض دیگر صحابہ کی وصیتیں

اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ

خُلَفَائِ الرَّاشِدِیْنَ۔ (الترمذی-باب ماجاءفی الاخذ بالسنۃ)

تم پر میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے۔

اس لئے اس حقیر نے اِس رسالہ میں اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کے وصایا مبارکہ کے بعد خلفائے اربعہ کے وصایا شریفہ کو بالترتیب بیان کیا۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّہِمِ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ۔

میرے صحابہ ہدایت کی روشنی حاصل کرنے میں مثل ستاروں کے ہیں، تم ان میں جس کی اتباع وپیروی کروگے ہدایت پاؤگے۔

پچھلے وقتوں میں رات کی تاریکیوں میں قافلے ستاروں سے منزل کا پتہ لگاتے تھے۔ نبی پاک ﷺ نے اپنے صحابہ کو ستاروں سے تشبیہ دے کر ہماری رہنمائی فرمائی کہ ہم اس تاریک دنیا میں آپ کی سنت اور آپ کے صحابہ کے قول و فعل کی روشنی میں اپنی منزل (آخرت) تلاش کریں۔ اس لئے اب ہم سرکار دو عالم ﷺ کے بعض دوسرے صحابہ کی وصیتیں بیان کر رہے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کی وصیت

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (وصال: ۳۲ھ) وہ خوش قسمت صحابی ہیں، جن کے بارے میں اللہ پاک کے حبیب ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’میری امت کے لئے عبداللہ بن مسعود جو پسند کریں، میں بھی پسند کرتا ہوں۔‘‘

علما فرماتے ہیں: صحابہ میں تفقہ فی الدین میں آپ کا چھٹا مقام ہے۔

جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا، تو آپ نے اپنے بیٹے کو بلایا اور

فرمایا: اے عبدالرحمٰن میں تمہیں پانچ چیزوں کی وصیت کرتا ہوں، انہیں دھیان سے سنو اور یاد کرلو۔ (۱) لوگوں کے پاس جو مال و دولت ہے اس سے کوئی امید مت رکھو۔ بیشک یہ سب سے بہتر مالداری ہے۔ (۲) لوگوں کے سامنے اپنی حاجتیں اور ضرورتیں مت رکھو۔ کیونکہ یہ موجود (فوری) مفلسی ہے۔ (۳) ایسے کام اور ایسی باتیں بالکل مت کرو، جس سے بعد میں تمہیں معافی کی ضرورت پڑے۔ (۴) جہاں تک تم سے ہوسکے آنے والے ہر دن میں گزرے دن سے افضل اور بہتر کام کرو۔ (۵) جب تم نماز پڑھنے کھڑے ہو تو اس خوف اور اس تصور سے پڑھو، گویا یہ تمہاری آخری نماز ہے۔ (وصایا العلماء عند حضور الموت)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس وصیت میں ایک مومن کیلئے مؤمنانہ، عابدانہ اور خدا بھاتی زندگی گزارنے کے لئے بیشمار وصیتیں و نصیحتیں موجود ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت معاذ بن جبل کی وصیت

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ (وصال: ۱۸ھ) کا بھی صحابہ میں بڑا مقام ہے۔ فقہ وحدیث میں آپ کو بڑا مقام حاصل تھا، تفقہ فی الدین بدرجہ کمال حاصل تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی بہت سی احادیث آپ سے مروی ہیں۔ آپ نے وصال کے وقت بہت سی وصیتیں فرمائیں، راقم ان میں سے ایک نقل کر رہا ہے:

’’جب آپ کے وصال کا وقت قریب آیا، تو لوگ آپ کے پاس تانتا باندھ کر آنے لگے۔ آپ نے فرمایا: لوگو! میرے پاس زیادہ مت آؤ اور میری ایک بات سن لو! اگر تم اللہ پاک کی رحمت کی وسعت و کشادگی کو جان لو تو اس پر تکیہ

کر کے بیٹھ جاؤ (یعنی عمل چھوڑ دو) اور اگر تم اللہ تعالیٰ کے عذاب کی قدر اور بڑائی جان لو تو تم یہ خیال کرو گے کہ اس کے ہوتے ہوئے کوئی عمل نفع نہیں دے گا۔'' (سابق)

سیدنا معاذ بن جبل نے اپنی اس وصیت میں ایمان اور تقدیر کا ایک معیار بیان فرما دیا۔ ایمان حقیقت میں اس گاڑی کی طرح ہے جس کے دو پہیے ہوتے ہیں۔ جب دونوں برابر ہوں تبھی گاڑی منزل تک پہنچاتی ہے۔ اور ایمان کی گاڑی کے وہ دو پہیے ہیں: رَجا وخوف یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید اور اس کے عذاب کا خوف۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اتنی زیادہ امید رکھو کہ اس پر خوف غالب نہ آئے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کا اتنا خوف رکھو کہ امید غالب نہ آئے۔

حضرت ابوبکرہ نُفَیع کی وصیت

حضرت ابوبکرہ نفیع بن حارث (وصال: ۵۱ھ) رسول اللہ ﷺ کے فاضل صحابہ میں ہیں۔ جب آپ کے وصال کا وقت قریب آیا، تو آپ نے فرمایا: میری وصیت لکھو۔ پھر آپ نے ایمان وعقیدہ کو جلا بخشنے والی یہ وصیتیں فرمائیں:

''ابوبکرہ نفیع گواہی دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا رب اور مالک ہے، محمد ﷺ اس کے نبی ہیں، اسلام اس کا دین ہے اور کعبہ اس کا قبلہ ہے۔ بیشک یہ ابوبکرہ اللہ پاک سے ان رحمتوں، برکتوں اور عنایتوں کی امید رکھتا ہے، جن کی امید اللہ تعالیٰ کی توحید کا اعتراف اور اس کی ربوبیت کا اقرار کرنے والے، اس کے وعدوں اور وعیدوں پر یقین کرنے والے، اس کے عذاب وعقاب سے خائف اور ڈرنے والے اور اس کی رحمتوں سے لو لگانے والے رکھتے ہیں۔ بیشک وہ ارحم

الراحمین ہے۔'' (وصایا العلماء عند حضور الموت)

امام المحدثین سیدنا ابوہریرہ کی وصیت

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (ولادت: عام الفیل کے ۳۲ر سال بعد مطابق ۶۰۲ء۔ وصال: ۵۹ھ مطابق ۶۷۹ء) اصحابِ صُفَّہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ۷ھ میں ایمان لائے اور ایمان لانے کے بعد پوری زندگی اللہ پاک کے حبیب ﷺ کی صحبت میں گزاری۔ قرآن پاک کی تعلیم، رسول اللہ ﷺ کی خدمت اور آپ کی حدیثوں کو یاد کرنے ہی میں مشغول رہتے تھے۔ قیامت تک دنیا میں جتنے بھی محدثین آئیں گے آپ ان سب کے امام کہلائیں گے۔ آپ نے نبی پاک ﷺ کی چار ہزار تین سو سے زائد احادیث اپنے سینے میں محفوظ کر لی تھیں۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا، تو آپ رونے لگے۔ لوگوں نے کہا: اے ابوہریرہ کیوں رو رہے ہو؟ فرمایا:

''توشۂ آخرت کی کمی اور منزل کی دوری کو رو رہا ہوں۔ اس کے بعد ایک گھاٹی ہے، پتہ نہیں اس کے بعد جنت ہے یا دوزخ؟'' (سابق)

اللہ اکبر! یہ تھا ان کے خوف کا عالم جن کو صحبتِ رسول ﷺ حاصل تھی۔ جو عالم بالسنۃ بھی تھے اور عامل بالسنۃ بھی، حدیث کے خادم بھی تھے اور مدرسۃ الرسول (صفہ) کے مخلص، صوفی، زاہد اور تارک الدنیا طالب علم بھی۔ آج کے قائدین، عمائدین، طلبہ ومدرسین اور محدثین ومفکرین آپ کی اس وصیت سے درسِ عبرت حاصل کریں۔

آپ کا اشتیاق تھا

آپ نے اپنے وصال کے وقت ایک وصیت اور فرمائی: میرے جنازہ اور میری قبر پر خیمہ یا چادر مت ڈالنا، میرے جنازہ کے ساتھ دھونی دینے والی کوئی چیز نہ لے جانا اور میرے کفن دفن میں جلدی کرنا۔ کیونکہ میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''جب مومن چار پائی پر رکھا جاتا ہے تو کہتا ہے مجھے جلدی لے چلو۔ اور جب کافر اپنی کھاٹ پر ڈالا جاتا ہے تو واویلا کرتا ہے، ہائے مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟'' (سابق)

حضرت ابو مالک اشعری کی وصیت

حضرت ابو مالک اشعری کی وفات کا وقت جب قریب آیا، تو آپ نے اپنے قبیلے کے لوگوں سے فرمایا: آج جو لوگ موجود ہیں کل آنے والوں تک میری وصیت پہنچا دیں۔ میں نے اللہ پاک کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا:

''دنیا کی لذت وحلاوت آخرت کی کڑواہٹ و پریشانی کا باعث ہے۔ اور دنیا کی کڑواہٹ و پریشانی آخرت کی راحت وآرام کا سبب ہے۔'' (سابق)

حضرت عبادہ بن صامت کی وصیت اور معافی نامہ

سیدنا عبادہ بن الصامت ابن قیس الانصاری (وصال: ۳۴ھ) جلیل القدر صحابی ہیں، عقبۂ اولیٰ، ثانیہ اور ثالثہ میں حاضر رہے، تمام غزوات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شریک ہوئے۔ ۷۲ سال کی عمر میں فلسطین میں وصال ہوا۔

جب آپ کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: میری چار پائی گھر کے صحن میں نکالو۔ پھر فرمایا: میرے پڑوسیوں، خدمت گزاروں اور میرے پاس آنے جانے والوں کو بلاؤ۔ اہل خانہ نے سب کو اکھٹا کیا۔ پھر آپ نے کہا: میرا خیال ہے میرا آج کا یہ دن دنیا کے دنوں کا آخری دن ہے اور عقبیٰ و آخرت کی پہلی رات ہے۔ اور مجھے علم تو نہیں لیکن شاید کبھی میرے ہاتھ یا میری زبان سے تم میں سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچی ہو جس کا مجھ سے قیامت میں بدلہ لیا جائے۔ اور بروز قیامت بدلہ لینے والا وہ ہے جس کے قبضے میں عبادہ کی جان ہے۔ تو میں تم سے ہر ایک کو مجبور کرتا ہوں کہ تم میں سے جس کے بارے میں مجھ سے کوئی کمی زیادتی یا حق تلفی ہوئی ہو تو اس کا بدلہ ابھی لے لے میری روح نکلنے سے پہلے پہلے۔ سب بولے: آپ تو ہمارے والد تھے، مؤدب تھے۔ راوی فرماتے ہیں: حالانکہ آپ نے کبھی کسی خادم کو برا نہیں کہا۔ تو آپ نے فرمایا: آپ لوگوں نے میری سب چیزیں معاف کر دیں؟ سب نے بیک زبان کہا: جی۔ آپ نے عرض کی: اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ! (اے اللہ تو گواہ ہو جا)

پھر فرمایا: اب میری وصیت سنو، جب میری روح نکل جائے، تو تم کامل وضو کرنا پھر تم میں سے ہر ایک مسجد میں جا کر نماز پڑھے اور اپنے اور میرے لئے بخشش کی دعا کرے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ (اور تم صبر اور نماز سے مدد طلب کرو۔) (مستفاد)

معافی نامہ

اس حدیث پتہ لگا کہ وصیت کرنے یا لکھانے سے پہلے جن کو وصیت کرے یا

جن کے لئے وصیت کرے، کل اہل معاملہ سے معافی طلب کرے۔ وہ اس طرح سے کہ اہل خانہ، ملازمین، نوکر، پڑوس، دوست، احباب یا جن میں آمد ورفت رہی اور جن سے دنیا میں لین دین کا معاملہ کیا جہاں تک ممکن ہو ان کو بلا کر یا جو ذریعہ میسر ہو ان سے معافی مانگے۔ (اور آج کل تو یہ کام اور بھی آسانی سے نکالا جا سکتا ہے کہ ان میں سے اگر کوئی نہیں موجود ہے یا نہیں آسکتا ہے تو موبائل وغیرہ کے ذریعہ سے یہ کام کرلے۔) اگر ان کا مالی حق مارا ہو اور وہ ادا کرنے پر قدرت رکھتا ہو تو وہ دے کر ان کو راضی کرے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے حقوق: نماز، روزہ، حج یا زکوٰۃ میں سے کوئی حق فوت ہوا ہو اور اتنا مال رکھتا ہے کہ فدیہ ادا کر سکے، تو اگر وقت ہو تو نماز روزہ وغیرہ کا فدیہ اور زکوٰۃ اپنے ہاتھ سے ہی ادا کردے ورنہ وارثین کو ادائیگی کی وصیت کرے۔ اور اگر مال نہیں رکھتا ہے اور وارثین بھی اتنے مالدار وغنی نہیں ہیں، تو اِسقاطُ الا قساط (جس کا بیان انشاء اللہ اسی رسالہ میں آگے آرہا ہے۔) کی وصیت کردے۔ اور اگر کسی کو زبانی یا ہاتھ سے کوئی ایذا وتکلیف پہنچائی ہو تو اخلاص سے اپنے آپ کو بدلے کے لئے اس کے سامنے پیش کرے یا تواضع وانکساری کے ساتھ صدق دل سے اپنی محتاجی اور کمزوری ظاہر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اس سے معافی مانگے اور جب وہ معاف کردے تو اللہ تعالیٰ کو گواہ بنالے۔ اور اس طرح سے پھر وصیت کرے یا لکھوائے۔ اور اگر ان میں سے کوئی مر گیا ہو تو مالی حقوق اس کے وارثین کو ادا کرے اور وارثین نہ ہونے کی صورت میں صدقہ کردے۔

معافی نامہ میں حقوق کی تفصیل

انسان کو مرنے سے پہلے توبۃ النصوح (کامل توبہ) نصیب ہوجائے اور اس

کی سابقہ زندگی کے گناہ معاف ہوجائیں، تو اس کو چاہئے کہ مارے ہوئے حقوق یا کئے ہوئے گناہوں کی مندرجہ ذیل تفصیل پڑھ لے۔ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق وہدایت سے وہ حقوق معاف کرائے۔ اس بات کو دھیان سے سنو! مارے ہوئے حقوق اور گناہوں کی تین قسمیں ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کے حقوق وفرائض چھوڑنا: جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ۔ جن کو انسان ادا نہ کرسکا ہو اور اس کے ذمہ باقی ہوں۔ تو یہ چیزیں تو زبانی توبہ سے معاف نہیں ہوں گی بلکہ حتیٰ الامکان ان کی قضا لازم ہے۔ وقت ہو تو ادا کرے ورنہ اپنے مال سے ان کے فدیہ کی ادائیگی کی وصیت کرے۔

(۲) وہ گناہ جو اللہ تعالیٰ اور بندہ کے بیچ ہیں۔ (یعنی اللہ پاک کے حرام کردہ کام کرنا) جیسے: شراب پینا، ناچ گانا وغیرہ۔ ان کی قضا تو نہیں ہوسکتی مگر اس قسم کے گناہوں کی معافی کی صورت یہ ہے کہ گزشتہ گناہوں پر ندامت وشرمندگی کا اظہار کیا جائے اور ان کو آئندہ نہ کرنے کا مضبوط اور پکا ارادہ کرلے۔

(۳) وہ گناہ جو انسان اور دوسری مخلوق کے بیچ ہیں۔ (حقوق العباد کی پامالی) اس تیسری قسم کے گناہ تمام گناہوں سے زیادہ سخت اور سنگین ہیں۔ اور یہ حقوق العباد چند طرح کے ہیں۔

(ا) بعض کا تعلق کسی کا مال مارنے سے ہے

(ب) بعض کا تعلق کسی کی ذات کو نقصان پہنچانے سے ہے

(ج) بعض کا تعلق کسی کی عزت وآبرو سے ہے

(د) بعض کا تعلق کسی کو دینی نقصان پہنچانے سے ہے

تو جس نے کسی کا مال مارا ہو اس کے لئے تو حکم یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو

اس کا مال واپس کرے۔ اگر اپنی غربت و مفلسی کی وجہ سے واپس کرنے سے عاجز ہے تو جس کا مال مارا ہے اس سے اپنے لئے حلال اور جائز کرائے۔ اگر مال والا مر چکا ہے یا لا پتہ ہے یا موجود نہیں ہے تو اس کی طرف سے اتنا مال صدقہ کرے۔ اور اگر کسی وجہ سے یہ بھی ممکن نہیں تو کثرت سے اعمال صالحہ کرے اور اللہ پاک کی بارگاہ میں گریہ وزاری اور توبہ کرے تا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس مال والے کو اس کی طرف سے راضی کر دے۔ یا یہ کہ اس کے نوافل اور نیکیوں میں سے لے کر مال والے کی نیکیوں کے پلے میں رکھ دیئے جائیں۔ جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث میں ہے۔

اگر کسی کی جان کو نقصان پہنچایا (یعنی قتل کر دیا) ہو تو قصاص اور بدلہ کے لئے خود پیش کرنا لازم ہے یا وارثین سے معاف کرانا ضروری ہے۔ اور اگر کسی وجہ سے یہ ممکن نہیں اور اس سے عاجز ہے تو اس کے لئے اللہ پاک کی بارگاہ میں رونا، گڑ گڑانا اور معافی طلب کرنا ضروری ہے۔ تا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو راضی کر دے۔

اگر کسی کی عزت و آبرو کو نقصان پہنچا کر اس کا حق مارا ہے، جیسے کسی کی غیبت کی یا بہتان لگایا یا کسی کو گالی دی، تو اس طرح کے گناہوں کی معافی کی صورت یہ ہے کہ اس کے سامنے اپنے آپ کو جھوٹا ثابت کرے اور اپنی خطا اور غلطی کا اعتراف کرے اور اس سے معاف کرائے۔ مگر یہ اس وقت ہے جب یہ بغیر فتنہ و فساد آسانی سے ہو جائے اور اگر یہ خطرہ ہو کہ اس کے سامنے ہم اپنے گناہ اور غلطی کا اعتراف کریں گے تو اصلاح و مصالحت کی بجائے فتنہ بڑھے گا، اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں گریہ وزاری کر کے معافی مانگی جائے۔ تا کہ وہ معاف

کر کے صاحب معاملہ کو اس کی طرف سے راضی کرا دے۔ اور اللہ تعالیٰ صاحبِ معاملہ کو اس کے بدلہ خیرِ کثیر عطا فرمائے اور یہ اس کے لئے کثرت سے استغفار کرے۔

اگر وہ گناہ یا حق تلفی کسی کی عزت و آبرو سے متعلق ہے، بایں طور کہ اس کے اہل و عیال کے کے ساتھ خیانت یا کوئی اور فعلِ بد یا حرکت کی۔ تو ایسے گناہوں کو نہ تو صاحب معاملہ کے سامنے ظاہر کیا جا سکتا ہے، نہ نام لے کر معاف کرایا جا سکتا ہے، کیونکہ اس سے شدید فتنہ کا اندیشہ ہے۔ پس اس کی معافی کی بھی صورت یہی ہے کہ کثرت سے اللہ پاک کی بارگاہ میں تَضَرُّع وزاری کرے تا کہ اللہ تعالیٰ اس حق کے بدلے بہت نیکیاں دے کر صاحبِ حق کو اس کی طرف سے راضی کر دے۔ ہاں اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو (حالانکہ یہ بہت مشکل ہے، خصوصاً اس زمانہ میں) تو اس یہ ظاہر کر کے معاف کرائے۔

اور اگر وہ حق تلفی یا گناہ دین و مذہب کے متعلق ہو، مثلاً: کسی کو کافر، بے دین یا گمراہ کہا۔ یہ گناہ کی شدید اور بدترین قسم ہے۔ ایسے گناہوں کی معافی بھی اسی صورت میں ممکن ہے کہ: اپنی خطا و غلطی کا اعتراف کر کے اپنے آپ کو جھوٹا ثابت کرے اور جہاں تک ممکن ہو اس سے معاف کرائے۔ اور اگر صاحبِ معاملہ موجود نہ ہو، تو خداوند قدوس کی بارگاہ میں گریہ وزاری کرے، خوب گڑ گڑائے، کثرت سے استغفار کرے اور اپنی بری حرکتوں پر نادم و شرمندہ بھی ہو۔ تا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کو راضی کر دے۔

حاصلِ گفتگو یہ ہے حق تلفیوں کے سلسلے میں حق والوں کو جہاں تک راضی کر سکتے ہو راضی کرو۔ ورنہ پھر معافی اور بخشش کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو

اوراس کی بارگاہ میں گریہ وزاری اورتوبہ کرتے ہوئے کثرت سے صدقہ وخیرات کرو۔ تاکہ مولیٰ کریم رحمٰن ورحیم قیامت کے دن اس حق والے کوتمہاری طرف سے راضی کردے۔لیکن یہ چیز اللہ پاک کی مشیت پر ہے۔مگر اللہ پاک کے احسانِ عظیم اور فضلِ عمیم سے یہ امید وابستہ رہے کہ وہ راضی کردے گا۔ کیونکہ مولیٰ کریم جب اپنے بندہ کے دل کے صدق و اخلاص کو دیکھے گا،تو وہ کریم و مہربان مولیٰ اپنے فضل وکرم کے خزانوں سے ان حق والوں کو دے کراس کی طرف سے راضی کردے گا۔لیکن یہ اللہ تعالیٰ پر لازم نہیں ہے، یہ صرف اس کے فضل وکرم پر موقوف ہے۔(منہاج العابدین الیٰ جنۃ رب العالمین للامام الغزالی ۔العقبۃ الثانیۃ :عقبۃ التوبۃ)

سب سے پہلے وصیت میں کیا کرے؟

اپنی وصیت میں سب سے پہلے جن کا حق مرا ہے یا اس کے اوپر جو قرض وغیرہ ہے اس کے ادا کرنے کی وصیت کرے۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں نماز روزہ وغیرہ اگر باقی ہوں تو ان کا فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرے۔جس طرح کوئی وارث یا ولی کسی کی طرف سے نماز ادا نہیں کرسکتا اسی طرح روزہ بھی نہیں رکھ سکتا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی کسی کی طرف سے نہ روزہ رکھے اور نہ نماز پڑھے۔اس لئے ان کی ادائیگی کی صرف یہی صورت ہے کہ فدیہ ادا کرے۔

قضا نماز اور روزہ کا فدیہ

جس شخص کی بہت سی نمازیں قضا ہوگئیں اور وہ انتقال بھی کر گیا ہو اب

اگر اس نے انتقال سے پہلے وصیت کی ہو اور مال بھی چھوڑا تو اس کے چھوڑے ہوئے کُل مال کی تہائی سے ہر فرض و وتر کے بدلہ دوکلو سینتالیس (یا پچاس) گرام گیہوں یا اس کی قیمت ادا کرے۔ اسی طرح ہر دن کے فرض و نذر وغیرہ کے روزوں کے بدلے دوکلو سینتالیس (یا پچاس) گرام گیہوں یا اس کی قیمت صدقہ کرے۔اور اگر اس نے مال نہ چھوڑا اور اس کے وارثین فدیہ دینا چاہتے ہیں تو کچھ مال اپنے پاس سے یا قرض لے کر کسی مسکین کو صدقہ دے کر اس کے قبضہ میں دیدے اور وہ فقیر و مسکین اپنی طرف سے اسے ہبہ کردے (تحفہ کے طور پر دے دے) اور یہ وارث اس پر قبضہ بھی کرلے پھر یہ وارث اس مسکین کو دے، اس طرح لَوٹ پھیر (لین دین) کرتے رہیں یہاں تک کہ سب نماز روزوں وغیرہ کا فدیہ ادا ہوجائے۔ اور مرنے والے نے کم مال چھوڑا کہ اس سے سب نمازوں کا فدیہ نہ بن پائے گا تب بھی یہی طریقہ اپنائیں۔ اور اگر اس نے وصیت نہ کی اور ولی یا وارث اپنی طرف سے بطور احسان فدیہ دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔اور اگر اس نے اتنا مال چھوڑا کہ اس کی تہائی مقدار فدیہ میں دینے کے لئے کافی ہے، اور وصیت یہ کی کہ اس میں سے تھوڑا لے کر لوٹ پھیر کر کے فدیہ پورا کرلیں اور باقی مال وارثین یا اور کوئی لے لے تو گنہگار رہوا۔

اسی طرح کا مسئلہ بہارِ شریعت حصہ چہارم، قضا نمازوں کے بیان میں موجود ہے۔ یہاں میں نے عام بھائیوں کی آسانی کے لئے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے۔اصل مسئلہ نیچے ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ: جس کی نمازیں قضا ہوگئیں اور انتقال ہوگیا تو اگر وصیت کر گیا اور مال بھی چھوڑا تو اس کی تہائی سے ہر فرض و وتر کے بدلہ نصف صاع گیہوں یا

ایک صاع جو تصدق کریں۔ اور مال نہ چھوڑا اور ورثا فدیہ دینا چاہیں تو کچھ مال اپنے پاس سے یا قرض لے کر مسکین پر تصدق کر کے اس کے قبضہ میں دیں اور مسکین اپنی طرف سے اسے ہبہ کر دے اور یہ قبضہ بھی کر لے پھر یہ مسکین کو دے، یوہیں لوٹ پھیر کرتے رہیں یہاں تک کہ سب کا فدیہ ادا ہو جائے۔ اور اگر مال چھوڑا مگر وہ ناکافی ہے جب بھی یہی کریں۔ اور اگر وصیت نہ کی اور ولی اپنی طرف سے بطور احسان فدیہ دینا چاہے تو دے اور اگر مال کی تہائی بقدر کافی ہے اور وصیت یہ کی کہ اس میں سے تھوڑا لے کر لوٹ پھیر کر کے فدیہ پورا کر لیں اور باقی کو ورثا یا اور کوئی لے لے تو گنہگار رہوا۔ (بہارِ شریعت چہارم، قضا نمازیں)

مشورہ: یہاں میں اپنے ان بھائیوں کو مخاطب کرنا چاہتا ہوں جو اس نام و نمود کے زمانے میں اپنے مرحوم باپ داداؤں۔ جن کی نمازیں اور روزے قضا ہوئے تھے۔ کے تیجے، دسویں، چالیسویں اور برسی وغیرہ کی فاتحہ میں بڑی بڑی دعوتوں کا اہتمام کرتے ہیں اور پھر ان میں فقراء و مساکین کو کم، اغنیا و مال داروں کو نام و نمود کے لئے زیادہ مدعو کر کے کھلاتے ہیں۔ ان حضرات کو چاہئے کہ وہ اغنیا کی دعوت پر خرچ ہونے والے پیسے سے اپنے مرحومین کی طرف سے ان کی نماز، روزہ وغیرہ کا فدیہ ادا کریں۔ اس سے ایک تو وہ غیر شرعی کام سے بچیں گے دوسرے ان کے خرچ سے ان کے مرحومین کو ثواب و فائدہ بھی پہنچے گا۔

حکایت: حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کو جب مرضِ وصال لاحق ہوا تو آپ نے فرمایا: فلاں کو میرے غسل کا حکم دینا۔ جب آپ کا وصال ہو گیا اور انہیں آپ کے وصال کی خبر پہنچی تو وہ آئے۔ انہوں نے کہا: آپ کی یادداشت کے کاغذ یا وصیت نامہ لاؤ تو اس کو لایا گیا۔ انہوں نے اس کو دیکھا، اس میں لکھا

تھا: مجھ پر ایک ہزار درہم قرض ہیں (وہ ادا کر دیں) تو انہوں نے وہ اپنے ذمہ لے کر ادا کر دیئے اور فرمایا میرا ان کو غسل دینے کی مراد اور مطلب یہی تھا۔ (احیاء العلوم، مفاتیح الجنان)۔ یہ ہے اللہ والوں کی شان۔

وصیت اس طرح لکھیں یا کریں

پہلے بسم اللہ لکھیں یا پڑھیں پھر اللہ عزوجل کی حمد کریں اور نبی پاک ﷺ پر درود بھیجیں۔ اس کے بعد اس طرح لکھیں یا کہیں: یہ وصیت کی فلاں ابن فلاں نے (فلاں کی جگہ اپنا نام لکھیں اور بہتر ہے کہ اپنی ولدیت بھی اس میں ڈالیں) میں گواہی دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، بیشک قیامت آنے والی ہے اس کے آنے میں کوئی شک نہیں، بیشک جو قبروں میں دفن ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بروز قیامت اٹھائے گا۔ اور چاہے تو اپنے عقیدہ کی وضاحت کرتے ہوئے یہ بھی لکھ دے: قیامت حق ہے، میزان حق ہے، صراط حق ہے، حساب و کتاب حق ہے۔

پھر اپنی اولاد اور وارثین کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرنے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی پر قائم رہنے کی تاکید و وصیت کرے۔ (جیسا کہ سیدنا ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو کی تھی۔ ان لوگوں نے اپنی اولاد سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دین اسلام کا انتخاب کیا ہے، تو تم کوشش یہ کرنا کہ تمہیں موت دینِ اسلام پر ہی آئے۔)

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بارے میں وصیت کرنے کے بعد

اپنے قرض یا جن کی حق تلفیاں ہوئی ہوں ان کے حقوق کی ادائیگی اور نماز روزہ وغیرہ اگر سر پر باقی ہوں تو ان کے فدیہ کی ادائیگی کی وصیت کرے۔ پھر اولاد اور وارثین کو آپس میں میل ملاپ، بھائی چارگی، اخلاص ومحبت، ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی اور صلہ رحمی کی وصیت کرے۔ اور اپنے قرابت دار یا عامۃ المسلمین کے بارے میں بھی جو وصیت کرنا چاہے کرے۔ اس کے علاوہ جو مخصوص ضرورتیں حاجتیں درپیش ہوں ان کے بارے میں وصیت کرے۔ اور ہو سکے تو کسی فقیہ عالم دین کی رہنمائی میں وصیت لکھے یا کرے۔

حضرت سُمُرَہ بن جُنْدُب کی وصیت

سیدنا سمرہ بن جندب بن ہلال فزاری (وصال: ۵۸ھ) نے اپنی اولاد کو اس طرح وصیت کی:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ السلام علیکم! میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اما بعد! میں تمہیں اللہ پاک کے تقوے کی وصیت کرتا ہوں۔ اور یہ کہ نماز قائم کرتے رہنا، زکوۃ دیتے رہنا، جن چیزوں کو اللہ پاک نے حرام کیا ان سے بچتے رہنا، اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اس کی کتابوں، خلیفۂ اسلام۔ جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو قائم کرنے والا ہے۔ اور ائمہ مسلمین کی اطاعت کرتے رہنا۔ بیشک ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم ہر رات فرض نماز کے بعد کچھ نماز پڑھیں۔ تھوڑی یا بہت۔ اور وتر سب سے آخر میں۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں اس بات کا بھی حکم دیتے تھے کہ طلوع وغروب شمس وغیرہ مکروہ اوقات چھوڑ کر رات دن کی کچھ ساعات میں کچھ اور نمازیں پڑھیں۔

اور اللہ پاک کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں پانچوں نمازوں کی حفاظت و پابندی کا حکم دیتے تھے خاص طور سے صلوۃ وُسطیٰ (نماز عصر) کی پابندی کا۔“ (وصایا العلما)

حضرت ابو سہل کثیر بن زیاد بصری کی وصیت

جب حضرت ابو سہل کثیر بن زیاد کی وفات کا وقت قریب آیا، تو لوگوں نے آپ سے کچھ وصیت کرنے کے لئے کہا۔ آپ نے صرف ایک مگر بہت جامع وصیت کی، فرمایا: ”تم نے اگر دنیا کو آخرت کے بدلے بیچ دیا تو قسم اللہ کی دونوں جہان میں نفع میں رہو گے۔ اور آخرت کو دنیا کے بدلے کبھی نہ بیچنا ورنہ قسم اللہ کی دونوں کے اندر گھاٹے میں رہو گے۔“ (وصایا العلما)

حضرت غُضَیف بن حارث تابعی کی وصیت

جب حضرت غضیف کی وفات کا وقت آیا تو آپ کے بھائی وغیرہ حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا: تم میں کوئی یٰسٓ شریف پڑھ سکتا ہے؟ ایک صاحب بولے جی میں پڑھ سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ترتیل سے پڑھو اور سب لوگ خاموشی سے سنو۔ وہ پڑھنے لگے، جب وہ (فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ) پر پہنچے، تو آپ کی روح آسانی سے پرواز کر گئی۔

ایک بزرگ ابو اسد (جو وہاں موجود تھے) فرماتے ہیں: جب کسی پر جانکنی کا عالم طاری ہو اور اس پر موت کی سختی ہو تو چاہئے کہ اس کے پاس سورۂ یٰسین کی تلاوت کی جائے کیونکہ یہ موت کی سختیوں کو آسان کرتی ہے۔ (سابق)

حدیث شریف میں اس کی تلاوت کی بہت فضیلت آئی ہے۔

حضرت علقمہ کی وصیت

حضرت علقمہ بن قیس بن عبداللہ (وصال: ۶۲ھ) صحابی رسول سیدنا عبداللہ بن مسعود کے جلیل القدر اصحاب و تلامذہ اور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی سندِ فقہ کے جلیل القدر مشائخ میں سے ہیں۔ آپ کی ولادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ظاہرہ میں ہوئی۔ آپ نے اپنے اصحاب و تلامذہ کو وصال کے وقت وصیت فرمائی: ''مجھے لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرو۔'' یعنی میرے پاس لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھو۔ (سابق)

امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کی وصیت

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ (ولادت: ۸۰ھ مطابق ۶۹۹ء - وصال: رجب ۱۵۰ھ مطابق ۷۶۷ء) جو ائمہ اربعہ کے اول امام ہیں۔ جن کی شہرت ماضی و حال سے مشرق و مغرب میں ہے، جو رفعت و عظمت اور بلندی میں مقامِ اعلیٰ پر پہنچے ہوئے ہیں، جنہوں نے ملتِ بیضا شریعت مطہرہ کی عظیم خدمات کی ہیں، جنہوں نے ان خدمات کو انجام دینے میں بیشمار مشقتیں اٹھائیں، جنہوں نے چالیس سال مسلسل عشا کے وضو سے پوری رات قیام میں گزار کر فجر کی نماز ادا فرمائی، جو تقویٰ و ورع میں اعلیٰ مقام پر فائز ہیں، جو قیامت تک علما و فقہا کے لئے بیشمار فقہی سرمایہ چھوڑ گئے ہیں، جنہوں نے کتاب و سنت سے تقریباً ڈیڑھ لاکھ فروعی مسائل کا استنباط کیا۔ ایسے جلیل القدر امام کی تواضع و عاجزی اور خوف و خشیت پر مشتمل وصیت غور سے سنئے۔ راوی بیان کرتے ہیں: امام ابوحنیفہ نے

اپنے وصال کے وقت یوں عرض کیا:

''**یاارحم الرّٰحمین**! تو میرے اوپر رحم کر، میں اہل دنیا کا مارا ستایا ہوا ہوں پوری زندگی اپنے نفسِ امارہ کا علاج کرتا رہا۔'' (سابق)

امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کی مخصوص وصیت

ایک مرتبہ آپ نے اپنے شاگردوں کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: میری وصیت نوٹ کرلو، تم یقیناً انشاء اللہ اس سے دنیا و آخرت میں نفع اٹھاؤ گے۔

''بخل و کنجوسی سے ہمیشہ بچتے رہنا، اس لئے کہ یہ ایسی بری خصلت ہے جس سے انسان لوگوں کی نظر میں مبغوض و معیوب ہو جاتا ہے (لوگ اس سے بغض و عداوت رکھنے لگتے ہیں) لالچ اور جھوٹ سے ہمیشہ بچتے رہنا، کبھی گھٹیا کام نہ کرنا، تمام معاملات میں مُرُوَّت و شرافت پیش نظر رکھنا، تمام حالات میں صاف ستھرے سفید کپڑے استعمال کرنا، خود کو لوگوں سے بے نیاز ظاہر کرنا، حرص و لالچ اور دنیا کی رغبت بالکل ظاہر نہ ہونے دینا، اپنے آپ کو غنی و مالدار ظاہر کرنا، مفلس ہو کر بھی مفلسی ظاہر نہ کرنا، بلند ہمت بنو، پست ہمتی سے بچنا، اس لئے کہ جو لوگ پست ہمت ہوتے ہیں وہ لوگ پست درجہ بھی ہوتے ہیں وہ کبھی بلندی کا منھ نہیں دیکھتے۔'' (وصیۃ الامام الاعظم لخالد السمتی)

امام اعظم کی دین کے رہبروں کو وصیت

''لوگوں کی ان کی خطا و معصیت پر پیروی مت کرو۔ بلکہ جو کام درست اور صحیح ہوں ان میں ان کی پیروی کرو ان کے ساتھ رہو۔ جب کسی انسان کو شرو

معصیت میں مبتلا دیکھو تو اس کا ذکر مت کرو بلکہ اس کی بھلائی تلاش کرو اور اس کی خیر و بھلائی ہی کا تذکرہ کرو۔ البتہ دین کے معاملہ میں اگر اس کے دین و ایمان میں کوئی کمی یا اس کو بدعت میں مبتلا دیکھو تو اس کی اِس شر کو لوگوں میں ضرور بیان کرو تا کہ لوگ اس کی پیروی نہ کریں اور اس سے دور رہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

فاسق و فاجر کے اندر جو کمیاں ہیں ان کو بیان کرو تا کہ لوگ ان سے بچیں اگر چہ وہ سماج میں صاحبِ اقتدار کیوں نہ ہو۔ (طبرانی)

جب تم کسی کے دین میں کجی اور خلل دیکھو تو اسے ضرور بیان کرو اور اس کے عہدہ و مرتبہ کی پرواہ مت کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ آپ کا بھی معین و مددگار رہے اور دین کا بھی ناصر و مددگار رہے۔ اگر آپ نے ایک مرتبہ ہمت کر کے ایسا کیا تو ایسے فاسق و فاجر لوگ آپ سے ڈریں گے اور پھر کبھی دین میں بدعت پیدا کرنے کی جسارت و جرأت نہیں کریں گے۔'' (وصیۃ الامام الاعظم لخالد السمتی)

بعض اولیائے کرام کی عارفانہ وصوفیانہ وصیتیں اور نصیحتیں

ہر زمانہ کے اولیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے اپنی اولادِ نسبی اور اولادِ معنوی (مریدین و تلامذہ) اور عامۃ المومنین کو اپنی زندگی میں بھی بہت سی نصیحتیں اور وصیتیں کیں اور وصال کے وقت بھی۔ ان میں سے بعض اولیائے کرام کے بعض نصائح و وصایا ہم اپنے اس کتابچہ میں ذکر کر رہے ہیں۔ تا کہ ہمارے سب دینی بھائی اور خدا کے بندے ان وصیتوں پر عمل کر کے دنیا میں عافیت اور آخرت میں نجات کا سامان حاصل کریں۔

سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی عارفانہ وصیتیں

اولیائے کرام کی جماعت میں پیرِ پیراں میرِ میراں حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قطب ربانی محبوب سبحانی بڑے پیر صاحب رضی اللہ عنہ [ولادت: ۴۷۰ھ مطابق ۱۰۷۷ء۔ وصال: ۵۶۱ھ مطابق ۱۱۶۱ء] کا وہی مقام و مرتبہ ہے جو انبیائے کرام علیہم السلام کی جماعت میں ہمارے آقا و مولیٰ حضور رحمتِ عالم مرشدِ اعظم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے۔ اس لئے اولیا میں ہم سب سے پہلے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی نصیحتیں اور وصیتیں رقم کر کے اس کِتابچہ کو مشرف کر کے قارئین کی نذر کر رہے ہیں۔ تا کہ آپ کے غلام ان حکیمانہ، عارفانہ، عالمانہ اور عابدانہ نصائح و وصایا پڑھ کر اپنے دین و ایمان کو مضبوط کر کے آخرت کی نجات کا سامان مہیا کریں۔

مومن کے لئے پہلے کیا ضروری ہے؟

اس سوال کے جواب میں سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''مومن پر لازم ہے کہ وہ سب سے پہلے (اللہ تعالیٰ کے) فرائض میں مشغول ہو (اور انہیں وقت پر ادا کرے) جب فرائض سے فارغ ہو، تو اب سنتوں میں مشغول ہو۔ (سنتوں سے فراغت کے بعد) نوافل، دوسرے فضائل اور مستحسن اعمال میں مشغول ہو۔''

اور فرماتے ہیں: جب تک فرائض سے فارغ نہ ہو (ان کو ادا نہ کرلے) اس وقت تک سنتوں میں مشغول ہونا حماقت و نادانی ہے۔ تو اگر کوئی شخص فرائض (کو

چھوڑ کر یا ان) کی ادائیگی سے پہلے سنن ونوافل میں مشغول ہوا تو اس کے وہ سنن ونوافل مقبول نہ ہوں گے اور اس کے منہ پر مار دیئے جائیں گے۔ اور اُس (فرائض چھوڑ کر سنن ونوافل میں مشغول ہونے والے) کی مثال اس شخص کی سی ہے جسے بادشاہ اپنے دربار میں آنے کی دعوت دے تو یہ بادشاہ کی خدمت میں نہ جا کر اس کے کسی ایسے امیر یا وزیر کی خدمت میں حاضری دے جو اس بادشاہ کا غلام وخادم اور اس کا ماتحت و دست نگر ہے۔ سیدنا مولیٰ علی مشکل کشا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت ہے: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فرائض چھوڑ کر نوافل پڑھنے والے شخص کی مثال اس حاملہ عورت کی طرح سے ہے جو حمل سے تھی جب اس کی ولادت کا وقت قریب آیا تو اس کا حمل ساقط کرا دگیا۔ اب نہ وہ بچہ والی ہے اور نہ حمل والی۔“

(فتوح الغیب شریف - مقالہ نمبر/ ۴۸ کا بعض حصہ)

مثال کا خلاصہ

فرائض چھوڑ کر نوافل یا دوسرے اچھے کاموں میں لگنے کی بے فائدہ مشقت حاملہ عورت کے حمل کی بے فائدہ مشقت کی طرح ہے۔ اس عورت نے ایک بڑی مدت تک تکلیف بھی برداشت کی، جس کا بہتر نتیجہ بچہ کی صورت میں ظاہر ہونا چاہئے تھا مگر اس نے ضائع کر دیا۔ یہی حال فرض چھوڑ کر نفل میں لگنے والے کا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا کوئی نفل قبول نہیں کرے گا جب تک کہ وہ فرض ادا نہ کر لے۔

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس وصیت ونصیحت سے وہ حضرات خاص طور سے نصیحت حاصل کریں جو اہم الفرائض نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج

وغیرہ کو چھوڑ کر نوافل، جائز ومباح یا زیادہ سے زیادہ مستحب اور مستحسن کاموں میں مشغول رہتے ہیں یا ان کو فرائض جیسا درجہ دے کر ان کا اہتمام کرتے ہیں۔ جیسے نیاز، فاتحہ، عرس، مزارات پر جمعرات یا مخصوص موقعوں پر حاضری وغیرہ۔ بیشک یہ سب کام جائز و مستحسن اور تقرُّب کا ذریعہ ہیں، شرک و بدعت اور حرام ہرگز نہیں - جیسا کہ بدعقیدہ لوگ کہتے ہیں۔ لیکن جو لوگ فرائض چھوڑ کر ان مستحسن کاموں کے لئے فرائض جیسا اہتمام کرتے ہیں وہ لوگ بھی اپنی عقیدت اور عقیدہ کی خبر لیں۔ اگر ان کا عقیدہ نہیں بگڑا ہے، تو عقیدت میں تو بہر حال کہیں نہ کہیں فساد ضرور نکلے گا۔ انہیں چاہئے کہ وہ اس مسئلہ میں کتاب وسنت کے عارف اور عامل علمائے ربانیین کی طرف ضرور رجوع کریں۔

اپنی تقصیر اور کوتاہی کے بارے میں وصیت

انسان اگر کوئی نیک عمل کرے اور اللہ تعالیٰ اس کی رہنمائی نہ فرمائے تو فطری طور پر نفسِ اَمَّارہ اور شیطان اس میں عُجب وتکبر پیدا کر دیتے ہیں۔ جس سے وہ اِس عمل خیر میں اپنا دخل وکمال تصور کرتا ہے اور اپنے ان اعمالِ حَسَنہ پر وہ عوض و بدلہ اور ثوب کا طلبگار رہتا ہے۔ اور اگر اسے دنیا میں بدلہ نہ ملے تو شکوہ وشکایت بھی کرنے لگتا ہے۔ ایسے لوگوں کو حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”تجھے اپنے اعمال میں عُجب وخودنمائی زیب نہیں دیتی اور اعمال میں اپنے نفس کا دخل ماننا مناسب نہیں۔ اور ان اعمالِ خیر پر عوض اور بدلہ کیونکر طلب کر رہا ہے؟ ارے یہ سب تو تو نے اللہ تعالیٰ کی توفیق، اس کی مدد، اس کی قوت، اس کے

ارادہ اور اس کے فضل و احسان سے ادا کئے ہیں۔ (اگر وہ فضل فرما کر توفیق نہ دیتا، تو تو یہ اعمال صالحہ کہاں انجام دے پاتا؟) اور اگر تو نے کوئی معصیت و گناہ ترک کیا ہے، تو یہ بھی اس کی عصمت اور غیبی حفاظت و حمایت نے کیا ہے۔ (تیرا اس میں کوئی عمل دخل نہیں) ارے تجھے تو بجائے عجب و شکایت کے ان عظیم نعمتوں پر اپنے مولی کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ یہ کیا جہالت و نادانی ہے کہ اس کے فضل کو تو اپنا کمال سمجھ رہا ہے!!!''

عُجب و گھمنڈ ختم کرنے کا طریقہ

انسان کے گھمنڈ کو ختم کرنے کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اپنے اچھے اعمال پر خود پسندی اور گھمنڈ کو زائل کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی نعمت کو پہچانے اور اس کا شکر بجالائے۔ کیونکہ انسان جو بھی نیک یا اچھا کام کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی غیبی قوت اور توفیق سے ہی کرتا ہے۔ اگر اس کی غیبی قوت اور توفیق شامل نہ ہو، تو انسان ایک قدم نہیں اٹھا سکتا ہے۔ جب انسان پر یہ تصور و دھیان ہر وقت غالب رہے گا کہ یہ کام ہم نے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور غیبی مدد سے کیا ہے، تو انسان کبھی عُجب و خود بینی کے گڑھے میں نہیں گرے گا۔ اسی لئے علما فرماتے ہیں: شام کو اپنے دن کا محاسبہ کرو، اگر نیکیاں زیادہ پاؤ تو اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرو اور اگر خدانخواستہ گناہ زیادہ پاؤ تو اس کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کرو۔''

انسان کے گھمنڈ کو ختم کرنے کے لئے مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''کیا تو دوسرے کی شجاعت و بہادری، سخاوت اور مال خرچ کرنے پر گھمنڈ

کر سکتا ہے؟ جب تو اپنے دشمن کو خود اپنی قوت سے نہیں مار سکتا جب تک کہ کوئی دوسرا بہادر و شجاع تیرے دشمن کو شکست دینے میں تیری مدد نہ کرے۔ اگر وہ دوسرا مدد نہ کرتا تو تو خود ہی دشمن کی جگہ پر پچھڑا پڑا ہوتا۔''

اس مثال میں آپ نے کیسا دقیق نکتہ حل کر دیا۔ اگر کوئی انسان اعمالِ صالحہ، عبادت و ریاضت اور طاعت و فرمانبرداری سے اپنے نفسِ امارہ کو مار رہا ہے، تو اپنی قوت سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی قوت اور مدد و نصرت سے مار رہا ہے۔ اگر اس کی مدد و نصرت نہ ہوتی، تو وہ خود ہی پچھڑا پڑا ہوتا۔ نفس و شیطان کے مارے نہ جانے کتنے دوزخ میں جلیں گے۔ آگے فرماتے ہیں:

''اسی طرح انسان اپنی سخاوت پر بھی گھمنڈ نہ کرے۔ اس لئے کہ جو مال وہ بانٹ رہا ہے، وہ اپنا نہیں پرایا مال بانٹ رہا ہے، اپنے اس سچے کریم امین مالک کا مال بانٹ رہا ہے، جس نے اس بانٹنے پر اچھے اور بہتر عوض و بدلہ کا وعدہ فرمایا ہے۔ اگر اس کریم کی توفیق اور عوض و بدلہ کا وعدہ نہ ہوتا، تو ایک دانہ اور ایک دھلہ بھی خرچ نہ کرتا۔''

تو جب انسان اعمال صالحہ اپنے نفس اور شیطان کو مار کر ادا کر رہا ہے، اور نفس و شیطان کو مارنے یا دابنے میں انسان کا اپنا کوئی دخل نہیں، اللہ تعالیٰ کی غیبی قوت ہی کی مدد کر رہی ہے، تو اب اسے چاہئے کہ ان اعمال صالحہ پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے نہ کہ عُجب و گھمنڈ۔

اعمالِ حسنہ پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے

مزید فرماتے ہیں: ''انسان کے لئے (اپنی نیکیوں، عبادتوں اور اعمال صالحہ

پر بجائے عجب و گھمنڈ کے) سب سے بہتر اور اعلیٰ شان یہ ہے کہ وہ اپنے اس معین و مددگار مولیٰ کا شکر ادا کرے اور ہمیشہ اس کی حمد وثنا کرے، جس نے اسے اعمالِ حسنہ اور نیکیاں کرنے کی توفیق دی اور اس کی مدد کی۔ اور (ادبِ عبودیت و بندگی یہی ہے کہ) انسان اپنے تمام اعمالِ حسنہ اور افعالِ خیر کی نسبت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف کرے اور اسی کی توفیق جانے۔ البتہ جب اس سے شر، فساد اور معصیت و گناہ سرزد ہوں، تو ان کی نسبت اپنے نفسِ امارہ کی طرف کرے اور ہر ظلم و بے ادبی کو نفس امارہ کی شر جانے، کیونکہ وہ ہر شر و فساد اور برائی کی جڑ ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جس طرح انسان کا خالق ہے، اسی طرح انسان کے کسب کے ساتھ اس کے (اچھے برے) افعال کا بھی خالق ہے۔ بندہ افعال کا کاسِب ہے اور خدا ان کا خالق ہے۔ لیکن ادبِ بندگی یہی ہے کہ اعمال خیر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرے اور اس کے فضل سے جانے اور اعمالِ بد اپنے نفس امارہ کی طرف منسوب کرے اور اس کی شر جانے۔ اعمال بد کو مولیٰ کریم کی طرف منسوب کرنا کمالِ بے ادبی ہے۔“ (مستفاد از فتوح الغیب شریف: مقالہ نمبر ۷۰ کا بعض)

تقویٰ کے بارے میں وصیت

ایک مقام پر وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(اے عزیز!) میں تجھے وصیت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے تقویٰ اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کی، ظاہر میں شریعت کی پابندی اور باطن میں قلب کی صفائی کی، (بخل و کنجوسی سے بچا کر) نفس کی سخاوت کی، خوش روئی اور بارش کی طرح سخاوت و فیاضی کی، کسی کو تکلیف نہ پہنچانے کی، فقر و فاقہ اور لوگوں کی

تکلیفیں برداشت کرنے کی، مشائخ و بزرگوں کی عزت و حرمت کی حفاظت کی، اہل اسلام کے ساتھ حسن معاشرت کی، بڑوں چھوٹوں کے ساتھ خیر خواہی کی، (دوستوں اور قرابتداروں کے ساتھ) لڑائی جھگڑے کے ترک کی، سب کے ساتھ رِفق اور نرمی کی اور ایثار (یعنی اپنے پر دوسرں کو ترجیح کی دینا) کی پابندی کی۔ (فتوح الغیب شریف۔ مقالہ: ۷۵ کا بعض)

بروں کی صحبت سے بچو

اور وصیت کرتا ہوں: ذخیرہ اندوزی سے بچنے کی۔ خاص طور سے وصیت کرتا ہوں نا اہلوں کی صحبت سے دور رہنے کی۔ اور ایمان والوں کے دینی و دنیوی معاملات میں مدد کرنے کی، بشرطیکہ وہ کسی ناجائز و حرام کا مطالبہ نہ کریں۔

صوفی کی حقیقت

اور آپ نے (فقیر اور درویش کو نصیحت کرتے ہوئے) فرمایا:

تصوف و درویشی کی حقیقت یہ ہے کہ تو اپنے جیسی مخلوق کا کبھی محتاج نہ بن بلکہ صرف اللہ ہی کا فقیر بن کر رہ۔ اور غنا کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے جیسے لوگوں سے اِستغنا ظاہر کر یعنی اللہ تعالیٰ ہی کا نیاز مند بن کر رہ۔ حتیٰ کہ اپنے صالح اعمالِ اور طاعت و بندگی پر بھی بھروسہ نہ کرو (بلکہ اس کے فضل و کرم کا امیدوار رہ) (صوفی اور درویش سن لیں) فقیری اور درویشی قیل و قال، تقریر اور باتوں کا نام نہیں ہے، بلکہ بھوک اور فاقہ کو اختیار کرنے اور لذیذ و پسندیدہ چیزوں کو چھوڑ دینے کا نام ہے۔

مرشد کی حقیقت

اسی لئے غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے بیعت و ارادت کے باب میں ایک مقام پر فرمایا: پیری مریدی یا ارادت ترکِ عادت ہی کا نام ہے۔ (یعنی انسان کا نفس اور طبیعت جن چیزوں کی عادی ہو گئی ہو، انہیں چھوڑ دینے کا نام بیعت و ارادت ہے۔) مرشد و مربی کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جب کوئی فقیر یا طالب آپ کی صحبت یا حلقۂ ارادت میں (پہلی مرتبہ) حاضر ہو، تو اس (کی تربیت) کا آغاز مسائل علم یا علمی دقائق سے نہ کرو بلکہ رفق و نرمی سے کرو۔ اس لئے کہ پہلی صحبت میں علمی احکام اور علمی دقائق کا مطالبہ وحشت و نفرت پیدا کرے گا۔ اور رِفق و نرمی سے الفت و محبت ہو گی۔

پہلے عقیدت پھر تربیت

آپ کی اس وصیت سے وہ علما نصیحت حاصل کریں جو دین و شریعت سے دور جاہل انسان سے پہلی ملاقات میں شریعت کے سارے احکام، فرائض و واجبات حتی کہ مستحبات اور آداب کی ادائیگی کا مطالبہ کر کے اس کا راستہ تنگ کر دیتے ہیں اور اسے شریعت اور علما سے متنفر کر دیتے ہیں۔ جب کہ حضور بڑے پیر صاحب کی وصیت سے معلوم ہوتا ہے جب شریعت سے جاہل یا فاسق و فاجر انسان ابتداءً کسی کے حلقۂ ارادت یا حلقۂ علم میں آئے تو اس کے فسق و فجور اور اس کی خامیوں سے چشم پوشی کرے اور اسے اپنی صحبت میں رکھ کر اپنے قریب کرے۔ صحبت میں آنے کے بعد جب اسے شیخ اور مربی سے محبت ہو گی تو پھر

تقویٰ و طہارت کی حالت اس کے اندر خود بخود پیدا ہو جائیگی۔

صحبت کی تاثیر

شیخ محدث عبدالحق دہلوی رضی اللہ تعالی عنہ (ولادت: ماہ محرم ۹۵۸ھ / ۱۵۵۱ء۔ وصال: ربیع الاول ۱۰۵۲ھ) نے بیان کیا ہے:

میرے شیخ (علی متقی رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں: مکہ شریف میں ہمارے شیخ کی خدمت میں ہندوستان کا ایک ایسا طالب علم حاضر ہوا جس کی داڑھی پوری نہ تھی۔ اس کے ساتھی ہر وقت اس کوشش میں رہتے کہ وہ داڑھی پوری کرے اس پر اعتراض کرتے اسے سمجھاتے۔ مگر وہ بھی ضدی تھا جھگڑے کیلئے تیار ہو جاتا تھا مگر بات نہیں مانتا تھا۔ تو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ان لوگوں سے فرمایا: اسے وحشت و نفرت مت دلاؤ، اسے اس کے حال پر چھوڑ دو اور کچھ دن میری صحبت میں رہنے دو۔ یہ کام بہت آسان ہے ایک مرتبہ کہنے سے ہو جائے گا۔ اور یہی ہوا جب وہ چند دن صحبت میں رہ کر مانوس ہو گیا، تو ایک دن حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تمہارا یہ کام درست نہیں ہے آئندہ ایسا مت کرنا۔ اس طالب علم نے حضرت شیخ کے اتنا کہنے اور صحبت کی برکت سے اپنی داڑھی مکمل کر لی۔

(شرح فتوح الغیب للمحدث الدہلوی۔ مقالہ: ۷۵)

زیادہ سونے کی مذمت

جو لوگ ضرورت سے زیادہ سوتے اور ضرورت سے زیادہ کھاتے ہیں، ان کے بارے میں نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

جس نے نیند کو بیداری پر ترجیح دی تحقیق کہ اس نے اَدنیٰ اور ناقص تر کو ترجیح دی اور تمام بہتریوں سے غافل ہو گیا۔ اور چونکہ نیند موت کی طرح ہے تو گویا اس نے اپنے آپ کو مردوں سے ملا لیا۔ (یعنی سونے کی حالت میں انسان تمام کاموں سے معطل ہو جاتا ہے جیسے مردہ) اسی لئے اللہ تعالیٰ کے لئے نیند جائز و رَوا نہیں۔ کیونکہ (نیند ایک نقص و عیب ہے اور) اس کی ذات تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے۔ (اس کی شان تو لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ ہے، کہ اسے نیند تو درکنار اونگھ تک نہیں آتی) اسی طرح فرشتوں سے بھی نیند کی نفی کر دی گئی (یعنی ان کی نیند ختم کر دی گئی) کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی خاص قربت حاصل ہے۔ اور یہی حال جنتیوں کا ہوگا کہ ان پر بھی نیند طاری نہ ہوگی کیونکہ وہ جنت میں اعلیٰ ترین، نفیس تر، پاکیزہ و شریف ترین قربت اور ارفع و اعلیٰ حالت میں ہوں گے۔ کیونکہ (اگر انہیں بھی نیند آئے تو) یہ نیند ان کے کمال میں ایک نقص ہوگا۔

کیونکہ نیند فِی نَفْسِہٖ نقص و عیب ہے، اور جنت میں کوئی نقص و عیب نہیں ہوگا۔ (بہر حال) کُل کی کُل خیر اور بھلائی تَیَقُّظ و بیداری میں ہے۔ اور تمام کی تمام شر اور محرومی نیند اور غفلت میں ہے۔ (تو یہ سمجھ لو) جو اپنی خواہش اور شہوت سے بہت کھائے گا، بہت پیے گا اور بہت سوئے گا، وہ بہت لمبے عرصہ تک نادم و شرمندہ رہے گا اور خیرِ کثیر سے محروم ہوگا۔

حرام خوری کی مذمت

حرام خوری کی مذمت کرتے ہوئے ایک جگہ غوثِ اعظم فرماتے ہیں:

''جس نے حرام کا تھوڑا کھایا وہ اس کی طرح ہے جس نے اپنی شہوت و

خواہش سے مباح میں سے بہت اور ضرورت سے زیادہ کھایا۔ (مباح اور جائز بھی ضرورت سے زیادہ کھانا ممنوع ہے۔) کیونکہ حرام کا ایک دانہ نورِ ایمان کو اس طرح چھپا لیتا اور اس کو تاریک کر دیتا ہے جیسے شراب کا نشہ عقل کو۔ اور جب نورِ ایمان بجھ گیا، تو کیا نماز؟ کیا روزہ؟ کیا عبادت؟ کیا اخلاص؟

تو جس نے شریعت کی اجازت سے حلال زیادہ کھایا، وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے عبادت میں قوت و چستی پیدا کرنے کے لئے حلال سے تھوڑا کھایا۔ بہر حال حلال کھانا نورٌ علیٰ نور ہے (اگرچہ زیادہ کھائے، بشرطیکہ نیتِ خیر اور حکمِ شریعت سے کھائے اور طبیعت اور نفس کی خواہش کو اس میں دخل نہ ہو۔) اور حرام (اگرچہ تھوڑا ہو) سراسر ظلمت و تاریکی ہے، اس میں ذرہ برابر خیر و بھلائی نہیں۔ (کیونکہ حرام ایمان کی تاریکی و بربادی کا سبب اور معصیت و گناہ کا باعث ہے۔) اور بلا حکمِ شریعت اپنی خواہش سے اُکلِ حلال بھی حرام کی طرح ہے کیونکہ دونوں نیند (اور عبادت و ریاضت میں سستی) پیدا کرتے ہیں، اس لئے دونوں کے کھانے میں کوئی بھلائی نہیں۔ (فتوح الغیب شریف۔ مقالہ ۴۹)

کھانے کی قسمیں

شیخ محقق فرماتے ہیں: حضور غوث اعظم کے ارشاد کی روشنی میں کھانے کی چار صورتیں بنتی ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کے حکم سے حلال کم کھانا: یہ سب سے اعلیٰ صورت ہے۔

(۲) اپنی خواہش سے حلال کم کھانا: یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے زیادہ کھانے کے حکم میں داخل ہے۔

(۳) اپنی خواہش سے حلال زیادہ کھانا: یہ اور حرام کا کم کھانا ایک حکم رکھتے ہیں۔

(۴) حرام زیادہ کھانا: یہ سب سے بدتر صورت ہے۔ (شرح فتوح الغیب)

خدا کے سوا کسی سے امید مت رکھو

حضور محبوبِ سُبحانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ سے مرضِ وصال میں آپ کے صاحبزادے سیدنا عبدالوہاب قدّس سِرُّہٗ نے عرض کی: یاسیدی! ہمیں کچھ ایسی وصیتیں کر دیجئے جن پر ہم آپ کے وصال کے بعد عمل کریں۔ تو حضور پُرنور سیدنا غوث اعظم نے چند ایسی مخصوص مختصر مگر انتہائی جامع وصیتیں فرمائیں، جو آبِ زَر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ فرمایا:

تم پر تقوی اللہ (اللہ سے ڈرنا) لازم ہے، اس کے علاوہ کسی سے خوف مت کرنا، اپنی ساری ضرورتیں اور امیدیں اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دینا، اس کے سوا کسی پر اعتماد مت کرنا، ہر (چھوٹی بڑی) چیز اللہ تعالیٰ ہی سے طلب کرنا، توکل کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، توحید، توحید، توحید بس توحید۔ اسی پر سب کا اجماع ہے۔

(فتوح الغیب شریف)

عاجزی اور تواضع کا مقام

آپ نے اپنے مریدین اور راہِ سلوک کے سالکین کو جو دس وصیتیں اور نصیحتیں فرمائی ہیں، ان میں سے آخری وصیت کا بعض حصہ حضور پُرنور فیض گنجور سیدنا غوثِ اعظم سے فیض کی بھیک مانگتے ہوئے ہم قارئین کی نذر کر رہے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''مومنین و عابدین کی دس عادات شریفہ میں سے دسویں عادت ''عاجزی اور تواضع'' ہے۔ اسی خصلتِ عظیمہ کی وجہ سے عابد و زاہد کی عبادت کا محل مضبوط و پائدار اور اس کا مقام و مرتبہ بلند ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے نزدیک اس کی عزت بڑھتی ہے، مرتبے بلند ہوتے ہیں، وہ اپنے تواضع ہی سے دنیا و آخرت کی مرادیں حاصل کرنے پر قدرت پاتا ہے، یہ تواضع ہی تمام (اصولی و فروعی) طاعتوں اور عبادتوں کی اصل و بنیاد ہے، کہ ہر بندگی میں اسی سے کمال پیدا ہوتا ہے اور اس تواضع ہی سے بندہ ان صالحین کا مقام و مرتبہ حاصل کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے تنگی و آسانی کی ہر حالت میں خوش رہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ صفتِ تواضع ہی تقوی کا کمال ہے۔'' (فتوح الغیب شریف۔ مقالہ ۷۸)

تواضع کی علامت

تواضُع کا معنی ہے: عاجزی و نرمی کرنا اور خود کو اپنے مقام و مرتبہ پر رکھنا، یا تکبُّر و تَمَلُّق کی اِفراط و تفریط سے بچنا۔ حضور بڑے پیر صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

تواضع کی ایک علامت یہ ہے کہ انسان جب کسی سے ملے تو اس کو اپنے سے بہتر اور بڑا سمجھے۔ اور اپنے دل میں یہ تصور کرے، شاید یہ بندہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجھ سے بہتر اور بڑا ہو۔ اگر وہ ملنے والا عمر میں اس سے چھوٹا ہو، تو اپنے دل میں یہ تصور کرے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی اور میں نافرمانی کر چکا ہوں، اس لئے یہ مجھ سے بہتر ہوگا۔ اور اگر وہ ملنے والا عمر میں اس سے بڑا ہو، تو اپنے دل میں یہ تصور کرے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی اس نے مجھ سے پہلے (اور زیادہ) کی ہے۔ اس لئے یہ مجھ سے بہتر ہوگا۔ اور اگر ملنے والا عالِم

ربانی ہو،تو دل میں یہ تصور کرے کہ اسے وہ علم ومعرفت عطا کیا گیا ہے،جس تک میری رسائی نہیں اور اس نے وہ مقام ومرتبہ پایا، جو مجھے نہ مل سکا، اسے ان چیزوں کا علم ہے جن سے میں جاہل رہا، وہ اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہے۔اور اگر وہ ملنے والا جاہل وان پڑھ ہو،تو یہ تصور کرے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نادانی میں کی ہے اور میں نے جانتے بوجھتے ،اور مجھے خبر نہیں کہ میرا خاتمہ کس حال پر ہوگا اور اس کا خاتمہ کس حال پر ہوگا؟ اور اگر وہ ملنے والا (خدانخواستہ) کافر ہو، تو دل میں یہ تصور کرے کہ ممکن ہے اسے (آخری وقت) ایمان نصیب ہوجائے اور اس کا خاتمہ بالخیر ہو۔اور ممکن ہے (خدانخواستہ،معاذ اللہ صد بار معاذ اللہ) مجھ سے کفر ہوجائے اور میرا خاتمہ بُرا ہو۔(اللہ پاک کی پناہ)

یہ (صفتِ شریفہ اور خصلتِ عظیمہ حقیقت میں) دوسروں پر شفقت و مہربانی اور اپنے نفس پر خوف کا دروازہ ہے۔(وصفِ تواضع سے مُتّصف لوگ ہی) صحبت وہمنشینی کے زیادہ لائق ہیں۔اس (صفتِ تواضع) کا اثر بندوں پر پڑتا ہے اور باقی رہتا ہے۔جب انسان مُتواضع ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو نفس و شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رکھتا ہے۔صفتِ تواضع ہی سے بندہ حقوق اللہ ادا کرنے والوں کا مقام پا کر اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ ومحبوب اور ابلیس کا دشمن ہوجاتا ہے۔تواضع ونرمی ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ ہے۔اور (سب سے بڑی بات یہ ہے کہ) تواضع کے ذریعہ سے عُجب وگھمنڈ کا پہاڑ ریزہ ریزہ اور تکبر کا دروازہ ٹوٹ جاتا ہے۔اور ہر جگہ خود پسندی کی بیماری سے محفوظ رہتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تواضع عبادت کا مغز ہے۔(فتوح الغیب۔مقالہ:۷۸)

حضرت خواجہ غریب نواز کی صوفیانہ وصیتیں اور نصیحتیں

حضور سیدنا معین الملۃ والدین خواجہ حسن سجزی غریب نواز رضی اللہ عنہ (ولادت:۵۳۷۔وصال:۶۳۳ھ) کو ہمارے ملک کا ہر خاص وعام جانتا اور مانتا ہے۔آپ نے اپنے مرید خاص سیدنا خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضی اللہ عنہ کو بہت سی وصیتیں اور نصیحتیں فرمائیں۔خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضی اللہ عنہ نے آپ کے وصایا اور ملفوظات کو ''دلیل العارفین'' میں جمع فرمایا ہے۔ہم ان میں سے چند عارفانہ وصیتیں اور نصیحتیں اس کتابچہ میں نقل کرتے ہیں۔

درویش کسے کہتے ہیں؟

حضور غریب نواز رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

چار چیزیں (انسانی) نفس کا جوہر (کمال) ہیں۔

(۱) بھوک میں شکم سیر نظر آنا۔

(۲) فقیری اور درویشی میں تونگری کرنا۔

(۳) رنج وغم میں مسرور (خوش) معلوم ہونا۔

(۴) دشمن سے بھی دوستی کا (یعنی دوستوں جیسا) معاملہ کرنا۔

اور فرمایا: جہاں بھی جاؤ کسی کا دل نہ دکھاؤ۔

ایک مرتبہ فرمایا: نیک لوگوں کی صحبت نیکی کرنے سے بہتر ہے اور برے لوگوں کی صحبت بدی (گناہ) کرنے سے بدتر ہے۔

سب سے زیادہ نقصان دہ گناہ

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: تمہارا کوئی گناہ (تمہیں) اتنا نقصان نہیں پہنچائے گا، جتنا کسی مسلمان کی بے عزتی (ذلیل کرنے سے) پہنچے گا۔

ایک مرتبہ فرمایا: (انسان کی) بدبختی کی علامت یہ ہے کہ وہ گناہ کرتا رہے، پھر بھی خدا کی بارگاہ میں مقبول ہونے کا امیدوار ہو۔

آپ نے فرمایا: جس نے جو نعمت پائی سخاوت کی وجہ سے پائی۔

درویش کی علامت

آپ نے فرمایا: درویش (صوفی) وہ ہے جس کے پاس جو بھی حاجت لے کر آئے، وہ اسے خالی ہاتھ واپس نہ کرے۔

آپ نے فرمایا: اس دنیا میں درویشوں کا درویشوں کے ساتھ بیٹھنا عزیز ترین (بہت قیمتی) چیز ہے اور درویشوں کا درویشوں سے جدا ہونا بدترین چیز ہے۔ کیونکہ یہ جدائی اور دوری علت وسبب سے خالی نہیں۔

حضور خواجہ غریب نواز کی اس نصیحت سے اس زمانہ کے وہ پیر اور سجادگان عبرت حاصل کریں، جو ایک دوسرے کو دیکھنا پسند نہیں کرتے ہیں۔ اور اپنے مریدوں کے سامنے ایک دوسرے کی برائی اور عیب جوئی میں مشغول رہتے ہیں۔ اور پیری مریدی کو آپس میں فرقوں کی طرح بانٹ دیا ہے۔ یہ فقیری ہے یا بادشاہی؟ سچ فرمایا شیخ سعدی نے:

دہ درویش در گلیمے بخسپند   و دو پادشاہ در اقلیمے نگنجند

دس فقیر ایک گدڑی میں سو سکتے ہیں لیکن دو بادشاہ ایک ملک میں نہیں سما سکتے۔

خدا کے قرب کا ذریعہ

آپ نے فرمایا: لوگ اللہ تعالیٰ کا تقرب اسی وقت حاصل کر سکتے ہیں، جب مکمل فرمانبرداری یعنی مکمل خشوع وخضوع اور حضورِ قلب کے ساتھ نماز ادا کریں۔ کیونکہ مومن کی معراج یہی نماز ہے۔ (اخبار الاخیار)

جیسا کہ اللہ پاک کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ نماز مومنوں کی معراج ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے: بندہ سجدہ کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

نماز کو اہم الفرائض اور افضل عبادت کہا گیا ہے اس لئے بندہ کو اللہ تعالیٰ کا قرب نماز ہی میں تلاش کرنا چاہئے۔

حضرت امام غزالی کی وصیتیں اور نصیحتیں

زین الدین حجۃ الاسلام سیدنا امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی رضی اللہ عنہ (ولادت: ۴۵۰ھ۔ وصال: ۵۰۵ھ) کی یوں تو پوری زندگی قوم وملت کو پند ونصائح کرتے گزری، لیکن زندگی کے آخری انیس بیس سال دنیا کے تمام مناصب، عہدوں، اور مرتبوں سے کنارہ کشی کر کے گوشہ نشینی کی جو زندگی گزاری اس میں عبادت وریاضت کے بعد قوم کے فرزندوں کو نصیحت ووصیت کرتے ہی گزری۔ جس کی شہادت و گواہی، حقائق ومعارف اور شریعت وطریقت کے

دقائق ولطائف پر مشتمل آپ کی عارفانہ تصنیفات دے رہی ہیں۔علم الاخلاق اور تصوف ومعرفت پرویسے تو آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں،لیکن ان میں ''اِحیَاء العلوم، کیمیائے سعادت،منہاج العابدین اور مُکاشفۃ القلوب'' ایسی کتابیں ہیں،جن کو عوام وخواص سبھی جانتے ہیں۔یہ کتابیں آپ کے پند ونصائح، شریعت وطریقت اور معرفت وحقیقت کی عارفانہ وصیتوں اور نصیحتوں پر مشتمل ہیں۔اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً آپ نے اپنے عقیدتمندوں اور شاگردوں کو اور بھی وصیتیں فرمائیں۔اُنہیں عارفانہ اور صوفیانہ وصیتوں میں سے چند مخصوص وصیتیں ہم اس کتابچہ میں درج کررہے ہیں۔

حسرت وندامت

آپ نے اپنے ایک شاگرد کے مطالبہ پر ''ایہا الولد'' کے عنوان سے چند وصیتیں فرمائیں۔ان میں سب سے پہلی وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اے صاحبزادے! اللہ پاک کے حبیب ﷺ نے اپنی امت کو جو وصیتیں اور نصیحتیں فرمائیں ہیں،ان میں سے ہے کہ:

(۱) ''بندہ جب لایعنی اور فضول باتوں میں مشغول ہوتا ہے،تو اللہ تعالیٰ اس بندہ سے اپنی نظر رحمت پھیر لیتا ہے۔''

(۲) اگر انسان کی زندگی کا ایک لمحہ زندگی کے مقصد (معرفت وبندگی،جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا ہے) سے ہٹ کر گزر گیا،تو جان لو اس کی حسرت و ندامت طویل ہوجائے گی۔

(۳) جس کی زندگی چالیس یا اس سے آگے گزر گئی اس کے باوجود اس کی

نیکیاں اس کی برائیوں پر غالب نہ آئیں،تو اس کو چاہئے کہ اپنے آپ کو جہنم کے لئے تیار کرلے۔اللہ تعالیٰ کی پناہ! (اَیُّهَا الْوَلَد)

آپ کی اس وصیت ونصیحت سے وہ حضرات عبرت حاصل کریں، جو رات دن فضول ولغو، سیاسی شگوفوں اور موبائل وانٹرنیٹ پر اپنی زندگی کے قیمتی لمحات برباد کررہے ہیں۔معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنی نظرِ رحمت پھیر لی ہے۔اور وہ لوگ بھی خاص طور سے عبرت حاصل کریں،جن کی عمر عزیز کی پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ بہاریں گزر چکی ہیں اور ابھی ان کے گناہوں پر نیکیاں غالب نہیں آئیں۔(الامان والحفیظ)

اجر وثواب اخلاصِ عمل سے ہی ہے

سیدنا امام غزالی رضی اللہ عنہ ایک جگہ وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مَالَمْ تَعْمَلْ لَمْ تَجِدِ الْاَجْرَ

جب تک (اخلاص کے ساتھ) عمل نہیں کروگے،ثواب نہیں پاؤگے۔

بنی اسرائیل میں ایک شخص نے ستر برس اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی، اللہ تعالیٰ نے اس کا مقام ومرتبہ فرشتوں پر ظاہر فرمانا چاہا تو اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجا اور فرمایا: اسے بتادو کہ وہ اپنی اس عبادتِ عظیم کے باوجود جنت کا مستحق نہیں ہے۔اس بندۂ مخلص کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے عرض کی: ہمیں عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے ہمیں عبادت سے کام ہے۔جب فرشتہ واپس ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندہ نے کیا کہا؟ فرشتہ نے عرض کی: اے میرے معبود! تو خوب جانتا ہے اس نے کیا کہا۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جب وہ بندہ

ہو کر میری عبادت سے منہ نہیں پھیرتا، تو میں کریم معبود ہو کر اس سے اپنی رحمت نہیں پھیرونگا۔ فرشتو! تم گواہ ہو جاؤ میں نے اسے بخش دیا۔

آپ کی اس وصیت اور حکایت سے وہ لوگ عبرت حاصل کریں، جو بلا نیکی اور اعمال صالحہ کے بخشش ونجات کے امیدوار ہیں۔ اور وہ لوگ بھی خاص طور سے نصیحت حاصل کریں، جن کے اعمال اخلاص کی دولت سے خالی ہیں۔

تقویٰ کی اہمیت

منہاج العابدین۔ جو آپ کی بہت سی کتابوں کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ میں ایک مقام پر تقویٰ کی اہمیت اور حقیقت بیان کرتے ہوئے آپ نے عبادت کے طلبگاروں کو نفس امارہ کی شرارتوں اور اس کی نقصان دہ آفتوں سے آگاہ فرمایا اور یہ بتایا ہے کہ یہ نفس امارہ۔ اللہ تعالیٰ اس کی شرارتوں سے محفوظ رکھے۔ کتنا نقصان دہ دشمن ہے؟ اس کی بیماری کتنی خطرناک بیماری ہے؟ اس کا علاج کس قدر مشکل امر ہے؟ اس کی دوا سب دواؤں سے زیادہ سخت اور دشوار ہے۔ کیونکہ یہ انسان کے اپنے گھر کا چور ہے اور کہاوت ہے: ''گھر بھیدی لنکا ڈھائے۔'' سب جانتے ہیں جب چور گھر میں چھپا ہو تو اس سے محفوظ رہنا اور بچنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اس پر آپ نے ایک لمبی تقریر فرمائی اور آخر میں یہی کہا: نفس کا علاج بہت مشکل ہے۔

اور یہ بھی بیان فرمایا: اس نفس (کے گھوڑے) کو تقویٰ اور پرہیز گاری کی لگام لگا دو کیونکہ یہی نفس بندہ کی سواری ہے اور اسی سواری پر دنیا کا سفر طے کرنا ہے۔ اس لئے اسے تقویٰ کی لگام لگا کر نیکیوں کا سرمایہ اور آخرت کا زاد راہ حاصل کرو اور گناہوں کے وقت اس کی لگام کھینچے رہو اور اپنا سفر جاری رکھ کر فائدہ

حاصل کرو۔

اس باب میں امام غزالی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: اے عزیز! پہلے تو تم یہ جان لو کہ تقویٰ بہت ہی نادر و نایاب خزانہ ہے۔ اگر تم نے اس خزانہ کو پا لیا تو تم بیشمار قیمتی ہیرے جواہرات، خیر کثیر، رزق کریم، ملک عظیم اور جنت کے مالک بن جاؤ گے۔ یوں سمجھو کہ دنیا و آخرت کی بھلائیاں تقویٰ میں جمع کر دی گئیں۔

تقوی اللہ اور کلام اللہ

سیدنا امام غزالی رضی اللہ عنہ تقویٰ کی تعریف اور اس کی حقیقت بیان کرنے سے پہلے فرماتے ہیں:

اے عزیز! اگر تم قرآن عظیم میں غور و فکر کرو گے، تو قرآن عظیم تمہیں بتائے گا کہ تم تقویٰ اختیار کر کے ہر قسم کی خیر و برکت کے مالک بن جاؤ گے۔ کیونکہ کلام اللہ میں کہیں فرمایا گیا: تقویٰ ہر سعادت و نیک بختی کا ذریعہ ہے۔ کہیں تقویٰ اختیار کرنے پر اجر و ثواب کے وعدے فرمائے گئے۔ کہیں تقویٰ کو ہمت والوں کا کام بتایا گیا۔ کہیں تقویٰ والوں کو دشمنوں سے محفوظ رہنے کی خبر دی گئی۔ کہیں اعلان کیا گیا: خدا متقی اور پرہیز گار لوگوں کے ہی ساتھ ہے۔ کہیں بتایا گیا: اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کا والی و مددگار ہے۔ کہیں بتایا گیا: جو اللہ تعالیٰ سے خوف وخشیت رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ہر قسم کے گناہ اور پریشانی سے بچا کر وہاں سے روزی مہیا کرتا ہے جہاں بندہ کا وہم و گمان بھی نہیں پہنچتا۔ کہیں فرمایا گیا: اللہ تعالیٰ متقیوں ہی سے محبت فرماتا ہے۔ کہیں فرمایا گیا: اللہ تعالیٰ کے یہاں متقی لوگوں کے ہی اعمال مقبول ہوں گے۔ کہیں فرمایا گیا: اللہ تعالیٰ کے یہاں تم میں عزت و

احترام کا مستحق وہی ہے، جو تم میں متقی و پرہیز گار ہے۔

غرضیکہ امام غزالی نے اپنی کتاب ''منہاج العابدین'' میں قرآن کریم کی بارہ آیات مبارکہ ذکر فرما کر تقویٰ کے فوائد اور اس کی ضرورت کو بیان فرمایا ہے۔
اور میں پیچھے بیان کر کے آیا ہوں کہ اللہ پاک مولیٰ کریم نے اپنی کتاب کریم میں ایک سو پچاس سے زیادہ مقامات پر صراحۃً و کنایۃً تقویٰ کا ذکر فرما کر اس کی اہمیت اور اس کی ضرورت کو بیان فرمایا ہے۔

تقوے کے تین فائدے

آگے فرماتے ہیں: اے عزیز! تو تقویٰ کی راہ اختیار کر اور جہاں تک ہو سکے تقویٰ کی دولت حاصل کر، کیونکہ تقویٰ کے بیشمار فائدوں میں سے تین فائدے ایسے ہیں جن کا تعلق خاص عبادت سے ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبادت کی توفیق تقویٰ کی بدولت ہی ملتی ہے۔

(۲) اعمال کی اصلاح و درستگی اور ہماری عبادت کی خامیوں کا تدارک و بھرپائی بھی تقویٰ کی بدولت ہوتی ہے۔

(۳) عبادات و اعمال کی مقبولیت کا مژدہ و خوشخبری بھی تقویٰ والوں ہی کو دی گئی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ

اور فرماتے ہیں: عبادت کا دار و مدار بھی تین چیزوں پر ہے۔

(۱) عبادت کی توفیق کہ مولیٰ کی توفیق کے بغیر بندہ عبادت نہیں کر سکتا۔

(۲) اس عبادت کی کوتاہیوں کی بھرپائی۔

(۳) عبادت اور اعمال کی قبولیت

یہ وہ تین عظیم چیزیں ہیں جن کو اللہ والے اللہ تعالیٰ سے رو رو کر مانگتے اور ان کے لئے دعائیں کرتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے بلا مطالبہ اور بلا مانگے تقویٰ والوں سے ان تین چیزوں کا وعدہ فرمایا ہے۔

امام غزالی رضی اللہ عنہ تقویٰ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اے عزیز! ایک نکتہ پر اور غور کر جو تمام اصول و بنیادوں کی جڑ ہے، وہ یہ کہ کسی بزرگ نے اپنے شیخ کی خدمت میں عرض کی: (حضور!) مجھے کوئی وصیت و نصیحت کر دیجئے۔ مرشد نے فرمایا: میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی وہ وصیت کرتا ہوں جو اس مولیٰ کریم نے تمام اولین و آخرین کو کی ہے۔ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ۔ آیت مبارکہ کا ترجمہ و توضیح خطبہ میں گزر چکی ہے۔

انسان اپنی اولاد کو پہلے اس چیز کی وصیت کرتا ہے جس چیز میں اس کا فائدہ زیادہ ہو یا جس میں مضبوط، دیرپا اور ابدی سعادتیں ہوں۔ جیسے حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو سب سے پہلے شرک سے بچنے کی وصیت کی۔ جس کا ذکر اللہ پاک نے سورۂ لقمان میں ان کلمات سے کیا ہے (لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ)

حدیث میں آیا ہے: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ماں باپ کی محبت سے ہزاروں گنا زیادہ محبت فرماتا ہے۔

اس لئے اس مولیٰ کریم نے بھی اپنے بندوں کو سب سے پہلے ایسی چیز کی وصیت فرمائی جس میں ان کا سب سے زیادہ دیرپا فائدہ، ابدی سعادتیں اور دین و دنیا کی بھلائیاں ہیں۔

تقویٰ دین و دنیا کی بھلائیوں کا جامع ہے

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ یہ آیت مبارکہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

بندوں کی خیر اور بھلائی کا علم اللہ تعالیٰ کی سوا اور کسے ہوسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا سب سے زیادہ خیر خواہ، ان پر سب سے زیادہ رحم فرمانے والا اور ان پر سب سے زیادہ مہربان ہے تو دنیا میں تقویٰ و پرہیزگاری کے علاوہ اگر کسی اور چیز میں بندوں کی بھلائی اور زیادہ فائدہ یا اس کا ثواب زیادہ ہوتا یا عبادت میں اس کی ضرورت زیادہ ہوتی، غرضیکہ دنیا و آخرت میں تقویٰ سے اوپر اگر کوئی اور چیز ہوتی تو مولیٰ کریم اپنے بندوں کو اسی کی وصیت اور اسی کا حکم تاکیدی فرماتا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اور اس کی حکمت مکمل اور اس کی رحمت وسیع تر ہے۔ تو جب اس اعلم العلمین اور ارحم الراحمین مولیٰ کریم نے تقویٰ کی وصیت فرمائی اور تمام اولین و آخرین کو اس کا حکم دیا تو اس سے ثابت ہو گیا کہ (بندوں کے لئے) تقویٰ ہی سب سے اعلیٰ چیز ہے اسی میں دین و دنیا کی بھلائیاں جمع ہیں اور یہی اصل مقصود ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ تقویٰ عبادت و بندگی کی قبولیت کا ضامن ہے۔ یہ ایک ایسی جڑ اور بنیاد ہے کہ اس کے اوپر کوئی اصل نہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ نے نور اور ہدایت کی توفیق بخشی ہے یہ اس کے لئے کافی ہے اور اسے اس پر عمل کرنا چاہئے۔

تقویٰ کی تعریف اور اس کی حقیقت

سیدنا امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تقویٰ کی ماہیت، فوائد، حقیقت اور اس کے لغوی معنیٰ وغیرہ بیان کرتے ہوئے کافی لمبی بحث کی ہے۔ اس تفصیل کو نہ

بیان کر کے ہم اپنے دینی بھائیوں کے لئے تقویٰ سے متعلق اس کی چند باتیں اس رسالہ میں عرض کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں تقویٰ کا اطلاق و استعمال تین چیزوں پر ہوا ہے:

(۱) خوف خدا اور ہیبت خداوندی پر: جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ (پ:۱-البقرۃ) ترجمہ: اور مجھ سے ہی ڈرو۔

(۲) طاعت و بندگی کے معنیٰ میں: جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (پ:۴-آلِ عمران:۱۰۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

یہاں تقویٰ سے مراد عبادت و بندگی ہے۔ جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: اَطِيْعُوا اللّٰهَ حَقَّ اِطَاعَتِهٖ (اللہ پاک کی ایسی اطاعت کرو جیسی کرنا چاہئے۔) اور امام مجاہد حق تقٰتہ کا معنیٰ یوں بیان کرتے ہیں: اس کی ایسی اطاعت کی جائے، جس میں نافرمانی نہ ہو، اس کو ایسے یاد کیا جائے جس میں نسیان نہ ہو، (یہی مقامِ مراقبہ ہے) اور اس کا اس طرح شکر ادا کیا جائے، جس میں ناشکری نہ ہو۔

(۳) دل کو گناہوں سے بچانا یا دور رکھنا: یہی تقویٰ کا اصلی معنی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اسی کی وصیت کی ہے۔ یہی تقویٰ اختیار کرنے سے عبادت کی توفیق ملتی ہے، اسی تقویٰ کو اپنانے سے اعمال کی اصلاح ہوتی ہے، یہی تقویٰ اختیار کرنے سے اعمال قبولیت کے لائق ہو جاتے ہیں۔ تقوے کے ان تینوں معنوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی ایک آیت میں یوں بیان فرمایا ہے:

مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَخْشَ اللّٰهَ وَ يَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

الْفَآئِزُوْنَ۔

ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور گناہوں سے بچتے ہیں، تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔

اس آیت میں تینوں چیزوں کا ذکر ہوا۔ پہلے طاعت کا، پھر خوف وڈر کا، پھر تقویٰ کا۔ اس سے پتہ لگا تقویٰ، طاعت و بندگی اور خوف وخشیت کے علاوہ کسی تیسری چیز کا نام ہے۔ وہی تیسری چیز ہے: تَنْزِیْہُ الْقَلْبِ مِنَ الذُّنُوْب (دل کو گناہوں سے دور رکھنا۔)

تقویٰ کے درجات

قرآن کریم کی تفاسیر جلالین، صاوی، روح البیان اور روح المعانی وغیرہ کے مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے کہ تقوے کے تین درجات ہیں۔ سیدنا امام غزالی بھی تقویٰ کے تین درجات بیان فرماتے ہیں:

(۱) شرک سے تقویٰ یعنی شرک سے بچنا۔

(۲) بدعت سے تقویٰ یعنی بدعت سے بچنا اور دور رہنا۔

(۳) معصیت سے تقویٰ یعنی گناہ سے بچنا۔

پھر آگے چل کر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تقویٰ کی تعریف اور اس کا معنیٰ ایک عام فہم مثال کے ساتھ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ ہر عام وخاص اس کو سمجھ لے اور اس پر عمل کرنا شروع کردے۔ فرماتے ہیں:

تقویٰ کی تعریف: ''تقویٰ نام ہے، ہر اس چیز اور ہر اس کام سے بچنے کا جس سے دین کو نقصان پہنچنے کا خوف واندیشہ ہو۔''

مثال: تمہیں معلوم ہے! بخار میں مبتلا شخص جب ہر اس چیز سے بچے جو اس کی صحت کے لئے مضر اور نقصان دہ ہو، تبھی اسے پرہیز کرنے والا کہیں گے۔ اسی طرح دین میں بھی جب انسان ہر خلافِ شرع کام سے بچے گا تبھی وہ متقی اور پرہیزگار کہلانے کا حقدار ہوگا۔

دین کو نقصان پہنچانے والی چیزیں

دین کو نقصان پہنچانے والی بہت سی چیزیں علما نے بیان فرمائی ہیں، ان میں شرک۔ جو اکبرِ کبائر ہے۔ بدعت سیئہ۔ جس کا درجہ کفروشرک کے بعد ہے۔ اور حرام وغیرہ چھوٹے بڑے گناہ۔ جس درجہ کا گناہ اس درجہ کا نقصان۔

لیکن امام غزالی ان میں سے دو چیزیں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وہ چیزیں جن سے دین کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، دو طرح کی ہیں:

(۱) حرام ومعصیت (۲) وہ حلال جس کا استعمال ضرورت سے زائد ہو۔

آگے فرماتے ہیں: کیونکہ ضرورت سے زائد حلال چیزوں کا استعمال رفتہ رفتہ گناہ وحرام میں مبتلا ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ انسان جب حلال چیزیں ضرورت سے زیادہ استعمال کرتا ہے، تو نفس ان کا عادی ہوجاتا ہے، اور اس کا حرص، شہوت، خواہش اور سرکشی زور پکڑ لیتی ہے۔ پھر وہ گناہ سے بچنا چاہتا ہے، لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی مبتلائے گناہ ہوجاتا ہے۔ تو جو شخص اپنے دین کو مکمل طور پر بچانا چاہتا ہو، اسے چاہئے کہ حرام سے اجتناب کے ساتھ ضرورت سے زائد حلال چیزوں کے استعمال سے بھی بچے۔ تاکہ ضرورت سے زائد حلال چیزوں کی عادت اسے حرام تک نہ پہنچائے۔

اسی نکتہ کو بیان کرنے کیلئے اللہ پاک کے حبیب ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(متقی لوگ) ضرورت سے زائد حلال چیزوں سے بھی بچتے ہیں، اس خوف واندیشہ سے کہ کہیں حرام میں نہ پڑ جائیں۔

اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ تقویٰ جس کی وصیت اللہ تعالیٰ نے فرمائی، نبی پاک ﷺ نے فرمائی، تمام پیغمبروں نے فرمائی، ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، مولیٰ علی نے فرمائی، دیگر صحابہ، تابعین، ائمۂ دین، اولیائے کاملین اپنے اپنے زمانہ میں کرتے چلے آئے اور آج بھی خطبا وائمہ جمعہ کے دن خطبہ میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کے سامنے اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی ﷺ کی وصیت: (اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ) سے دہراتے اور یاد دلاتے ہیں، وہ ہے "دین میں نقصان پہنچانے والی چیز سے بچنا۔" تبھی بندہ متقی بنے گا اور تبھی فضل مولیٰ سے اس کے دین ودنیا کے سب کام بنیں گے۔

حضرت حکیم لقمان کی وصیتیں

اب ہم اس رسالہ میں حضرت لقمان رضی اللہ عنہ کی وصیتیں اور نصیحتیں ذکر کرتے ہیں۔ نیچے ذکر کردہ وصیتیں وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ لقمان (پارہ:۲۱) کی آٹھ آیات مبارکہ میں ذکر فرما کر رہتی دنیا تک لوگوں کی شخصی، خانگی (گھریلو)، معاشرتی، دینی اصلاح وتربیت اور سماجی فلاح وبہبود کے لئے ثبت اور قائم فرما دیا۔ خصوصاً انسان اپنی اولاد کی تربیت کیسے کرے؟ اور سب سے پہلے اپنی اولاد کو کن چیزوں کی وصیت ونصیحت کرے؟

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کلامِ مقدس میں ارشاد فرماتا ہے:

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ وَ مَنْ یَّشْكُرْ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ * وَ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَ هُوَ یَعِظُهٗ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ * وَ وَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیْكَ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ * وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤی اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا وَّ اتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ * (پارہ:۲۱-سورۂ لقمان-آیت:۱۵-۱۲)

ترجمہ: اور بیشک ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی کہ اللہ کا شکر کر، اور جو شکر کرے وہ اپنے بھلے کو شکر کرتا ہے، اور جو ناشکری کرے تو بیشک اللہ بے پرواہ ہے سب خوبیاں سراہا۔ اور یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا اور وہ اسے نصیحت کرتا تھا۔ اے میرے بیٹے اللہ کا کسی کو شریک نہ کرنا، بیشک شرک بڑا ظلم ہے۔ اور ہم نے آدمی کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید فرمائی۔ اس کی ماں نے اسے پیٹ میں رکھا کمزوری پر کمزوری جھیلتے ہوئے۔ اور اس کا دودھ چھوٹنا دو برس میں ہے، یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا۔ آخر (تجھے) مجھ تک ہی آنا ہے، اور اگر وہ دونوں تجھ سے کوشش کریں کہ میرا شریک ٹھہرائے ایسی چیز کو جس کا تجھے علم نہیں، تو ان کا کہنا نہ مان۔ اور دنیا میں اچھی طرح ان کا ساتھ دے۔ اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا۔ پھر میری ہی طرف تمہیں پھر آنا ہے، تو میں بتادوں گا جو تم کرتے تھے۔ (اور بتائے گا وہی جو دیکھے گا۔ آخری جملہ کس قدر تہدید آمیز ہے کہ وہ ہماری ہر کرنی دیکھ رہا ہے، اور قیامت

میں اس کا بدلہ دیدے گا۔)

حکیم لقمان کون تھے؟ اور کیا تھے؟

حکیم لقمان بنی اسرائیل کے اولیائے صالحین میں سے تھے۔ قریب ایک ہزار برس زندگی پائی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا اور ان سے بھی علمی استفادہ کیا اور ان کے علاوہ تقریباً ایک ہزار پیغمبروں سے علمی استفادہ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک ہزار پیغمبروں نے ان سے حکمت کی باتیں سیکھیں۔ حضرت حکیم لقمان حکمتِ طب اور حکمتِ حقیقیہ کے حکیم تھے۔ وہ حکمت حقیقیہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ (پ:۳-البقرۃ:۲۶۹)

ترجمہ: (اپنے بندوں میں) جسے چاہتا ہے اسے علم وحکمت اور حقائق شناسی عطا کرتا ہے۔ اور جسے حکمت وحقائق شناسی ملی، اسے خیر کثیر ملی۔

اِسی حکمتِ الہامی وعطائی کے حکیم تھے حکیم لقمان۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ۔ (پارہ:۲۱-لقمان:۱۲)

ترجمہ: اور بیشک ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی۔

وہ اُن معقولاتی، فلسفی، سائنسی اور منطقی چٹکلوں کے حکیم نہیں تھے جن کو حُکَمَا حکمت کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ حکمت تو محنت وریاضت سے مؤمن اور غیر مؤمن سب کو مل جاتی ہے، اور یہ حکمت ریاضیہ ظن اور شک سے خالی نہیں ہوتی ہے۔ اسی لئے ان حکما کا آپس میں اختلاف بھی ہو جاتا ہے۔ وہ ایک ہی چیز کے بارے میں آج

کچھ کہتے ہیں کل کچھ۔ اس لئے ان کے عقائد ودلائل سب مختلف ہوتے ہیں جبکہ حکیم لقمان اس حکمت کے مالک تھے، جس کے بارے میں صاحبِ جوامعُ الکَلِم، حامل وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے چالیس شب وروز اپنے عمل میں اللہ پاک کے لئے اخلاص کیا، تو اس کے قلب سے اس کی زبان پر علم وحکمت کے چشمے پھوٹنے لگتے ہیں۔

آپ کو معارف وحقائق کی حکمت کیسے ملی؟

کہا جاتا ہے: حضرت لقمان ایک دن ایک بڑے مجمع میں لوگوں کو علم و حکمت پر مشتمل وعظ ونصیحت کر رہے تھے۔ اتنے میں اُدھر سے بنی اسرائیل کا ایک سردار نکلا۔ اس نے پوچھا: یہ مجمع کیسا ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ بھیڑ حکیم لقمان کا وعظ اور پند ونصیحت سننے کے لئے اکھٹی ہوئی ہے۔ تو وہ ان کی طرف آیا، جب اس نے آپ کو دیکھا تو بولا: کیا تم وہ حبشی غلام نہیں، جو فلاں علاقہ میں بکریاں چرایا کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا: ہاں میں وہی سیاہ فام غلام ہوں۔ اس نے کہا: ہم آپ کا جو یہ مرتبہ دیکھ رہے ہیں، یہ آپ کو کیسے ملا؟ آپ نے فرمایا: عمل اور بات کی سچائی، امانت کی ادائیگی اور فضول ولایعنی (جن کاموں یا باتوں کا دین ودنیا میں کوئی فائدہ نہیں، ان) کے ترک (چھوڑنے) سے۔

آپ کی حکمت کا آغاز کیسے ہوا؟

کہا جاتا ہے: آپ کے حکمت بھرے کلام اور معارف وحقائق کا آغاز اس طور پر ہوا۔ آپ ایک دن اپنے مالک کے ساتھ تھے۔ مالک بیت الخلا گیا۔ اس

نے قضائے حاجت میں بہت دیر لگائی۔ تو آپ نے پکارا اور فرمایا: بیت الخلا میں بہت دیر تک بیٹھنے سے جگر کو نقصان پہنچتا ہے، ناسور پیدا ہوتا ہے اور حرارت وگرمی سر کی طرف چڑھتی ہے۔ بیت الخلا جلدی جاؤ اور فارغ ہو کر جلدی نکلو۔ (یعنی پیشاب، پاخانہ روکنا بھی نہیں چاہئے، جیسے ہی حاجت ہو فوراً جانا چاہئے اور بیت الخلا میں بہت دیر بیٹھنا بھی نہیں چاہئے۔) پھر آپ نے اس حکمت بھرے فارمولے کو بیت الخلا کی دیوار پر لکھ دیا۔

جسم کے سب سے بہتر اور سب سے بدتر اجزا (حکایت)

آپ کے ابتدائی دور۔ جب آپ اپنے مالک کی بکریاں چراتے تھے۔ کے حکیمانہ کلاموں میں سے ایک عارفانہ حکایت ہے۔

ایک دن آپ کے مالک نے آپ کے علم وعقل اور حکمت کا امتحان لیتے ہوئے کہا: ایک بکری ذبح کر کے اس کے جسم کے سب سے پاکیزہ اور اچھے دو حصے میرے پاس لاؤ۔ تو آپ نے بکری ذبح کی اور اس کا دل اور زبان مالک کی خدمت میں لے کر آ گئے۔ پھر دوبارہ اس نے ایک دن کہا: جانوروں میں جو سب سے بدترین اور خبیث حصے ہیں وہ لے کر آؤ۔ آپ پھر دل اور زبان لے کر آ گئے۔ مالک نے حکیم لقمان سے پوچھا: جب ہم نے سب سے پاکیزہ عضو منگوایا، تب بھی آپ دل اور زبان لے کر آئے اور جب سب سے خبیث اور بدتر جز منگوایا، تب بھی آپ دل اور زبان لے کر آئے، اس کا کیا سبب ہے؟ حکیم لقمان نے جواب دیا: انسان کے جسم میں دل اور زبان یہ دو ایسے عضو ہیں، اگر یہ درست اور پاکیزہ رہیں تو سارے اعضا میں ان سے بہتر کوئی اور عضو نہیں۔ اور

اگر یہ دونوں بگڑ جائیں تو ان دونوں سے خبیث اور بدتر کوئی عضو نہیں۔ مالک نے جب آپ کی یہ حکمت بھری بات سنی تو آپ کو آزاد کر دیا۔ (روح البیان)

علما فرماتے ہیں: انسان کے تمام اعضا میں تقریباً آٹھ اعضا خدائی احکام کے مکلف ہیں۔ لیکن ان آٹھ میں اصلاح وتربیت اور حفاظت کا حکم سب سے زیادہ دل، زبان اور آنکھ کے بارے میں دیا گیا ہے۔

بلکہ کہا گیا ہے: دل، زبان اور آنکھ یہ ایسے اعضا ہیں، کہ جب تک بندہ اپنے کریم مولی سے گڑگڑا کر ان کی اصلاح کی دعا نہ کرے، اس وقت تک یہ اصلاح پذیر اور راہ راست پر نہیں آتے ہیں۔ اسی لئے حدیثوں میں دل، زبان اور آنکھ کے خطرات سے بار بار ہوشیار کیا گیا ہے۔

سیدنا اما غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اخلاق وتصوف پر مشتمل اپنی کتابوں میں ان کی آفتوں، بیماریوں اور ان سے حفاظت ونجات اور ان کے علاج کے بارے میں بڑے بڑے باب باندھے ہیں۔ جو لوگ اپنے دل، اپنی زبان، اپنی آنکھ، اپنے نفس، اپنے پیٹ اور اپنی شرمگاہ وغیرہ کی حفاظت کے طلبگار ہیں وہ امام غزالی کی تصانیف (احیاء العلوم، منہاج العابدین وغیرہ) کی طرف رجوع کریں اور دل وجان سے ان کا مطالعہ کریں۔

چار ہزار پیغمبروں کی خدمت

بعض کتابوں میں مذکور ہے، حکیم لقمان فرماتے ہیں:

میں نے چار ہزار پیغمبروں کی خدمت کی اور ان سے علم وحکمت کی باتیں سیکھیں۔ ان چار ہزار انبیا کے بیشمار معارف وحقائق میں نے اپنے سینے میں جمع

کئے۔ ان میں سے میں نے یہ بہت اہم آٹھ باتیں منتخب کیں ہیں۔ (اے عزیز! اب میں تجھے ان کی وصیت کرتا ہوں۔)

(۱) جب تو نماز پڑھے، تو اپنے دل کی حفاظت کر۔ یعنی نماز میں حضورِ قلب اور خشوع وخضوع پیدا کر۔ (۲) جب تو کھانے بیٹھے، تو اپنی حلق کی حفاظت کر۔ یعنی حساب سے کھا۔ (۳) جب تو کسی دوسرے کے گھر میں ہو، تو اپنی نظر کی حفاظت کر۔ یعنی ادھر اُدھر تانک جھانک مت کر۔ (۴) جب تو مجلس اور لوگوں کے بیچ ہو، تو اپنی زبان کی حفاظت کر۔ یعنی کم بول اور سوچ سمجھ کر بول۔

اور فرمایا: دو چیزیں یاد رکھنے کی ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ (۲) موت

اور دو چیزیں بھول جانے کی ہیں:

(۱) اگر تو نے کسی کے ساتھ بھلائی کی ہے تو اسے بھول جا۔

(۲) اگر تیرے ساتھ کسی نے برائی کی ہے تو اسے بھول جا۔ (روح البیان)

کہا جاتا ہے اسی طرح کے علم وحکمت اور حقائق ومعارف پر مشتمل تقریباً دس ہزار پند ہائے عظیمہ اور عارفانہ نصیحتیں اور وصیتیں آپ سے مروی ومنقول ہیں۔ جن میں سے تقریباً سو نصیحتیں اور وصیتیں صد پند کے نام سے آج کل کے مدرسوں میں ابتدائی جماعت میں پڑھائی جانے والی کتاب (پہلی فارسی) میں مذکور ہیں۔ مگر افسوس! بچے تو بچے (کہ وہ تو ان کو بچکانہ انداز میں پڑھتے ہیں) خود مدرس ومعلم بھی ان کو بچکانہ انداز میں پڑھا کر چھٹی کرتے ہیں۔ ان میں سے دس پر بھی معلم ومدرس عامل نہیں ملیں گے۔

امام غزالی کی نصیحت

آج کل کے مفکرین اور پی ایچ ڈی ڈاکٹریٹ کی بڑی بڑی یونیورسٹیز سے تحقیق وتدقیق کی اعلی ڈگریاں لینے والے ذرا غور سے پڑھیں امام غزالی کی اس نصیحت کو۔ آپ فرماتے ہیں:

جس نے تمام اَشیا کو ان کے حقائق سے جان لیا لیکن اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں کی وہ شریعت میں اس بات کا مستحق نہیں کہ اسے حکیم کہا جائے۔ کیونکہ اس نے سب سے جلیل، سب سے اعلیٰ، سب سے افضل اور عظمت والی ذات کو نہیں پہچانا۔ اور اسی سب سے افضل اور اعلیٰ علم کو جاننے کا نام ہے ''حکمت''۔ اور علم کی جلالت اور قدر ومنزلت معلوم کی جلالت اور قدر ومنزلت کے اعتبار سے ہے۔ جب معلوم جلیل وعظیم ہے تو اس کا علم بھی جلیل اور عظیم ہوگا۔ اور جب معلوم جلیل اور عظیم نہیں تو اس کا جاننے والا عظیم وجلیل اور بڑا کیسے ہوسکتا ہے؟ اب معلومات میں کوئی بھی اللہ پاک کی ذات وصفات اور اس کے کلام سے جلیل وعظیم اور بڑا نہیں تو اس کا جاننے والا اور عارف بھی ایسا ہے کہ اس سے کوئی عظیم اور بڑا نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو خدا کا عارف ہے وہی عظیم ہے۔ اگرچہ وہ ان رسمی اور سماجی علوم میں ضعیف وکمزور اور تقریر وبیان میں قاصر یا تتلا یا گونگا ہی کیوں نہ ہو۔ (روح البیان)

امام غزالی کے اس بیان سے ہمارے وہ علما عبرت ونصیحت پکڑیں، جو کتاب وسنت کے عالم بھی ہیں اور عامل بھی۔ کہ وہ حضرات آج کل کے اسکولوں وکالجوں اور یونیورسٹیوں سے ماسٹر یا پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے والوں

کے سامنے احساس کمتری کا شکار ہو کر ان سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔ ؎

تیرے دامن میں ہے کس لعل و جواہر کی کمی

جس نے اپنی قدر خود نہ جانی زمانہ اس کی قدر کیوں کرے؟ مال گاہک کی نظر سے بعد میں گرتا ہے، پہلے دکاندار کی نظر سے گرتا ہے۔ آج اہلِ مدارس کو ماڈرن طبقہ نے ہلکا کیوں سمجھا؟ غور کرنے کی ضرورت ہے، کہیں ہم اپنا تقدس تو نہیں کھو بیٹھے؟ ؎ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

یقیناً پہلے کتاب وسنت کے علومِ جلیلہ اور ان کے معارف وحقائق ہماری نظروں سے گرے۔ تبھی اہل علم دوسروں کی نظروں میں ہلکے ہوئے۔ ؎

حکمت کی قسمیں

جس حکمت کے جاننے والے کو حقیقت میں حکیم کہا گیا ہے، اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) حکمتِ قرآن: قرآن کریم کے حقائق ومعارف کی معرفت

(۲) حکمتِ ایمان: اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت

(۳) حکمتِ برہان: اللہ تعالیٰ کے افعال اور اس کی صنعت وکاریگری کے لطائف اور باریکیوں کا ادراک۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں زمین وآسمان، رات دن اور چاند سورج وغیرہ کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ۔ (پارہ: ۴۔آل عمران: ۱۹۰)

عقل والوں کے لئے (ان تمام چیزوں کی تخلیق اور الٹ پلٹ میں اللہ تعالیٰ کی معرفت کی) بے شمار نشانیاں ہیں۔

اِلہام اور وسوسے میں فرق

حضرت لقمان جس حکمت کے حکیم تھے، اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایک (غیبی) نور ہے جو الہام اور وسوسہ کے درمیان فرق کرتا ہے۔ یعنی وسوسہ شیطان کی طرف سے اور الہام اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِلقا ہوتا ہے۔ اور بندے کے دل میں یہ نور پیٹ کو خالی رکھنے، زمانہ کو عبرت کی نظر سے دیکھنے اور متفکر رہنے سے پیدا ہوتا ہے۔ یعنی بہت زیادہ کھانے، سونے والوں اور غافلوں کو یہ نور عطا نہیں کیا جاتا ہے۔

کسی حکیم نے کہا ہے: کھانے پینے کی چیزیں جس طرح سے جسم کی غذا ہیں، اسی طرح علم وحکمت، عقل (روح) کی غذا ہیں۔ بندہ کو دنیا میں سب سے افضل واعلیٰ جو چیز دی گئی، وہ علم وحکمت ہے اور آخرت میں جو سب سے اعلیٰ واعلیٰ چیز عطا ہوگی وہ (جنت و) رحمت، اللہ تعالیٰ کی رضا اور دیدار ہے۔

حکیم وعارف کی پہچان

حدیث میں آیا ہے: جو بندہ دنیا میں زُہد اختیار کرتا ہے، یعنی بہت زیادہ دنیا کی طرف مائل نہیں ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے دل میں علم وحکمت کے پودے اگا دیتا ہے، پھر اس کی زبان سے علم وحکمت کے جوہر ظاہر ہوتے ہیں۔ اور ایسا انسان اس فریبی دنیا کے عیوب ونقائص سے بھی آگاہ ہوتا ہے اور اپنے نفس کے عیوب سے بھی۔ جب تم اپنے بھائی کے اندر اس طرح کا زہد دیکھو، تو اس کی قربت وصحبت اختیار کرو اور اس کی حکمت ومعرفت بھری باتیں سنو۔ (روح البیان)

لیکن یہ حکمت یا حکیمانہ وعارفانہ کیفیت اس انسان میں پیدا ہوتی ہے، جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تواضع وانکساری عطا کی گئی ہو۔

تواضع کا پھل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں سے پوچھا: دانے اور پودے کہاں پیدا ہوتے ہیں؟ لوگوں نے کہا: زمین میں۔ تو آپ نے فرمایا: علم وحکمت کے پودے بھی اسی دل میں پیدا ہوتے ہیں، جو زمین کی طرح متواضع ہوتا ہے۔

حضرت حکیم لقمان کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تواضع وانکساری بدرجۂ اتم عطا کی گئی تھی۔ اسی لئے آپ کی زبان سے علم وحکمت کے چشمے جاری ہوئے۔

آپ کے تواضع کی مثال

آپ کا صبر وتحمل اور تواضع دیکھئے۔ کہا گیا ہے: ایک مرتبہ کسی نے آپ سے کہا: آپ کا چہرہ کتنا برا ہے! تو آپ نے (بڑے صبر وتحمل) سے فرمایا: آپ نقش (صورت) پر عیب لگا رہے ہو یا نقّاش (صورت بنانے والے) پر؟

حقیقت یہ ہے کہ تواضع وانکساری اللہ تعالیٰ کے مخصوص خزانہ کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ اور یہ مکمل طور پر اللہ تعالیٰ عطا نہیں کرتا ہے مگر نبی، صدیق یا پھر ان کے سچے غلاموں کو۔ آج کل کے ہر تواضع کو تواضع وانکساری نہیں کہا جاسکتا ہے۔ بلکہ یہ آج کل کا تواضع تواضع کم، تملُّق و چاپلوسی زیادہ ہے، جو مطلب ومقصد حاصل کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ حقیقی تواضع تو وہ ہے جس کو ہم سیدنا غوث اعظم کی وصیتوں میں پیچھے بیان کر آئے ہیں۔

حضرت لقمان کی حکمتِ حکیمانہ

تفسیر کی کتابوں میں آیا ہے: ایک مرتبہ حکیم لقمان کے مالک نے آپ کو اور غلاموں کے ساتھ باغ میں پھل لینے کے لئے بھیجا۔ اور حال یہ تھا کہ آپ اپنے مالک کی نظر میں تمام غلاموں، نوکروں میں سب سے حقیر تھے۔ جب آپ تمام غلاموں کے ساتھ باغ میں پہنچے، تو انہوں نے سب پھل توڑے اور کھالئے۔ یہ حرکت انہوں نے مالک کو غصہ دلانے کے لئے کی۔ جب وہ سب واپس آئے تو خالی ہاتھ، کیونکہ پھل تو راستے میں سب کھا چکے تھے۔ مالک نے پوچھا: پھل کہاں ہیں؟ وہ سب بولے: لقمان نے کھالئے۔ تو مالک نے ان پر غصہ کیا۔ حکیم لقمان بولے: یہ جھوٹ بول رہے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ پھل انہیں لوگوں نے کھائے ہیں۔ تو مالک بولا: اس حقیقت وسچائی کو ہم کیسے جانیں کہ پھل انہیں نے کھائے ہیں؟ حضرت لقمان بولے: آپ سب کو گرم پانی پلایئے، پھر سب کو صحرا کی دھوپ میں دوڑایئے، جس سے ہر ایک قے کرے گا، اس سے معلوم ہو جائے گا، کس نے کیا کھایا ہے؟ اور کون خائن ہے کون امین؟ (چنانچہ مالک نے ایسا ہی کیا) اور کھانے والوں کے پیٹ سے تمام میوے قے میں باہر آگئے۔ اور حضرت لقمان کی سچائی اور دوسرے غلاموں کی بد دیانتی ظاہر ہوگئی۔

حضرت مولانا روم اس حکایت کو نقل فرمانے کے بعد خاص طور سے ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کے حقوق (عبادات) اور اس کے بندوں کے حقوق (معاملات) میں خیانت کررہے ہیں، نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جب حضرت لقمان حکیم۔ جو کہ ایک بندہ ہیں۔ کی حکمت کا یہ عالم ہے کہ ان

کی حکمت عملی نے جھوٹوں کے جھوٹ کو ظاہر کر دیا، تو اللہ رب العزت جو علیم و خبیر بھی ہے اور لطیف و بصیر بھی، اسکی حکمت کا کیا عالم ہوگا؟ اس دن سب کے چھپے بھید کھل جائیں گے، حالانکہ کوئی نہیں چاہے گا کہ میرا راز کھلے۔

اسی چیز کو مولیٰ تعالیٰ اپنے کلام مجید میں یوں بیان فرماتا ہے:

یَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۔ (پارہ:۳۰-الطارق:۹)

ترجمہ: جس دن سب چھپے راز کھولے جائیں گے۔

جو خائن ہوگا وہ رسوا ہو جائے گا۔ آدمی کے لئے سکون نفس (قلبی سکون) سے بڑی کوئی نعمت نہیں۔

آپ فرماتے ہیں: باپ کا بیٹے کو مارنا ایسا ہی ہے، جیسے کسان کا کھیتی کی زمین کو جوتنا یا گوڑنا۔

یعنی جس طرح کسان کھتی کو اس لئے جوتتا یا گوڑتا ہے کہ اس سے اچھی فصل تیار ہو، ایسے ہی عقلمند باپ بھی اولاد کے ساتھ سختی اور نرمی کا جو معاملہ کرتا ہے وہ تکلیف دینے کے لئے نہیں بلکہ اسے مؤدب بنانے کے لئے کرتا ہے۔

اوپر ذکر کی گئیں آپ کی دو نصیحتوں سے وہ لوگ عبرت حاصل کریں جو دولت کے لالچ میں صحت کو داؤں پر لگا دیتے ہیں۔ دوسری نصیحت سے وہ لوگ عبرت حاصل کریں جو عزت و شہرت اور دولت حاصل کرنے کے لئے چین و سکون کھو بیٹھتے ہیں۔ جبکہ حقیقی سکون تو مولیٰ کی یاد میں ہے۔ مولیٰ فرماتا ہے:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۔ (پارہ:۱۳-الرعد:۲۸)

ترجمہ: سن لو! دلوں کا چین اللہ کی یاد ہی میں ہے۔

آپ کی ایک عارفانہ وصیت

ایک دن آپ نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

بیٹے! بڑے بڑے محلوں اور کوٹھیوں والوں کے یہاں نہ جایا کرو۔ اس لئے کہ اس سے (دل میں) دنیا کی رغبت اور آخرت سے غفلت پیدا ہوتی ہے۔ اگر آخرت کی سعادت و نیک بختی چاہتے ہو، تو دنیا سے کنارہ کشی کرو اور جنازہ میں شریک ہو کر کچھ دیر اس کے ساتھ چلا کرو۔ موت کو (ہروقت) اپنی آنکھوں کے سامنے رکھا کرو۔ اور دنیا سے صرف اتنا لو جس سے (سکون سے) گزارہ ہو سکے۔ فضول اور زائد کو ہاتھ مت لگانا۔ اور جہاں تک ہو سکے، عورتوں سے بہت دور رہو۔ خصوصاً بری عورتوں سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا اور فریاد بھی کرو۔ کیونکہ یہ شیطان کا خطرناک جال اور فتنہ کا سبب ہیں۔ (روح البیان)

آپ کی اس عارفانہ وصیت میں دل سے دنیا کی محبت نکالنے، آخرت کی رغبت پیدا کرنے اور دلوں سے قساوت و غفلت کی بیماری ختم کرنے کے لئے بہت کچھ خزانہ ہے۔ مگر ان کے لئے جو بیدار ہیں، غافلوں کے لئے نہیں۔

بیمار دلوں کی دوا

حضرت سیدنا ابن خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بیمار دلوں کے لئے پانچ دوائیں بہت مجرب و مفید ہیں:

(۱) غور و فکر کے ساتھ (ٹھہر ٹھہر کر) قرآن عظیم کی تلاوت کرنا۔

(۲) پیٹ کو کھانے سے کچھ خالی رکھنا۔

(۳) رات کے وقت نفل میں قیام کرنا۔

(۴) سحر کے وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گریہ وزاری (اور استغفار) کرنا۔

(۵) نیک لوگوں کی صحبت اور ہمنشینی اختیار کرنا۔ (روح البیان)

اِن پانچ میں پانچویں تو بہت آسان ہے۔ لیکن ہماری قوم آج نیکوں کی صحبت سے بھی محروم ہے۔ کہ یا تو نیک لوگ میسر نہیں یا قوم میں تلاش وجستجو نہیں۔ یا آج کی جدید سائنس وٹکنالوجی کی ایجادات، موبائل، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ وغیرہ کی مشغولیت نے نیکوں کی صحبت سے دور کر دیا۔ جب کہ حدیثوں میں تاکید کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور برگزیدہ بندوں کے حضور (بارگاہ میں) حاضر ہوا کرو۔ کیونکہ ان کی محفلوں میں رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ ان کی صحبت کی برکت سے بگڑے دل درست اور دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔ ایسے ہی حدیث میں بروں کی مجلس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ بلکہ ایسی مجلسوں سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ ایسی مجلسوں میں خدا کے غضب کا نزول ہوتا ہے۔

نیکوں کی صحبت میں کیا کیا ملتا ہے؟

نیک لوگوں کی صحبت وہمنشینی سے بگڑے انسان بنتے ہی نہیں، بلکہ ان کی صحبت میں اصلاحِ قلب، جذبۂ عبودیت وبندگی، محبتِ خدا ورسول کے ساتھ علم و حکمت اور ادب ومعرفت کا بے بہا خزانہ بھی ملتا ہے۔

حضرت سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے فرمایا: یہ مت کہو کہ علم آسمانوں پر ہے، کون چڑھ کر لائے؟ یہ بھی نہ کہو کہ علم زمین کی تہ میں ہے، کون نکال کر لائے؟ یہ بھی نہ کہو کہ علم دریاؤں کے پار ہے، دریا پار کر کے کون لائے؟ (ارے) علم تو

تمہارے دلوں کے اندر ہے۔ تم صرف اتنا کرو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے (اس کی بارگاہ میں) روحانی لوگوں اور صالحین کی طرح ادب سے رہو۔ وہ سب اعلیٰ خزانے خود بخود ظاہر ہو جائیں گے۔

قرآنی وصیتیں

قرآن کریم میں مولیٰ تعالیٰ نے بہت سی ایسی آیتیں نازل فرمائی ہیں، جن میں جنت کی بشارتیں، دوزخ سے ڈرانے کا بہت سا سامان، عبرت وبصیرت حاصل کرنے کے لئے احسن القصص (اچھے اچھے قصے) اور بڑی عمدہ عمدہ مثالیں اور ترغیب وترہیب پر مشتمل اللہ تعالیٰ اور اس کے پیاروں کی بیشمار وصیتیں اور نصیحتیں موجود ہیں۔

ہر مومن - چاہے وہ مطیع وفرمانبردار ہو یا عاصی ونافرمان - کے دل میں اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن پاک کی عظمت ومحبت بہت زیادہ ہے۔ فرمانبرداروں کے دلوں میں قرآن کریم اور اللہ پاک کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت ومحبت تو ظاہر ہے۔ کہ وہ کتاب وسنت پر عامل ہیں۔ ان کا عمل اور ان کی اِتباعِ سنت ان کے دلوں کی کیفیت بتا رہی ہے۔

لیکن جو لوگ دنیا کی لذتوں اور خواہشات میں گرفتار ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کی محبت ان کے دلوں میں بھی ہے۔ جیسا کہ وقتاً فوقتاً جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کی عظمت کی بات آتی ہے تو سب سے پہلے یہ عاصی ونافرمان ہی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کی عظمتوں پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگ غفلت یا دنیا کی لذت میں پھنس کر یا صحیح صحبت نہ ملنے یا علمِ

صحیح اور مخلص مربیوں و مخلص داعیوں کے نہ پائے جانے کی وجہ سے فسق و فجور میں مبتلا ہو کر قرآن و سنت سے دور ہو گئے ہیں۔

کس کی کیا ذمہ داری ہے؟

اب یہ ہمارے علما، مربیوں اور داعیوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ قرآن و حدیث سے عبرت و نصیحت کے وہ جواہر پارے نکال کر ملت کے ناواقف لوگوں تک پہنچائیں۔ اور عام دینی بھائیوں کی ذمہ داری اور ان پر فرض ہے کہ وہ قرآن و حدیث کے ماہر و عامل علما اور داعیوں کے قریب ہوں اور ان سے محبت کر کے قرآن و حدیث کے انوار و تجلیات اور فیوض و برکات حاصل کر کے اپنے مردہ اور مرجھائے دلوں کو بیدار کریں۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری میں لگ جائیں۔

تربیت کے لئے کافی

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی انہیں عبرتوں و نصیحتوں اور احسن قصص و حکایات و واقعات میں حضرت لقمان کی تقریباً دس ہزار حکیمانہ عارفانہ وصیتوں میں سے چند وصیتوں کو بیان فرما کر رہتی دنیا تک کے لئے مینارۂ نور بنا دیا۔ تا کہ لوگ ان پر عمل کریں۔ اور یہ وہ وصیتیں ہیں جن کو ''سورۂ لقمان پارہ نمبر اکیس کی آٹھ آیتوں'' میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ نصیحتیں انسان کی شخصی (نجی)، خانگی، سماجی اور قومی و مسلکی تعمیر و تربیت کے لئے بہت کافی ہیں۔ اب یہ حقیر اس رسالہ میں وہ آیاتِ قرآنیہ اور وصایا و نصائحِ لقمانیہ ترتیب وار ذکر کرے گا، تا کہ سب عام و

خاص ان سے فائدہ حاصل کریں۔

فائدہ کب ہوتا ہے؟

ایک پیاسا ٹھنڈے پانی کی بوتلیں اکھٹی کرے یا اپنے فریج میں جمع کر لے، روح افزا کا شربت بنا کر گلاس پر گلاس جمع کرے یا برف کی سلیوں کے ڈھیر لگا لے، تو کیا صرف شربت کے گلاس، ٹھنڈے پانی کی بوتلیں اور برف کی سلیاں جمع کرنے سے اس کی پیاس بجھ جائے گی؟ نادان سے نادان کہے گا: جب تک کہ گلاس کا شربت اور بوتلوں کا پانی نہیں پئے گا پیاس ہرگز بجھے گی نہیں۔

ایسے ہی چند دن کا بھوکا گھر میں قسم قسم کے کھانے تیار کرائے یا اپنے شہر کے ہر ہوٹل کے لذیذ کھانے خرید کر گھر میں کھانوں کے ڈھیر لگا لے، تو کیا یہ بیس طرح کے کھانے جمع کرنا اس کی بھوک مٹا دے گا؟ ہر ذی عقل آدمی کہے گا: جب تک بھوکا یہ کھانے کھائے گا نہیں، اس کی بھوک ختم نہ ہو گی۔

اسی طرح کوئی بیمار اپنے شہر کے تمام ڈاکٹروں اور حکیموں کے نسخے و فارمولے لکھوا کر اپنی جیب میں ہر وقت رکھے رہے یا ہر پیتھک کے ڈاکٹر و حکیم کو دکھا کر اپنے گھر میں ہومیو پیتھک، ایلو پیتھک اور آیورویدک اور یونانی دواؤں کے شربت و سیرپ کی شیشیوں اور ٹیبلیٹ و کیپسول وغیرہ کے پیکٹ الماریوں میں سجا کر رکھ لے، تو کیا یہ دوائیاں، یہ فارمولے اور نسخے اس کی بیماریوں کو دور کر دیں گے؟ تو عقلمند و نادان سب کہیں گے کہ دوائیوں کے ڈھیر اور حکیموں کے فارمولے اور نسخے ہرگز اسے فائدہ نہ دیں گے، جب تک کہ ان نسخوں اور فارمولوں پر ڈاکٹر کی لکھی گئی دوائیں ڈاکٹر کی ہدایات کے مطابق وقت پر پرہیز

کے ساتھ استعمال نہیں کرے گا۔ اور اگر یہ ڈاکٹروں سے مل کر انہیں فیس دیتا رہا، لیکن ان کے فارمولے اور نسخے استعمال نہیں کئے، تو انجام یہ ہوگا کہ بیماریاں بڑھتی جائیں گی اور یہ ایک دن مر جائے گا۔

ہم اسباب کی دنیا میں رہتے ہیں

اب ایسا کیوں کہ جب تک پیاسا پانی نہ پیئے، پیاس نہ بجھے؟ بھوکا کھانا نہ کھائے، بھوک ختم نہ ہو اور بیمار دوا نہ کھائے، تندرست نہ ہو؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اسباب کی دنیا میں رہ رہے ہیں، یہاں کام اسباب سے بنتے ہیں۔ پیاس پانی پینے سے بجھتی ہے، بھوک کھانا کھانے سے ختم ہوتی ہے اور بیماری دواؤں کے استعمال سے دور ہوتی ہے۔

ہدایت و اصلاح عمل سے ہوتی ہے

بلا شبہ اسی طرح اگر کوئی شخص قرآن کریم کی ترغیبات و ترہیبات پر مشتمل آیات و ہدایات اور مولیٰ کریم کی وصایا و ارشادات، حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و فرمودات، صحابہ و تابعین اور ائمہ و علمائے دین کے نصائح، وصایا اور ملفوظات اور شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت پر مشتمل کتابیں اکھٹا کر کے الماریاں سجائے اور ان کو پڑھے نا، یا اپنے شہر اپنے ملک کے تمام عالموں کی روزانہ تقریریں سنے لیکن ان پر عمل نہ کرے، تو کیا صرف کتابیں جمع کرنے اور تقریریں سننے سے اس کو ہدایت مل جائے گی؟ کیا اس کی زندگی میں ان سے تبدیلی آ جائے گی؟ تو ہر شخص کہے گا: جب تک ان کتابوں کو پڑھ کر یا سن کر ان کو

اپنی عملی زندگی میں ڈھالے گا نہیں اور ان ملفوظات و ہدایات پر عمل کرنے کے لئے اپنے نفس کو مشقت کے لئے آمادہ نہیں کرے گا، اس وقت تک نہ تو اس کی زندگی میں کوئی تبدیلی آسکتی ہے نہ اس کے اعمال و معاملات اور اخلاق و عادات درست ہو سکتے ہیں۔

لہٰذا اے میرے دینی بھائیو! اس حقیر کے ان چھوٹے چھوٹے کتابچوں اور رسالوں کی کیا حیثیت؟ جب تک آپ اپنے آپ کو عملی جد وجہد کے لئے تیار نہیں کریں گے، اس وقت تک بڑے بڑے کاملوں اور عارفوں کی مکمل اور معرفت وطریقت سے بھری کتابیں آپ کو کوئی فائدہ نہیں دیں گی۔ مقرروں کی لچھے دار تقریریں سننا اور کتابوں سے الماریوں کو سجانا نہ دنیا میں کوئی فائدہ دے گا نہ قیامت میں نجات کا سبب بنے گا۔ بلکہ کہا گیا ہے: بہت زیادہ کتابیں جمع کرنا اور ان کو نہ پڑھنا قربِ قیامت کی علامتوں میں سے ہے۔

حکیم لقمان کو حکمت و معرفت کی دولت کیسے ملی؟

کہا گیا ہے: حضرت لقمان ایک دن دوپہر میں سو رہے تھے، تو ایک غیبی ندا آئی: اے لقمان! کیا آپ چاہتے ہو کہ، ہم آپ کو زمین پر (اپنا) خلیفہ اور نائب بنا دیں، تا کہ آپ لوگوں کے بیچ حق اور انصاف سے فیصلے کریں؟ تو آپ نے جواب دیا: اگر میرے رب نے مجھے اختیار دیا تو میں عافیت پسند کروں گا اور میں بلا میں نہیں پڑوں گا۔ (یعنی حکومت وخلافت قبول نہیں کروں گا۔) اور اگر یہ چیز میرے اوپر لازم کر دی ہے، تو بندہ حاضر ہے، قبول کرے گا اور عمل کی کوشش کرے گا۔ اس لئے کہ میں خوب جانتا ہوں اگر مولیٰ کریم یہ ذمہ داری اپنی مرضی

سے مجھے دے گا، تو میری مدد بھی فرمائے گا اور مجھے خطا سے بھی بچائے گا۔ تو فرشتوں نے غیبی طور پر ان سے کہا: آپ حکومت وخلافت کیوں نہیں قبول کریں گے؟ (حالانکہ لوگ حکومت وخلافت کے طلبگار ہوتے ہیں۔) آپ نے جواب دیا: حکومت کرنے والا ہر چہار جانب سے مصیبت و پریشانی میں گھر جاتا ہے۔ اگر وہ عدل وانصاف سے کام لے، تو نجات پا جاتا ہے اور اگر (عدل وانصاف سے) ذرا بھی ہٹتا ہے، تو جنت کے راستے سے بھٹک جاتا ہے۔ اور آخرت کے بدلہ دنیا کی عزت پانے سے، دنیا میں ذلیل وہلکا ہونا بہتر ہے۔ اور جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے، اس کے ہاتھ سے دنیا بھی جاتی ہے اور آخرت بھی۔ فرشتوں کو آپ کا یہ علم وحکمت اور نور ومعرفت سے بھرا جواب بہت پسند آیا۔ اس کے بعد حکیم لقمان تھوڑا سوئے، تو انہیں حکمت ومعرفت کے خزانے عطا کئے گئے۔ اور جب بیدار ہوئے تو اس طرح کے وصایا اور عظیم نصیحتیں اپنے بیٹے اور لوگوں سے بیان فرماتے۔ (صاوی)

حکیم لقمان کی کچھ اور وصیتیں

علما فرماتے ہیں: حکیم لقمان کی ان عظیم وصیتوں میں ایک ایک وصیت کی قیمت تمام عالم کے برابر ہے۔ لیکن یہ اس کے لئے ہے جو علم ومعرفت کی قدر جانتا ہے، دنیاداروں کے لئے نہیں۔

نفع بخش تجارت

وصیت: آپ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: اے بیٹے! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ ہی

اپنی تجارت بناؤ، اس میں بلا پیسہ لگائے نفع ملے گا۔

جنازہ اور شادی بیاہ

وصیت: ایک مرتبہ فرمایا: جنازہ میں حاضر ہوا کرو اور شادی بیاہ سے بچا کرو۔ کیونکہ جنازہ کی حاضری آخرت کی یاد دلاتی ہے اور شادی بیاہ کی شرکت دنیا کی خواہش بڑھاتی ہے۔

آج کل کی دعوتوں کا حال

خصوصاً آج کل کے شادی بیاہ اور ولیموں کی دعوتیں جو تفاخر اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کے لئے بیشمار دولت کی بربادی کے ساتھ کی جارہی ہیں۔ جو غفلت اور مال ودولت کی بربادی کے ساتھ ساتھ بہت سے حرام اور ناجائز کاموں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ اگر آج اہل اللہ ان لذات وشہوات اور حرام کاریوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تو یقیناً ان شادی بیاہ میں شرکت کو حرام قرار دیتے۔

اجابتِ دعوت کے شرائط وآداب

دعوت قبول کرنا بیشک سنت ہے، لیکن اس سنت کی ادائیگی کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ ایک مومن کا اپنے نبی ﷺ سے جو باطنی تعلق اور رشتہ ورابطہ ہے اس میں فتور وخلل واقع نہ ہو۔ اور یہ چیز جو دین کے رہنما اور پیشوا کہلاتے ہیں یا ہیں ان کے لئے اور بھی اہم ہے۔ اِجابتِ دعوت (دعوت قبول کرنے) کے لئے شریعت اور طریقت کی کتابوں میں بہت سے شرائط وآداب بیان کئے گئے ہیں،

ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱) وہ دعوت ریا و دکھاوے کے لئے نہ ہو۔

(۲) وہ مال حلال ل سے ہو۔

(۳) اس دعوت میں لہو و لعب اور کھیل تماشا نہ ہو۔

(۴) وہ دعوت دعوتِ عامہ نہ ہو۔

دعوتِ عامہ: وہ دعوت جس میں ہر کس و ناکس، باغی و طاغی، منکِر و نافرمان اور شرابی جواری سب موجود ہوں۔

جب دعوت ان شرائط و آداب کی جامع ہو اور اجابتِ دعوت ادائیگی سنت کی نیت سے ہو تو پھر اس دعوت کی قبولیت یا شرکت میں کسی طرح کا کوئی باطنی فتور و نقصان نہیں ہوگا۔ لیکن جب شرع میں بیان کئے گئے شرائط پر مشتمل نہیں ہے وہ دعوت تو ایسی دعوت کو قبول کرنا سنت بھی نہیں ہے۔ مکتوباتِ معصومیہ عربی کی جلد اول کے مکتوب نمبر (۲۲) کے آخر میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔

غیرتِ ایمانی کہاں گئی؟

آپ کی اس وصیت سے خاص طور سے وہ دینی قائد اور رہنما عبرت حاصل کریں، جو سامنے حرام کاریاں ہوتے ہوئے دیکھ کر بھی خاموش لذیذ کھانے کھا کر رومال سے منہ پوچھتے ہوئے چلے آتے ہیں۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے ہوئے ایک لفظ بھی زبان سے نہیں بولتے ہیں۔ آخر ان کے علاوہ بھلائیوں کا حکم کون دے گا؟ برائیوں سے کون روکے گا؟ کیا چندہ، نذرانہ اور لذیذ کھانوں کی خواہش کے ہاتھوں دین اور غیرت ایمانی بِک تو نہیں

گئی ہے؟ (ہم نفس کی شرارتوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔)

بانگ دینے والے مرغ سے گیا گزرا

وصیت: اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اے بیٹے! تو صبح کے بولنے والے مرغ سے گیا گزرا مت ہوجانا، جو صبح سحر میں اٹھ کر اپنی زبان میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور تسبیح پڑھتا ہے اور تو پڑا اپنے بستر میں سوتا رہتا ہے۔ (صاوی)

افسوس! اب صبح سحر میں اٹھ کر ذکر و تسبیح کرنے والے کہاں ملیں گے؟ اب تو حال یہ ہے کہ صبح صادق طلوع ہوجانے کے بعد نماز فجر کے لئے اٹھنے والوں ہی کے لالے پڑے ہیں۔ صبح صادق سے پہلے سحر میں اولاد کو اٹھانا تو بہت بڑی بات ہے، اب فجر کا فرض ادا کرنے کے لئے خود ماں باپ ہی نہیں اٹھتے ہیں۔ مولیٰ کریم ہمیں اور ہماری قوم کو اس عظیم دولت سے مالا مال فرمائے۔

موت اچانک آتی ہے

وصیت: آپ فرماتے ہیں: اے بیٹے! توبہ میں تاخیر کبھی مت کرنا۔ کیونکہ موت اچانک آتی ہے۔ (صاوی)

ہمارے وہ بھائی بہن جو صبح فجر میں پڑے غفلت کی نیند سوتے ہیں، خواب غفلت سے اٹھیں اور اس سے پہلے کہ موت آجائے جلد توبہ کریں۔

وصیت: آپ فرماتے ہیں: اے بیٹے! اس بات سے بہت ڈرنا کہ لوگوں کو دکھانے کے لئے اپنا خاشع اور متقی ہونا ظاہر کرو، تاکہ وہ تقویٰ کی وجہ سے تمہاری عزت کریں۔ حالانکہ تمہارا دل اندر سے فاسق فاجر اور بدکاری میں مبتلا ہو۔

آپ کی اس وصیتِ عظیمہ سے عموماً سب لوگ اور خصوصاً وہ دینی رہنما و پیشوا جو تلامذہ، مریدوں اور مقتدیوں میں، جلسے جلوسوں یا عوامی زندگی میں تقویٰ اور صوفیانہ طرزِ عمل ظاہر کرتے ہیں۔ جب کہ ان کی گھریلو اور نجی زندگی فاسقوں اور فاجروں سے بدتر ہوتی ہے۔

وصیت: آپ نے فرمایا: اے بیٹے! خاموشی پر کبھی شرمندہ مت ہونا۔ اگر گفتگو چاندی ہے، تو خاموشی سونا۔ (صاوی)

یعنی فضول اور لایعنی باتوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اور ضرورت پڑنے پر یا جب بات کرنے سے دین و دنیا کا فائدہ ہو تو بولنا چاہئے۔

علما کی صحبت

وصیت: آپ فرماتے ہیں: اے بیٹے! علما کی مجلسوں میں ضرور جایا کرو اور ان کا عارفانہ کلام دھیان سے سنا کرو۔ اس لئے کہ اللہ پاک حکیمانہ اور عارفانہ گفتگو کے نور سے مردہ دلوں کو ایسے ہی زندگی اور تر و تازگی بخشتا ہے، جیسے خشک زمین کو پانی سے۔ (صاوی)

افسوس! اب وہ عارفانہ مجلسیں کہاں؟ اور اُن مجلسوں کے طلبگار کہاں رکھے؟ جب کہ قریب قریب ہر شخص گناہ کر کے اتراتا نظر آتا ہے۔

حکیم لقمان سے کسی نے پوچھا: سب سے بدتر آدمی کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: جو گناہ اور برائی کرنے میں اتنا نڈر اور جری ہو گیا ہو کہ اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرنے کے ساتھ لوگوں کی بھی پرواہ نہ کرے۔ (صاوی)

جھوٹ کی مذمت

وصیت: آپ فرماتے ہیں: جو جھوٹ بولے گا، اس کے چہرے کی رونق جاتی رہے گی۔

وصیت: اور فرماتے ہیں: بد اخلاق کے رنج و غم بڑھ جاتے ہیں۔

وصیت: (احمقوں کی تعلیم کے بارے میں) فرماتے ہیں: غبی اور احمق کو (باریک نکتے) سمجھانے سے بھاری چٹان کو اپنی جگہ سے ہٹانا آسان ہے۔

وصیت: آپ فرماتے ہیں: اے بیٹے! جب تک سیکھے ہوئے پر عمل نہ کرلو، تب تک نامعلوم کو معلوم مت کرو۔ (صاوی)

آپ کی اس نصیحت سے وہ حضرات عبرت حاصل کریں، جو کتابوں پر کتابیں جمع کر رہے ہیں اور علم حاصل کرنے میں بہت آگے ہیں، مگر عمل ایک پیسہ بھی نہیں۔

وصیت: آپ فرماتے ہیں: اے بیٹے! تم اپنی زبان کو **اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ** کا عادی بنالو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کچھ ایسی مخصوص ساعتیں ہیں، جن میں دعا رد نہیں کی جاتی۔

قرض کا بوجھ

وصیت: آپ فرماتے ہیں: بیٹے! جہاں تک ہو سکے قرض سے بچنا اس لئے کہ قرض اگر رات کی کڑھن ہے، تو دن کی ذلت ہے۔

خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو

وصیت: آپ فرماتے ہیں: بیٹے! تم اللہ تعالیٰ (کی رحمت) سے ایسی لَو اور امید لگاؤ، جو تمہیں اس کی نافرمانی پر نہ ابھارے۔ اور خوف وڈر بھی اپنے دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے عذاب کا ایسا رکھو، جو اللہ تعالیٰ کی وسیع اور کشادہ رحمت سے تمہیں مایوس نہ کرے۔ (صاوی)

حدیث وتفسیر کی کتابوں میں اس طرح کی بہت سی عارفانہ وصیتیں اور عالمانہ نصیحتیں آپ سے منقول ومروی ہیں۔

حکمت کا عطیہ

ہماری گزری ہوئی تقریر سے معلوم ہو گیا کہ علم وحکمت اور معرفت یہ اللہ تعالیٰ کا ایک خاص عطیہ ہے۔ اللہ پاک اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ یہ کسی خاص شخص، قبیلہ یا خاندان کی ملکیت ووراثت نہیں۔ اور یہ بھی بتا دیا گیا کہ جسے نعمتِ حکمت ومعرفت مل جائے، اسے خیر کثیر اور بڑی نعمت مل گئی۔ خیرِ کثیر اور بڑی نعمت اللہ تعالیٰ انہیں کو عطا کرتا ہے، جو اس کے اہل ہوتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے، خاندانی وراثت نہیں، جو نسل در نسل منتقل ہوتی ہے۔ اور حکمت تو ایسی نعمت ہے، جو بہت سی خیرات وحسنات اور بھلائیوں کی جامع ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۔ (البقرۃ:۲۶۹)

ترجمہ: اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی۔

شکر نعمت

علما فرماتے ہیں: جس طرح جنت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے بڑی کوئی نعمت نہیں، اسی طرح دنیا میں اس کی معرفت سے بڑی کوئی نعمت نہیں۔

حکمت اللہ تعالیٰ کے انعامات واکرامات میں سے بڑی نعمت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کو حکمت عطا فرمائی، تو اس نعمت کی عطا پر ان سے شکر کا مطالبہ کیا۔ اور فرمایا:

اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۔ (پارہ:۲۱۔لقمان:۱۲)

ترجمہ: (ہم نے لقمان سے کہا:) اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ (نعمتِ حکمت ومعرفت پر کہ یہ نعمت ہم نے آپ کو اس وقت عطا کی تھی جب آپ سو رہے تھے اور معرفت سے غافل تھے۔)

کوئی بھی نعمت یا اس کی منفعت اس وقت مکمل ہوتی ہے، جب اس میں دوام اور پائداری ہو۔ نعمت ملے اور چھن جائے، وہ نعمت تام نہیں۔ اب نعمت دائم وقائم کیسے رہے گی؟ اس راز کو بھی مولیٰ تعالیٰ نے اسی آیت میں ظاہر فرمادیا۔

وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۔ (پارہ:۲۱۔لقمان:۱۲)

ترجمہ: جو (مولیٰ کریم کی نعمتوں پر) شکر ادا کرتا ہے، وہ اپنے نفع ہی کے لئے کر رہا ہے۔

چونکہ شکر سے نعمتوں میں دوام وپائداری کے ساتھ مولیٰ کریم کی طرف سے نعمتوں میں اضافہ کا وعدہ بھی ہے۔ جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ۔ (پارہ:۱۳۔ابراھیم:۷)

ترجمہ: اگر تم (شکر ادا کر کے) احسان مانو گے تو میں تمہیں اور دوں گا۔
اور ناشکری سے نعمتیں چھن جاتی ہیں۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ۔ (پارہ:۲۱۔لقمان:۱۲)

ترجمہ: جو اپنے رب کی نعمت کی ناشکری کرے گا (تو ناشکری کا وبال اسی کے سر تھوپا جائے گا) کیونکہ اللہ تعالیٰ (تو بندے اور اس کے شکر سے) بے نیاز اور (اپنی ذات وصفات اور اپنے افعال میں) محمود وسراہا ہوا ہے۔

بندے تعریف اور شکر کریں یا نہ کریں۔ اس حمد وثنا کا احصا اور شمار نہیں کیا جا سکتا، جو اس نے اپنی ذات کی ثنا اور تعریف کی ہے۔ علما فرماتے ہیں:

رَأْسُ الْحِكْمَةِ الشُّكْرُ لِلّٰهِ ثُمَّ خَشِيَّتُهٗ ثُمَّ الْقِيَامُ بِطَاعَتِهٖ۔

سب سے بڑی حکمت ودانائی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے، پھر اس کا خوف وخشیت، پھر اس کی طاعت وفرمانبرداری کرنا۔

حضرت لقمان حکیم نے اس بنیادی حکمت پر بھی عمل کیا، کہ اپنے رب کا شکر بھی ادا کیا اور اس کی طاعت وفرمانبرداری بھی کی۔ حضرت لقمان کے اس واقعہ کو ہماری ہدایت کیلئے بھیجی گئی کتاب میں بیان فرما کر ہمیں اس بات کا درس دیا گیا کہ ہم اس نعمت وحکمت کے حاصل کرنے کے لئے جد وجہد کریں۔ اور اپنے رب تعالیٰ سے سوال کریں کہ وہ اپنے فضل سے ہمیں نعمت وحکمت عطا کرے، اس کی تحصیل کی توفیق دے۔ اور یہ دعا کریں کہ جب وہ نعمتیں ہمیں عطا کر دے، تو ہم اس کے شکر گزار بندے بنیں۔

قرآن کریم میں مذکور حضرت لقمان کا یہ واقعہ مُرَبِّیانِ زمانہ کے لئے خاص طور سے عبرت ونصیحت ہے۔ چاہے وہ ماں باپ ہوں یا معلم ومدرس۔ کیونکہ تعلیم

وتربیت اور درس وتدریس کا یہ عمل بہت اہم اور سخت ترین کاموں میں ایک کام ہے۔ ویسے تو ہر کام حکمت ودانائی کا محتاج ہے، لیکن ننھے بچوں اور نوخیز نسل کی تربیت بلا حکمت کے ممکن نہیں۔

علما حکمت کا ایک معنی یہ بھی بیان کرتے ہیں: وَضْعُ الشَّيْئِ فِي مَحَلِّهٖ۔

اصل حکمت شئ کو اس کے محل میں رکھنے کا نام ہے۔

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیت کے لئے کیا انداز اپنایا! اس کو اگلی آیت میں پڑھئے۔

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ۔ (پارہ:۲۱۔لقمان:۱۳)

ترجمہ: (اے محبوب! اپنی امت کو وہ وقت یاد دلاؤ) جب لقمان اپنے بیٹے کو (مؤثر انداز میں) نصیحت کر رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ ان آیتوں میں حضرت لقمان کی کچھ وہ وصیتیں اور نصیحتیں بیان فرما رہا ہے، جو حضرت لقمان نے اپنے گھر والوں خصوصا اپنے بیٹوں کو کی ہیں۔ اس آیت میں چند چیزوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اولاد کی تربیت کے لئے وقت نکالئے

اس وصیت کو وہ حضرات خاص طور پر پڑھیں، جو اپنی اولاد کی راحت وآرام کے لئے تو سب کچھ مہیا کر رہے ہیں، لیکن اولاد کی تربیت کے لئے ان کے پاس وقت نہیں ہے۔ انہوں نے اپنا سب سے پہلا فریضہ ترک کر کے اسکول، کالج یا مدرسہ کے معلم وٹیچر پر چھوڑ دیا یا پھر ماحول کے حوالے کر دیا۔ حضرت لقمان کتنے بڑے حکیم تھے، کتنی مصروف زندگی تھی ان کی، کہ حضرت داؤد علیہ

السلام کے اعلانِ نبوت سے پہلے بنی اسرائیل میں اِفتا (فتوی دینے) کے فرائض انجام دیتے تھے اور مجلسوں میں وعظ و بیان بھی کیا کرتے تھے۔ اس کے باوجود اپنے اہل خانہ اور بچوں کی تربیت کے لئے وقت دیتے تھے۔

آپ کے اس طریقہ سے پتہ چلا کہ انسان کتنا ہی مصروف کیوں نہ ہو، لیکن اسے چاہئے کہ اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کے لئے وقت ضرور نکالے۔

اور (**وَهُوَ يَعِظُهٗ**) سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تعلیم وتربیت کے لئے مشفقانہ و نرمی کا رَویہ اختیار کرے اور جارحانہ انداز سے بچے۔ شفقت ونرمی پر مشتمل ایسی مؤثر نصیحت و وصیت کرے، جو اس کے شعور واحساس کو بیدار کرے اور قلب میں مؤثر ثابت ہو۔

بیوی بچوں سے باتیں

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ انسان کی رات دن کی مصروفیات و مشغولیات کے چارٹ میں بیوی بچوں سے گفتگو اوران کو پند ونصیحت کرنے کے لئے بھی ایک وقت ہونا چاہئے۔

حضرت لقمان کی اس وصیت ونصیحت اور اندازِ تربیت سے وہ لوگ خاص طور پر عبرت ونصیحت حاصل کریں، جو تقریر وتبلیغ کے لئے بڑے بڑے لمبے سفر کرتے ہیں۔ مگر خود اپنی بیوی بچوں کی تربیت سے غافل ہیں۔

آج کے اس جدید ماحول۔ جس کے فتنوں نے ہر شخص کو اپنی زد میں لے لیا ہے۔ میں وہ لوگ اس وصیت پر بہت غور کریں، جو پند ونصیحت اور بچوں کی دینی تربیت کو غیر ضروری اور غیر مناسب سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بڑا ہو کر

خود صحیح ہو جائے گا۔

ہر انسان نصیحت کا محتاج

آپ کی اس وصیت سے وہ لوگ بھی نصیحت حاصل کریں، جو بڑے ماں باپ کی اولاد ہیں یا خود بڑے باپ ہیں۔ یہاں جو وصیت کر رہا ہے وہ خود کتنا بڑا باپ ہے اور جس کو وصیت کر رہا ہے، وہ بڑے باپ کا بیٹا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کا نفس اور دل ایسے پند ونصیحت سے تزکیہ (پاکیزگی) وتصفیہ (صفائی) کا محتاج ہے، جو اس کو مہذب بنا دے۔ تاکہ اس کی زندگی میں اعتدال وتوازن قائم رہے۔

ابدی سعادت کی بات

آپ کی اس وصیت سے ایک بات اور ثابت ہوتی ہے کہ ہم اپنی بیوی بچوں کو پند ونصیحت کرنے میں صرف اس کے عقل و دماغ سے مخاطب نہ ہوں۔ بلکہ اس کے قلب وروح کو مؤثرانہ انداز میں جھنجھوڑنے کی کوشش کریں۔ جیسا کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو [يَا بُنَيَّ] کہہ کر مخاطب کیا۔ عربی زبان میں [بُنَيَّ] تصغیر کا صیغہ ہے، جو تلَطُّف ومہربانی اور اظہار محبت کے لئے بولا جاتا ہے۔ اور باپ اور اولاد کے بیچ جو باطنی تعلق ورابطہ ہے، اس پر بھی یہ لفظ بھرپور دلالت کرتا ہے۔ یہ آپ کے باطنی تعلق اور قربت کا ہی نتیجہ تھا کہ آپ نے اپنے بیٹے کو سب سے پہلے وہ وصیت کی، جس میں اس کی ابدی اور ہمیشگی کی سعادت پوشیدہ تھی۔ یعنی اسے سب سے پہلے شرک سے روکا اور فرمایا:

لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۔ (پارہ:۲۱-لقمان: ۱۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور عبادت وبندگی میں کسی کو شریک مت کرنا۔

اور آپ نے اس وصیت میں صرف اپنی شفقت پدری کو ظاہر کرتے ہوئے پیار محبت سے بول کر اس کے قلب وروح کو جھنجھوڑنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اپنی وصیت و نصیحت کو دلیل کے ذریعہ مؤثر اور باوزن بنا کر پیش کیا۔ (لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ) اگر دعویٰ ہے، تو (اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ) اس کی وزن دار دلیل ہے۔

بنیادی چیزوں کی نصیحت

آپ کی اس نصیحت سے اولاد کے سرپرست اور تعلیم گاہوں کے مربی ومعلم عبرت حاصل کریں۔ انہیں چاہئے کہ وہ تعلیم وتربیت میں ان چیزوں کو مقدم رکھیں، جو بچوں کی دینی اور ایمانی زندگی میں اہم سے اہم تر ہوں۔ جیسے حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو سب سے پہلے سب سے اہم اور بنیادی چیز -شرک سے بچنے (اور توحید کا عقیدہ قائم کرنے کی) کی وصیت کی۔

آپ کی اس وصیت سے آج کے وہ ماں باپ خاص طور سے نصیحت حاصل کریں، جو دین اور دین کے بنیادی عقیدوں کے سلسلہ میں اولاد کی طرف سے بالکل غافل رہتے ہیں اور یہ کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں: ارے مسلمان کے گھر پیدا ہوا ہے، مسلمان ہی رہے گا، کافر تھوڑی ہو جائے گا۔ دیکھو حضرت لقمان اپنے بیٹے کو سب سے پہلے ایمان اور توحید کی وصیت کر رہے ہیں۔ حالانکہ جس وقت وہ اپنے بیٹے کو وصیت کر رہے تھے، باپ بیٹے دونوں مومن تھے، اس کے باوجود وہ اِس بنیادی عقیدہ کی نصیحت سے غافل نہیں رہے۔ کیونکہ توحید وایمان وہ بنیادی چیز

ہے، کہ تمام انبیاومرسلین علیہم السلام نے اپنی قوموں کو عبادت وبندگی کے مسائل و احکام بعد میں سکھائے اور اس عقیدۂ توحید کی اصلاح پہلے کی۔

ماں باپ کا بنیادی فرض

ماں باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کے عقیدہ کو مسجد کے امام یا مدرسہ کے معلم کے رحم وکرم پر نہ چھوڑیں۔ بلکہ اپنی اولاد کی اصلاح وتربیت کے لئے اپنی مصروفیات سے کچھ وقت نکالیں، ان کے ساتھ بیٹھیں اور ان کے قلب و روح کو مخاطب کر کے ایمان وعقیدہ اور توحید ورسالت کی عظمتوں پر روزانہ ان سے مؤثر انداز میں کچھ نہ کچھ گفتگو کریں۔ شرک کے خطروں سے آگاہ کریں۔ انہیں شرک کی قسموں (شرک جلی اور شرک خفی ریا) کے بارے میں بتائیں۔ یہ کہہ کر نہ چھوڑ دیں کہ یہ سب کچھ انہیں معلوم ہے یا معلوم ہو جائے گا۔

عقیدوں سے غافل

بہت سے بچے مسلمان کے گھر پیدا ہونے کے بعد بھی ان عقیدوں اور ان عقیدوں کی عظمتوں سے جاہل رہتے ہیں۔ خصوصاً آج اس دور میں، جس میں ذرائع اِبلاغ اور رابطہ کے اسباب اپنے شباب پر اس درجہ پہونچے ہوئے ہیں، کہ ہندستان کے گاؤں میں رہنے والا آدمی بھی امریکہ اور لندن میں رہنے والے کا عقیدہ اختیار کر سکتا ہے۔ آج بدعقیدگیوں اور بداعمالیوں کی طرف کھینچنے والے ذرائع واسباب بہت زیادہ ہیں اور توحید ورسالت کی عظمتوں اور عقبیٰ وجنت کی طرف کھینچنے والے اسباب یا تو بہت کم ہیں یا نہ کے برابر۔ اور آج کل لوگوں کے

باطنی حالات یہ ہیں، کہ اندر سینے میں گناہ و برائی سے روکنے والا زَاجِر (جھڑکنے والا) نہیں ہے۔ضمیر مر چکے ہیں۔

حکایات وواقعات کا ذریعہ

اس لئے ماں باپ اور مُربیوں کی ذمہ داری ہے کہ اگرچہ بچے مسلمان کے گھر میں پیدا ہوئے ہیں، اس کے باوجود اپنے بچوں کے دلوں میں سب سے پہلے خالق و مالک کی عظمتیں، اس کی عظیم قدرتیں اور اس کے حبیب ﷺ کی عزت وعظمت اور خدا اور رسول کی محبت پیدا کریں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے رسول کی اطاعت کتنی ضروری ہے؟ اس کو بھی واقعات و حکایات کے ذریعہ بتائیں۔ تاکہ وہ عقیدہ کی مضبوطی کے ساتھ ساتھ عبادت کی ضرورت واہمیت کو سمجھ کر عبادت کے فرائض وقت پر انجام دیتے رہیں۔ اور یہ بات ان کو ضرور باوَر کرائیں اور ان کے دلوں میں بٹھائیں، کہ اللہ تعالیٰ ہر ظاہر و باطن اور ڈھکے چھپے کو دیکھتا اور جانتا ہے۔ وہ لطیف وخبیر بھی ہے اور رقیب وبصیر بھی ہے۔ وہ باریک سے باریک چیز سے بھی آگاہ اور خبردار ہے۔

دعا بھی اہم چیز

تربیتی کوششوں کے ساتھ ساتھ ماں باپ اور مربیوں کے لئے یہ بھی ضروری ہے، کہ وہ اولاد کے ایمان وعقیدہ کی حفاظت کے لئے اللہ عالیٰ سے دعا بھی کریں۔ کیونکہ ہم میں جو تربیت دے رہے ہیں اور جن کو تربیت دی جارہی ہے، ان میں کوئی معصوم نہیں ہے۔ اور جس وقت سے ہم گزر رہے ہیں، وہ وقت بھی

بہت خطرناک ہے۔معصوم پیغمبروں نے بھی اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ شرک و بدعت سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کی ہیں۔ جیسا کہ اَبُو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی:

وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ۔ (ابراھیم:۳۵)

ترجمہ: اے میرے کریم ومہربان رب! مجھے اور میری اولاد کو شرک اور اس کی گندگیوں سے بچا۔

یہ تھا ان کا تواضع اور خوفِ خدا۔ وہ نبی اور معصوم ہونے کے بعد بھی دعا کر رہے ہیں۔تو ہم پر تو بدرجہ اتم لازم ہے کہ ہم خود کو اور اپنی اولاد کو شرک و بدعقیدگی سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ کیونکہ شرک و بدعت اور الحاد و بے دینی ایسی گندگی ہے، جو ایمان کو تباہ کرنے کے ساتھ ساتھ عبادت کو بھی ختم کردیتی ہے۔لیکن آج اس میدان میں ماں باپ اور اولاد کے سرپرست بالکل غافل اور بے خبر ہیں۔ وہ سائنس اور ٹکنالوجی کے لئے بڑے بڑے اسکول و کالج اور کوچنگ سینٹر تلاش کرکے بڑی بڑی رقمیں خرچ کر رہے ہیں۔مگر اُس بنیادی تعلیم سے غافل ہیں، جو ان کی اور ان کی اولاد کے لئے جنت میں ابدی راحتوں کی بنیاد و اساس ہے اور قیامت میں ان سے پہلے اسی کے بارے میں پوچھا بھی جائے گا۔اسی خطرہ سے ڈرانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔ (پارہ:۲۸۔التحریم:۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم خود کو اور اپنی اولاد کو دوزخ کی اس آگ سے بچاؤ، جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔

اوراس جوابدہی کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں پہلے ہی آگاہ فرمادیا:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ۔

تم سب (سرپرست اپنی اولاد اور اپنے ماتحتوں کی تعلیم وتربیت کے) ذمہ دار ہواور (قیامت میں) تمہیں اس کا جواب بھی دینا ہے۔

چھوٹوں کی نگرانی

اس لئے ہر ماں باپ کی ذمہ دار ہے کہ وہ دین اور عقیدہ کے معاملہ میں اپنی اولاد پر بہت زیادہ دھیان دیں اور اس کا بہت زیادہ اہتمام کریں۔ نہ ان کو ان کی عقل وعلم کے سہارے نہ چھوڑیں اور نہ صرف حاکمانہ آرڈر کریں، کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو۔ یہ زمانہ سائنس وٹکنالوجی کا ہے، ہر بچہ سائنس وٹکنالوجی پڑھ رہا ہے، وہ ہر بات کو معقولی اور سائنٹفک طریقے سے سمجھنا چاہتا ہے۔ لہذا توحید ورسالت کی عظمتیں اور قدریں کیا ہیں؟ ان کو عبادت کی ضرورت کتنی ہے؟ یہ بات بچوں کو دلیل کی روشنی میں سمجھایئے۔ تاکہ ان کے دل ودماغ میں یہ بات آسانی سے اتر جائے۔ جیسا کہ حضرت لقمان نے پہلے اپنے بیٹے کو ایک حکم دیا: (لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ) پھر اس پر (اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ) سے سائنٹفک انداز میں ایک روشن دلیل پیش کی۔

عقیدہ کے بعد اعمال

جن چیزوں کی تعلیم وتربیت کو مقدم رکھنا ضروری ہے، ماں باپ اور مربیوں کو پہلے ان کی طرف توجہ دینا چاہئے۔ اولاد وطلبا کی وصیت ونصیحت میں دنیا کی

بہتری کے ساتھ ان کی آخرت کی طرف توجہ زیادہ ہونا چاہئے۔ الاہم فالاہم ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔ عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاقیات میں کس چیز کی تعلیم وتربیت کی طرف پہلے توجہ دینا چاہئے، اتنی لیاقت اور شعور ماں باپ اور مربیوں میں ہونا چاہئے۔ وہ اعمال اور عبادات کے مراتب ودرجات پہلے خود سمجھیں۔ جس کا درجہ ومرتبہ اہم اور مقدم ہے، اس کی تعلیم وتربیت اور اس کی نصیحت ووصیت مقدم کریں۔ جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور حکیم لقمان نے ایمان وعقیدہ کی درستگی کی وصیت پہلے کی۔ جیسا کہ گزرا۔ لہٰذا سب سے پہلے ایمان وعقیدے کی طرف توجہ دیں۔ ایمان کے بعد درجہ عبادت کا ہے۔ پھر اچھے معاملات اور حسن اخلاق کا۔

مزاج جداگانہ ہیں

اور تعلیم وتربیت میں اولاد وطلبا کے مزاج اور عادات واطوار میں اختلاف کا بھی خیال رکھا جائے۔ کیونکہ جس طرح انسان شکل وصورت میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں، اسی طرح مزاج اور عادات واطوار میں بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ جیسا کہ عربی کا مقولہ ہے:

اَلطَّبَائِعُ مُخْتَلِفَةٌ۔ انسانی طبائع وعادات مختلف ہوتی ہیں۔

اس لئے اپنے ایک بچے یا ایک طالب علم کو نصیحت کے لئے ایک مقام اور ایک وقت ہوگا، تو دوسرے کے لئے دوسرے وقت اور دوسری جگہ کا انتظار کرے۔ جب وصیت ونصیحت جداگانہ ہے تو وقت اور جگہ بھی جدا ہو۔ تو ایک دوسرے کے لئے زیادہ مؤثر ثابت ہوگی۔

کلمے رٹا دینا کافی نہیں

ہم پر لازم ہے کہ: اپنی اولاد وغیرہ کی تربیت میں جزئیات سے ہٹ کر کلیاتی امور یعنی عمومی طور پر جو ضروری باتیں ہیں، ان سے ان کی تعلیم وتربیت کا آغاز کریں۔ اور عقائد وعبادات میں انہیں صرف رسم ورواج پر نہ چھوڑیں، کہ ہم اور ہماری اولاد مسلمان کے گھر پیدا ہوئی ہے تو ہم مسلمان ہیں۔ بلکہ عقائد کی پختگی اور تعلیم کے بارے میں خود دھیان دیں اور دل وجان سے لگ کر عقائد ان کے قلب وروح میں بٹھانے کی کوشش کریں۔ کیونکہ جب بات دل سے نکلتی ہے تو دل میں گھر کرتی ہے۔ رسم وراوج کے طور پر کلمے اور دعائیں رٹا دینا ایمان کی پختگی کے لئے کافی نہیں ہے۔ جیسا کہ آج ہمارے سماج میں کلمے اور کچھ دعائیں رٹا دینا ہی مسلمان ہونے کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے۔

لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا
یہ عبادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے

تربیت کا صوفیانہ طریقہ

توحید ورسالت کی عظمتوں اور قدروں کو دلوں میں عاشقانہ اور جذباتی طور پر پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اعمال وعبادات کی، فرائض وشرائط اور سنتوں کے ساتھ ادائیگی میں وقت کی پابندی کے ساتھ ساتھ ان عبادات کے آداب کا بھی عادی بنائیں۔ مثلاً اگر نماز کی تعلیم دینا ہے، تو رسمی طور پر رکوع وسجود اور اٹھنے بیٹھنے کی ہی تعلیم نہ دے، بلکہ نماز جیسی اہم، اول اور افضل عبادت کی صحت کے لئے شریعت میں جو احکام بتائے گئے اور اس اہم عبادت کی قبولیت کے لئے

صوفیائے کرام نے جو آداب تعلیم فرمائے ہیں، دونوں کی روشنی میں عبادت کا عادی بنائیں۔

خدا کی وصیت

یہاں بات چل رہی تھی اس وصیت کی جو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو کی تھی، یعنی شرک نہ کرنے کی۔ جس کا ذکر مولیٰ کریم نے سورۂ لقمان میں فرمایا۔ اب چلتے چلتے اسی بحث میں اپنے خالق ومالک اپنے کریم مولیٰ کی وہ وصیت بھی پڑھ لو، جس میں اس نے قیامت تک آنے والوں بندوں کو چند کاموں کی وصیت کی اور ان پر عمل کرنے کا تاکیدی حکم فرمایا۔ جن میں بعض کرنے کے ہیں اور بعض نہ کرنے کے۔ بعض کا تعلق عقیدے سے ہے اور بعض کا تعلق عبادات و معاملہ سے۔ جن کا ذکر سورۂ انعام کی ان آیتوں میں ہے:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ لَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ وَ لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ [١٥١] وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ [١٥٢] وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ

عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ [۱۵۳]

(پارہ:۸ - الانعام: ۱۵۳-۱۵۲-۱۵۱)

ترجمہ: (اے حبیب) تم فرماؤ! آؤ! میں تمہیں پڑھ کر سناؤں (وہ احکام و اعمال) جو تم پر تمہارے رب نے حرام کیا، (وہ) یہ کہ اس کا کسی کو شریک نہ کرو، ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو، اپنی اولاد کو مفلسی و تنگ دستی کی وجہ سے قتل نہ کرو، ہم رزق دینگے تم کو بھی اور ان کو بھی، بے حیائیوں اور فحش باتوں کے قریب نہ جاؤ جو ان میں ظاہر ہیں اور جو ڈھکی چھپی ہیں اور جس جان کی اللہ تعالیٰ نے حرمت رکھی ہے اسے ناحق نہ مارو۔ یہ تمہیں حکم فرمایا ہے کہ تمہیں عقل ہو۔ اور یتیموں کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر بہت اچھے طریقہ سے جب تک وہ اپنی جوانی کو پہنچے اور ناپ تول انصاف کے ساتھ کرو، ہم کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتے مگر اس کے مقدور بھر، اور جب بات کہو تو انصاف کی کہو اگرچہ تمہارے رشتہ دار کا معاملہ ہو اور اللہ ہی کا عہد پورا کرو۔ یہ تمہیں تاکید فرمائی کہ کہیں تم نصیحت مانو۔ اور یہ کہ یہ ہے میرا سیدھا راستہ تو اس پر چلو اور (دوسری) راہیں نہ چلو کہ تمہیں اس کی سیدھی راہ سے جدا کردیں گی۔ یہ تمہیں حکم فرمایا کہ کہیں تمہیں پرہیزگاری ملے۔

یہ احکام عام ہیں

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے خطاب اپنے حبیب ﷺ سے فرمایا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ کچھ احکام ایک آدمی کے لئے ہوتے ہیں، کچھ ایک جماعت کے لئے، کچھ ایک بستی کے لئے، کچھ ایک ملک کے لئے اور کچھ احکام ایسے ہوتے ہیں، جو ساری دنیا کے کے لئے ہوتے ہیں۔ ایک آدمی سے متعلق احکام

راز داری سے بتائے جاتے ہیں، جماعت و بستی سے متعلق احکام لاؤڈ سپیکر سے اور ملک یا پوری دنیا سے تعلق رکھنے والے احکام ریڈیو یا ٹیلیویزن سے نافذ کئے جاتے ہیں۔ یہ دس احکام جو ان آیتوں میں بیان کئے گئے ہیں، یہ ساری دنیا کے انسانوں کے لئے ہیں۔ اسی لئے یہ اس ذات کی زبانِ نبوت سے نافذ کرائے گئے، جو ساری مخلوق کے لئے نبی بن کر آئے۔ (روح البیان)

میرے دینی بھائیو! ان آیتوں میں امت کیلئے ایسے احکام بیان کئے جارہے ہیں، جو دین و دنیا کی تمام بھلائیوں کے جامع ہیں۔ یہ ایسے احکام ہیں جو سیدنا آدم علیہ السلام سے لیکر ہمارے نبی ﷺ تک تمام دینوں میں جاری رہے۔ کسی بھی دین میں ان کے خلاف حکم نہ تھا۔ جو ان پر عمل کرے گا جنت میں داخل ہوگا اور جو ان کو ترک کرے گا دوزخ میں جائے گا۔ مولیٰ کریم ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

پہلی آیت (۱۵۱) میں اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کی وصیت کی، جن کا تعلق انسان کی اپنی ذات اور اپنے گھر والوں سے ہے۔ اور دوسری آیت (۱۵۲) میں ان باتوں کا حکم ہے، جن کا تعلق خاندان، قبیلہ، شہر، بستی والوں یا معاشرے سے ہوتا ہے۔ گویا دوسری آیت میں اصلاحِ معاشرہ کی وصیت کی گئی ہے۔ اب ہم وہ احکام تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

(۱) شرک نہ کرو

پہلا جو حکم اللہ تعالیٰ نے دیا، وہ ہے:

لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا ۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں شرک کو سب سے پہلے بیان فرمایا، کیونکہ کفر و شرک تمام

گناہوں میں سب سے بڑا گناہ، تمام محرمات کی جڑ اور اَکْبَرُ الْکَبائِر (تمام کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ) ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کسی کی کوئی عبادت قبول نہیں فرماتا۔ اللہ تعالیٰ کسی کا بھی کیسا بھی گناہ ہو معاف فرما دے گا، لیکن شرک ایسا گناہ ہے، جس کی بخشش نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورۂ نسا کی آیت (۴۸) میں فرماتا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ۔

ترجمہ: بیشک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے۔ اور کفر سے نیچے (کفر کے علاوہ) جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے۔ (پارہ:۵)

شرک کی قسمیں

شرک کی دو قسمیں ہیں: (۱) شرک جلی (۲) شرک خفی

شرک جلی: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی عبادت کرنا یا کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کے برابر کرنا یا سمجھنا یا اللہ تعالیٰ کو کسی کے برابر سمجھنا۔ جیسا کہ مشرک ستاروں، بتوں، فرشتوں اور جنوں کو خدا کے برابر سمجھتے تھے۔ یا یہود و نصاریٰ حرام و حلال میں اپنے بعض پوپ اور پادریوں کی خدا کے مقابلہ اطاعت کرتے تھے۔ تمام قسم کے شرک سے یہاں منع کیا گیا ہے۔

فائدہ: شرک نہ کرنا حرام نہیں بلکہ شرک کرنا حرام ہے، شرک سے بچنا تو فرض و واجب ہے۔ اسی لئے ان کو یہاں پر نہی کے صیغہ سے بیان فرمایا۔

شرک خفی: صوفیائے کرام فرماتے ہیں: بت پرستی اگر شرکِ جلی ہے، تو ریا کاری (دکھاوا) اور کریم کے ساتھ اغیار کو شریک کرنا شرکِ خفی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی اپنے کسی قرض، لالچ یا کسی اور مقصد یعنی شہرت، دکھاوا، طلبِ عزت یا جلبِ دولت کے بغیر کرو۔

بلکہ بعض حضرات فرماتے ہیں: بندگی جنت میں جانے یا دوزخ سے بچنے کے لالچ سے بھی نہ کرو، صرف اور صرف اپنے مولیٰ کی رضا کے لئے کرو۔

(۲) ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو

شرک کی حرمت بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی فرمانبرداری کو بیان فرمایا۔ کیونکہ انسان کے وجود کا سببِ حقیقی اگر اللہ تعالیٰ ہے، تو اس کے وجود کا سببِ مجازی اور سببِ قریب والدین ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حرمت شرک کے بعد حرمتِ عقوق یعنی والدین کی نافرمانی کی حرمت کو بیان فرمایا، کہ یہ شرک کے بعد اکبر کبائر ہے۔

اس لئے اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، ان کا ادب و احترام کرو، ان کی جسمانی اور مالی ہر طرح کی خدمت کرو اور جہاں تک ہو سکے ان کی خدمت اپنے ہاتھ سے کرو، اپنی اولاد یا نوکروں سے نہ کراؤ (مجبوری دوسری چیز ہے) اگر ان کو تمہاری جسمانی یا مالی خدمت کی ضرورت نہ بھی ہو تب بھی اپنی سعادت مندی سمجھ کر ان کی امیری میں بھی ان کی مالی خدمت کرو، تندرستی میں ان کے ہاتھ پیر دباؤ، ان کے جوتے سیدھے کرو، اگر وہ فاسق یا غیر مؤمن ہوں تب بھی ان کے دنیوی حقوق ادا کرو، ان کے عزیز و اقارب اور دوستوں کے ساتھ بھلائی کرو، ان کے بعد ان کے جائز طور وطریقے اور رسمیں جاری رکھو، انہیں دعائے خیر اور صدقات و خیرات میں یاد رکھو۔

(۳) مفلسی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو

عرب کے غریب لوگ اپنی کل اولاد (بیٹا ہو یا بیٹی) کو قتل کر دیتے تھے۔ اس خیال سے کہ ہم خود محتاج ہیں، انہیں کہاں سے کھلائیں گے؟ عرب کے رئیس و امیر لوگ اپنی بیٹیوں کو اس وجہ سے قتل کر دیتے تھے، کہ ہمارا کوئی داماد نہ بنے۔ بعض غریب لوگ بیٹوں کو قتل کر دیتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے، تا کہ جوان ہونے پر ان سے پیسہ کمائیں۔ وہ نادان غریبی و مفلسی کے خوف سے حرام کام کرتے تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اِن نادانوں کو روکا کہ اپنے بچوں کو قتل نہ کرو۔ ارے نادانو! تمہارے اور ان کے رزق کے ذمہ دار تو ہم ہیں۔ اس سے پہلے بھی ہم تمہیں اور تمہارے ماں باپ کو روزی پہنچاتے تھے۔ تم آزما چکے ہو تو آئندہ بھی تمہیں اور تمہاری اولاد کو ہم ہی روزی دیں گے۔

انسانی زندگی کے تین دور

دنیا میں آنے کے بعد انسان پر تین دور گزرتے ہیں۔

(۱) جب وہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے۔ تو وہاں کسی بھی انسان کا ہاتھ نہیں پہنچتا، وہاں اللہ تعالیٰ ہی اسے اپنی قدرت سے پالتا ہے۔

(۲) دودھ پینے کا زمانہ۔ اس وقت بھی انسان کھانے کمانے پر قادر نہیں ہوتا ہے، تب بھی ماں باپ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ہی اس کو پالتا ہے۔

(۳) جب وہ جسمانی قوت اور علم و عقل کا مالک اور کمانے کے قابل ہو جاتا ہے۔ مگر اس تیسرے وقت میں بھی رزاق روزی دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

رزق کا معنی و مفہوم

رزق کھانے کپڑے مکان ہی کا نام نہیں ہے، بلکہ رزق و روزی کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ ہوا بھی روزی ہے، دھوپ بھی روزی ہے، پانی بھی روزی ہے۔ ان کو انسان کہاں سے اور کیسے کماتا ہے؟ انسان جن چیزوں کی وجہ سے زندہ ہے۔ ان میں بعض ایسی ہیں کہ انسان کو نہ ان کے پاس جانا پڑے نہ انہیں کمانا پڑے، بلکہ وہ قدرت سے خود بخود اس کے پاس آتی ہیں۔ جیسے: دھوپ، ہوا وغیرہ۔ بعض چیزوں کے لئے اس کو جانا پڑتا ہے، لیکن کمانا نہیں پڑتا ہے۔ جیسے: پانی وغیرہ۔ اور بعض چیزیں ایسی ہیں جن کے پاس انسان کو جانا بھی پڑتا ہے اور انہیں کمانا بھی پڑتا ہے۔ جیسے: کھانے کی چیزیں۔

مگر ان تینوں قسموں کے حصول میں دست قدرت کی فیاضی اور اس کی رحمت کام کر رہی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورۂ ہود (۶) میں ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ (پ:۱۲)

ترجمہ: روئے زمین پر ایسا کوئی چوپایہ اور جاندار نہیں، جس کا رزق مولیٰ کریم اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر نہ ہو۔

ما آبروئے فقر قناعت نمی بریم — با پادشاہ بگوئی کہ روزی مقدر است

ہم اپنے فقر و قناعت کی آبرو کو ضائع نہیں کریں گے۔ زمانے کے امیروں سے کہہ دو کہ ہماری روزی مقدر ہے۔ (روح البیان، تفسیر نعیمی)

مولیٰ ہمیں بھی توکل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(۴) فواحش کے قریب نہ جاؤ

یعنی زنا اور زنا پر ابھارنے والے کاموں سے بچو۔ تیسرے حکم میں جس چیز (یعنی قتل اولاد) سے روکا گیا، اس میں نسل انسانی کا قطع تھا۔ اور اس چوتھے حکم میں جس چیز سے روکا جا رہا ہے (یعنی زنا) یہ نطفے۔ جو نسلِ انسانی کے اضافہ کا سبب ہے۔ کو ضائع و برباد کرنے کے ساتھ اور بہت سی بے حیائیوں کا جامع ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قتلِ اولاد کے بعد اس کی حرمت کو بیان فرمایا۔

زنا کے اسباب و دواعی

یہاں فواحش کو جمع کے صیغہ کے ساتھ بیان فرما کر زنا اور اس کے اسباب سے بچانا منظور ہے۔ اسی لئے (وَلَا تَقْرَبُوْا) بھی فرمایا گیا۔ یعنی: زنا بہت دور کی بات ہے، جو اس کے اسباب و دَوَاعی ہیں، ان کے بھی قریب نہ جاؤ۔ زنا خواہ اعلانیہ ہو (جیسے: زمانۂ جاہلیت میں ذلیل و کمین لوگوں نے زنا کے اڈے بنا رکھے تھے) یا خفیہ اور پوشیدہ (جیسا کہ اُس زمانے کے شریف کہلانے والے، جس کا ارتکاب کرتے تھے) دونوں سے بچو۔ حالانکہ آج کا زمانہ جو تہذیب وتمدن کا زمانہ کہلاتا ہے، سنا ہے: اس میں بھی ظالموں نے زنا کے اڈے بنا رکھے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ ہمیں اپنی نافرمانی سے بچائے۔ آمین

غرضیکہ مولیٰ کریم کا ہمارے لئے حکم ہے کہ ہم زنا کے ساتھ ساتھ زنا کے اسباب، جیسے: ناچ گانا، ڈانس (جیسا کہ آج شادی بیاہ میں ہو رہا ہے) اجنبی عورتوں کے ساتھ خلوت وتنہائی اور بے پردگی (جیسا کہ آفسوں، دفتروں، اسکولوں اور کالجوں میں دیکھا جا رہا ہے) لذت کے ساتھ اجنبی (غیر محرم) عورتوں کی تصاویر (فوٹو) دیکھنا، ان کے ویڈیو یا آڈیو گانے یا غزلیں سننا، بلا ضرورت اجنبی عورتوں کی آواز سننا، رومانٹک (عشقیہ) فلمیں دیکھنا (جیسا کہ یہ سب ملٹی میڈیا یا موبائل کے ذریعہ عمومًا ہو رہا ہے۔ خصوصًا ہماری نوجوان نسل بری طرح سے اِن حرام کاریوں میں مبتلا ہے۔) عشقیہ اور فحش ناولیں پڑھنا۔ یہ سب زنا کے اسباب و دواعی ہیں اور حرام ہیں۔ ان سے بچنا فرض وضروری ہے۔

خطرناک شہوت

شہوت صرف صورت دیکھنے ہی سے نہیں پیدا ہوتی ہے، بلکہ اجنبی عورت کی آواز سے بھی نفس میں ہیجانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی لئے علما فرماتے ہیں: تمام شہوتوں میں سب سے خطرناک عورت کی شہوت ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: شیطان مرد کے تین اعضا میں شہوت پیدا کرتا ہے۔ (۱) آنکھ (۲) دل (۳) شرمگاہ

اسی طرح عورت کے بھی تین اعضا میں شہوت پیدا کرتا ہے۔ (۱) آنکھ (۲) دل (۳) سرین (کولہے)۔ اسی لئے شریعت نے اس کے لئے پردہ کا حکم دیا ہے۔ (صید الخاطر، روح البیان، تفسیر نعیمی)

(۵) کسی انسان کو ناحق قتل نہ کرو

جیسے مؤمن، ذِمِّی (وہ غیر مسلم جو اسلامی سلطنت میں جزیہ دے کر رہتا ہو۔)، مُسْتَاْمِن (وہ غیر مسلم جو امان (ویزا وغیرہ] لے کر دار الاسلام میں آیا ہو۔)۔ یہ سب جانیں محترم ہیں۔ اور ان کو بلا وجہِ شرعی قتل کرنا حرام ہے۔ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۔ (پارہ:٦-المائدۃ:٣٢)

ترجمہ: جس نے کوئی جان بغیر جان کے بدلہ یا زمین میں فساد کے لئے قتل کی، تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا۔

یعنی اس نے خونِ ناحق کیا کہ نہ تو اس نے مقتول (جس کو قتل کیا) کو کسی خون کے بدلہ میں قصاص کے طور پر مارا، نہ شرک وکفر یا قطعِ طریق وغیرہ کسی مُوجِبِ قتل فساد کی وجہ سے مارا (تو گویا اس نے پوری انسانیت کو قتل کیا) کیونکہ اس نے حق اللہ کی رعایت اور حدودِ شرع کا پاس نہ کیا۔ (خزائن العرفان)

ہاں اگر کوئی شرعی وجہ ہو، جیسے: مرتد، بادشاہ اسلام کا باغی، شادی شدہ زانی، قاتل اور ڈاکو وغیرہ ان کا قتل سلطان اسلام کی طرف سے جائز بلکہ ضروری ہے۔

یہ پانچ حکم بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: [ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ] یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمہارے لئے وصیت اور تاکیدی حکم ہے۔ تاکہ تم اپنے خالق ومالک کے حکم کی اطاعت کرو اور اس کے احکام کو سمجھنے میں اپنی عقلوں کو استعمال بھی کرو۔

عارفانہ وصیت

ہم یہاں پر قتلِ حق کی نسبت سے مقتول فی سبیل اللہ۔ جو اللہ تعالیٰ کی محبت یا اس کے راستے میں مرتے ہیں، وہ ہمیشہ زندہ ہیں مرتے نہیں۔ کے مقام کو بھی بتانا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورۂ بقرہ (١٥٤) میں فرماتا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ (پ:٢)

ترجمہ: اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔

شہید محبتِ الٰہی (حکایت)

حضرت ابوسعید فراث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں مکہ میں مقیم تھا، ایک دن میں بابِ بنی شَیْبَہ سے گزرا، تو میں نے ایک حسین خوبصورت نوجوان کو قتیلِ محبت (محبت کی تلوار سے شہید) مرا ہوا دیکھا۔ جب میں نے اس کے چہرہ پر نظر ڈالی، تو وہ میری طرف دیکھ کر مسکرانے لگا اور بولا: اے ابوسعید! تعجب کر رہے ہو! کیا تم جانتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دوست مرنے کے بعد زندہ رہتے ہیں۔ ان کی موت تو بس اتنی ہے کہ وہ ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔

مشو بمرگِ زِ امدادِ اہل دل نومید — کہ خواب مردمِ آگاہ عینِ بیدارست

یعنی دل والوں اور اللہ والوں کی وقتِ موت کے سبب ان کی امداد واعانت سے مایوس و ناامید نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ومحبت اور مراقبہ میں رہنے والے کی نیند بھی بیداری ہے۔ (روح البیان وتفسیر نعیمی)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دل والا اور دل والوں سے محبت کرنے والا بنائے۔

عقل ودلیل والے مرجاتے ہیں لیکن عشق ومحبت اور دل والے نہیں مرا کرتے۔ اسی لئے ہم غلامانِ مصطفیٰ (يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُنْظُرْ حَالَنَا ، اَغِثْنَا يَا رسول الله اور يَا غَوْثُ المدد) کے ذریعہ اِسْتِغَاثَہ اور اِسْتِعَانت کرتے ہیں۔ کیونکہ: ؎

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ — مری چشمِ عالم سے چھپ جانے والے

عاشقانہ نکتہ: جب نبی کے دیوانے (يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُنْظُرْ حَالَنَا ، اَغِثْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰه) کہتے ہیں، تو بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں:

نبی ﷺ تو مدینے میں ہیں، ہند میں کیسے مدد کریں گے؟ ہمارا سلام وہاں کیسے سنیں گے؟ تو صوفیائے کرام ان کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ہمارے نبی ﷺ کی دو حالتیں یا دو شانیں ہیں:

(۱) شانِ نور (۲) شانِ بشریت

ان دونوں شانوں کی طاقت وجلوہ گری علیحدہ علیحدہ ہے۔ نبی ﷺ جب مدینہ سے حج کرنے مکہ جائیں تو یہ تین سو میل کا فاصلہ اونٹوں کے ذریعہ گیارہ دن میں طے ہو، یہ آپ کی حالتِ بشریت ہے۔ مگر جب معراج کو تشریف لے جائیں، تو حرمِ کعبہ سے بیت المقدس پھر وہاں سے ساتوں آسمان اور کرسی وعرش کے آگے کروڑوں اربوں میل کا فاصلہ آنِ واحد (ایک لمحہ) میں طے فرمالیں، یہ آپ کی شانِ نورانیت ہے۔

دو وقت کھانا تناول نہ فرمائیں، تو چہرہ پر کمزوری کے آثار ظاہر ہو جائیں، مگر صومِ وصال میں عرصہ تک کچھ نہ کھائیں، تو بالکل کمزوری محسوس نہ ہو۔ وہ بشریت کی حالت ہے اور یہ نورانیت کی شان ہے۔ عبرانی زبان کا ترجمہ زید بن ثابت سے کرائیں مگر لکڑیوں، کنکروں، پتھروں اور جانوروں کی بولی بغیر ترجمان کے سمجھ لیں۔ وہ بشریت کی حالت ہے اور یہ نورانیت کی شان ہے۔ بازار سے کوئی چیز منگوائیں تو کسی کو بھیج کر منگوائیں، لیکن جب مصلے پر کھڑے ہوں تو ہاتھ بڑھا کر جنت کی چیزیں حاصل کرلیں۔ اول بشریت کی حالت ہے دوم نورانیت کی شان ہے۔ (تفسیر نعیمی)

ہم غلاموں کے گھروں میں پیارے نبی ﷺ محافلِ میلاد میں شانِ نورانیت سے جلوہ فرماتے ہیں۔ ایسے ہی ہماری اعانت ومدد شانِ نورانیت سے

فرماتے ہیں۔ جب آپ کے مقامِ عبدیت اور مقامِ رسالت ومقامِ محبوبیت میں فرق کرکے دیکھو گے، تو ہر چیز سمجھ میں آجائے گی۔ کوئی خلجان باقی نہ رہے گا۔

(۶) یتیموں کے مال کے قریب نہ جاؤ:

اس میں یتیموں کے وارثوں اور ان کی پرورش کرنے والوں بلکہ سارے انسانوں سے خطاب ہے کیونکہ یتیم کا مال مارنا سبھی کے لئے حرام ہے۔ اور قریب نہ جانے سے مراد یہ ہے کہ یتیم کے مال کو برباد کرنے اور بربادی کے اسباب، سب سے بچا جائے۔

یتیم کا مال وہ ہے، جو اسے میراث میں ملا ہو یا اسے کسی نے دیا ہو یا اس نے خود کمایا ہو۔ انسانوں میں یتیم وہ نابالغ بچہ ہے، جس کا والد فوت ہو گیا ہو۔ جیسا کہ جانوروں میں وہ چھوٹا شیر خوار بچہ یتیم ہوتا ہے، جس کی ماں مرگئی ہو۔

خلاصۂ کلام

اللہ تعالیٰ کے اس حکم کا خلاصہ یہ ہے: اے لوگو! تم یتیم بچوں کے مال کے قریب نہ جاؤ، اسے ہاتھ بھی نہ لگاؤ یعنی اسے استعمال نہ کرو۔ ہاں وہ استعمال جو اس یتیم کے لئے مفید ہو تو کرسکتے ہو۔ مثلاً: تجارت میں لگانا، اس کی زمین کاشت پر لگانا، دوکان کرایہ پر اٹھانا وغیرہ۔ یتیم کا ولی یا سرپرست یتیم کے مال میں ایسا کوئی تصرف نہیں کرسکتا جس میں یتیم کا نقصان ہو۔ یہاں تک کہ یتیم کے نکاح شادی وغیرہ بھی دھوم دھام اور فضول خرچی سے نہیں کرسکتا۔ اِس مال سے اس کا ولیمہ نہیں کرسکتا۔ یتیم بچی ہے تو شان وشوکت کے لئے غیر مفید چیز نہیں دے سکتا ہے۔ یتیم کے ماں باپ کا تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں وغیرہ یتیم کے مال

سے نہیں کر سکتا۔ اگر ایسا کیا، تو یہ کھانا سب کے لئے حرام ہوگا۔ کھانے والے اپنے پیٹ میں خدا کے حکم کے مطابق دوزخ کی آگ بھریں گے۔ یتیم کے مال میں نہ زکوٰۃ فرض ہے نہ قربانی۔ یتیم بچہ اپنے مال سے نہ کسی کو نفلی صدقہ وخیرات کر سکتا ہے نہ کسی کو ہبہ۔ اگر کرے گا تو اسے قبول کرنا حرام ہے۔

اگر کوئی سور، کتا، بلی وغیرہ کھالے تو یہ حرام ہے، مگر ایسا حرام کہ اس سے توبہ کر لے، تو توبہ سے معاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کسی عام انسان کا حق مارنا بھی حرام ہے، مگر ایسا حرام جو صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتا۔ ہاں اگر حق والا معاف کر دے تو یہ بھی معاف ہو جاتا ہے۔ مگر یتیم کا مال کھانا ایسا حرام ہے کہ نہ یہ توبہ سے معاف ہو، کیونکہ یہ حق العبد ہے۔ اور نہ یتیم کے معاف کرنے سے معاف ہو، اس لئے کہ یہ بچہ ہے، اور بچہ کی معافی معتبر نہیں۔

اب اندازہ لگایئے کہ یتیم کے مال کا حکم کتنا سخت ہے؟ اس کو ہر شخص غور سے پڑھے اور اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچائے۔ خاص طور سے وہ لوگ جو نیاز وفاتحہ میں یتیم کے مال کو اڑا دیتے ہیں۔

(۷) ناپ تول میں انصاف کرو

اس میں دو حکم دیئے گئے ہیں:

(۱) انصاف سے ناپو (۲) انصاف سے تولو

ان دونوں حکموں کا تعلق بھی عام لوگوں سے ہے۔ ان دونوں میں خیانت کرنا بھی ایسے گناہ ہیں، جو توبہ سے معاف نہیں ہوتے ہیں، کہ اس میں بندوں کا حق ہے۔ اور اس میں معاف کرانا ممکن نہیں، کیونکہ نہ جانے اس نے کس کس کو ناپ تول میں کم کر کے دیا ہے۔ اب وہ معاف کرائے، تو کیسے؟ اور کس سے؟

اس کا گناہ بھی یتیم کے مال کے گناہ کی طرح ہے۔

اس آیت کو وہ لوگ بہت غور سے پڑھیں، جو دودھ، گھی، آٹا، بیسن، تیل، مصالحوں وغیرہ میں ملاوٹ کرتے ہیں۔ اب تو سنا ہے کہ دوائیاں بھی نقلی دی جارہی ہیں۔ یاد رکھو جس طرح ناپ تول میں کمی کرنا جرم اور حرام ہے، ایسے ہی مال میں ملاوٹ کرنا بھی جرم وحرام ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے میں بھی حقدار کو حق سے کم پہنچتا ہے۔ جو جتنی ملاوٹ کر رہا ہے، وہ اتنا زیادہ گراہک کا حق مار رہا ہے۔ حال یہ ہے کہ اگر ایسا کرنے سے منع کرو تو کہتے ہیں: سبھی ایسا کر رہے ہیں۔ تو سنو! دنیا کچھ بھی کرے، لیکن ایک مسلمان کے پیش نظر دنیا سے پہلے آخرت کی زندگی ہوتی ہے۔ مسلمان کو غیر مسلم کے دیکھا دیکھی ایسا کام نہیں کرنا چاہئے۔ مسلمان کے دل ودماغ میں ہر وقت یہ تصور قائم رہنا چاہئے کہ خدا دیکھ رہا ہے۔ اور اسے روزِ قیامت اپنی ہر کرنی کا رتی رتی کا حساب دینا ہے۔ دودھ میں پانی ملاتے وقت یا دیسی گھی میں ولایتی گھی ملاتے وقت گراہک اگرچہ نہیں دیکھ رہا ہے، مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ خدا دیکھ رہا ہے۔

خدا تو دیکھ رہا ہے

سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک رات مدینہ میں گشت کر رہے تھے۔ تو ایک گھر سے ماں بیٹی کے مندرجہ ذیل مکالمہ کی آواز آپ کو سنائی دی:

ماں: بیٹی! اٹھ جلدی سے دودھ میں پانی ملا دے، صبح نہ ہو جائے۔

بیٹی: خلیفۃ المسلمین نے دودھ میں پانی ملانے سے منع کیا ہے۔

ماں: خلیفہ دیکھ تھوڑی رہے ہیں۔ (جو پانی ملانے سے ڈر رہی ہے۔)

بیٹی: اماں! خلیفہ نہیں دیکھ رہے ہیں تو کیا ہوا، خدا تو دیکھ رہا ہے۔

اس لڑکی کا ضمیر زندہ تھا، دل میں خوفِ خدا تھا۔ اسی لئے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے نہ ہونے کے باوجود ان کے حکم پر عمل کر رہی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ۔ جو ہر وقت ہمیں دیکھتا ہے۔ کا خوف ہر شخص کے اندر کتنا ہونا چاہئے؟ مولیٰ کریم ہمیں اپنا خوف وخشیت عطا فرمائے اور برے کاموں سے بچائے۔

اسی طرح خراب مال کو اچھا بتا کر بیچنا بھی جرم ہے، کہ اس میں بھی حقدار کا حق مرتا ہے۔ اس آیت کو وہ تاجر، دکاندار، پھل فروش وغیرہ، جو خریدنے والے کو عمدہ چیز دکھا کر ردی اور گھٹیا دیتے ہیں، خاص طور سے بار بار پڑھیں اور عبرت حاصل کریں۔

فائدۂ عظیمہ: وہ حضرات بھی یہ آیت بہت غور سے پڑھیں، جو سودا سلف خریدتے وقت دکاندار سے زبردستی نیچا تول کر لیتے ہیں، خاص طور سے گوشت اور ترکاری خریدنے والے، کہ یہ تو اکثر نیچا تَولواتے ہیں۔ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ بجائے نیچا تولوانے کے پہلے ہی قیمت میں رعایت کرالیں۔ اگر بیچنے والے کو ناپ تول میں کمی کرنا جرم ہے، تو دکاندار سے نیچا تولوانا بھی حرام ہے۔ ہاں اگر دکاندار خود نیچا تول کر دے، تو اس کو لینا جائز ہے۔ اس لئے کہ زائد اس کی طرف سے ہدیہ ہے جو لیا جا سکتا ہے۔ (تفسیر نعیمی)

ہاں ناپ تول میں کوئی ایسی کمی وزیادتی جو قصدا نہ کی ہو، غیر محسوس طور پر ہو جائے، تو وہ معاف ہے۔ اب اگر بڑی ناپ تول میں احتیاط سے کام لینے کے باوجود تولہ دو تولہ کی کمی بیشی ہو گئی، تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی بھی جان یا ذات پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ جیسا کہ

اسی آیت میں آگے وہ خود فرماتا ہے:

لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۔ (پارہ:۸۔الانعام:۱۵۲)

ترجمہ: ہم کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتے مگر اس کی طاقت بھر۔

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے بندوں کو ان کی طاقت سے زیادہ احکام کا مکلف نہیں کرتا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر احسان ہے۔

(۸) ہمیشہ حق کے طرفدار رہو

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو چوتھا حکم دیا ہے، وہ ہے: (وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى) اس ایک جملہ میں دین کے بیشمار مسائل بیان کردئے گئے ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس ایک جملہ میں احکامِ شریعت کے دریا بہہ رہے ہیں۔ ہر شعبہ اور ہر سوسائٹی کا آدمی (خواہ وہ وقت کا حاکم و بادشاہ ہو یا گھر کا گارجین وسرپرست، کسی مدرسہ کا مدرس ہو یا کسی اسکول کا ٹیچر، علومِ دینیہ کا عالم ہو یا دارالافتا کا مفتی، خانقاہوں میں بیٹھے ہوئے مرشد و پیر ہوں یا واعظ وخطیب) اس آیت کے حکم کو اپنے سامنے رکھے، پھر غور کرے کہ اس کی زندگی کے قول وفعل اِس حکم خدا کے مطابق ہیں یا نہیں؟

خلاصہ یہ کہ واعظ ومقرر جب وعظ وتقریر کریں، تو عدل وانصاف کے ساتھ کریں۔ گڑھی ہوئی جھوٹی روایتیں نہ بیان کریں یا صرف لطیفے اور چٹکلے نہ چھوڑیں۔ یا صرف خود کو مقبول بنانے، عوام کو خوش کرنے یا ان سے بڑی بڑی رقمیں وصول کرنے کے لئے وعظ وتقریر نہ کریں۔ ایسے ہی عالم ومفتی جب فتویٰ دیں، تو کسی کی رعایت نہ کریں۔ اپنا ہو یا پرایا۔ جو حق ہو وہی بتائیں۔ گواہ گواہی دیں تو سچی گواہی دیں۔ کسی کی مروت یا لالچ میں جھوٹی گواہی نہ دیں۔ فیصلہ

کریں تو حتمی انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں۔ کسی کی رو رعایت نہ کریں۔ اگر دو مؤمن آپس میں لڑ رہے ہوں تو اس میں انصاف کریں، بے جا الزام نہ لگائیں۔

استاد و مرشد کا عدل

عالم و مدرس درس دیں تو عدل و انصاف کے ساتھ درس دیں۔ اِدھر اُدھر کی لگا کر طلبہ کو خوش نہ کریں۔ مرشد و پیر مالدار مریدوں کو خوش کرنے یا ان سے بڑے بڑے نذرانے وصول کرنے کے لئے نہ خلاف شرع باتیں کریں نہ خلاف شرع کام کریں اور نہ اپنے سامنے خلاف شرع کام روا رکھیں۔

اس آیت کو وہ لوگ بھی بہت غور سے پڑھیں، جو اپنے عیب چھپانے کے لئے جھوٹی تاویلیں اور حیلے بہانے کرتے ہیں۔

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ رشوت لے کر یا کسی قرابتدار و عزیز یا مالدار کی مالداری کی رعایت کر کے غلط فتویٰ دینا یا جھوٹی گواہی دینا یا غلط فیصلہ کرنا سب حرام ہے۔ (تفسیر نعیمی)

(۹) اللہ تعالیٰ سے کیا عہد پورا کرو

ایفائے عہد اور کئے ہوئے وعدوں کا پورا کرنے کا قرآن کریم میں بار بار ذکر کیا گیا ہے۔ حدیث شریف میں بھی ایفائے عہد اور وعدے پورے کرنے کی سخت تاکید آئی ہے۔ حتیٰ کہ وعدہ پورا نہ کرنے والے کو منافق کہا گیا ہے۔

آیت میں ''عہد اللہ'' سے مراد وہ اوامر و نواہی ہیں ہے، جو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر نافذ فرمائے ہیں۔ یعنی اس کے وہ احکام جو نبی ﷺ کے ذریعہ بندوں کو ملے۔ یا وہ عہد و پیمان اور وعدہ، جو اللہ تعالیٰ کو ضامن بنا کر ایک بندہ نے

دوسرے بندہ سے کیا۔ ہمیں حکم یہ ہے کہ ہم یہ عہد و پیمان پورے کریں۔ مولیٰ کریم اپنے فضل سے ہم سب کو وعدہ وفا کرنے کی توفیق دے۔ (تفسیر نعیمی)

پہلے تو عام لوگ یا پیشہ ور (رنگائی پتائی، تعمیرات یا دیگر دنیوی پیشے والے) لوگ ہی وعدہ خلافیاں کرتے تھے۔ مگر اب تو حال یہ ہے کہ وہ لوگ جو دینی رہبر کہلاتے ہیں، دینی مجلسوں میں شرکت کے وعدے کرتے ہیں، ذرہ جھٹکے اور ذرا سے لالچ میں قرآن وحدیث کی آیتیں وحدیثیں اچھی اچھی لَے میں سنانے والے قرآن وحدیث کی تاکیدی احکام کی دھجیاں اڑا کر وعدہ خلافیاں کر رہے ہیں۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ جس شخص سے وعدہ کیا جائے اس کا پورا کرنا بہت ضروری ہے۔ خواہ مرید اپنے شیخ سے کرے یا کسی اور سے۔

اس سے وہ مرید عبرت حاصل کریں، جو مرید ہوتے وقت پیر سے دسیوں وعدہ کرتے ہیں اور پیر پیر کے نعرے لگاتے ہیں، لیکن پیر سے کیا ہوا ایک بھی وعدہ پورا نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں بھی احکام بیان فرما کر (ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ) فرمایا اور دوسری آیت میں بھی احکام بیان فرما کر (ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ) فرمایا۔ یہ احکام ایسے ہیں جو کسی بھی زمانہ اور کسی بھی امت میں نہ بدلے نہ منسوخ ہوئے، بلکہ ان احکام پر تمام دینوں کا اجماع رہا ہے۔

فرمانِ امام المفسرین

سیدنا عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں: یہ آیات، آیات محکمات ہیں۔ یہ سب ام الکتاب ہیں۔ تمام کتابوں میں ان آیات میں مذکور احکام میں سے کوئی چیز

منسوخ نہیں ہوئی۔ یہ سب بنی آدم پر حرام رہے۔ جوان پر عمل کرے گا، جنت میں جائے گا اور جوان کو ترک کرے گا، دوزخ میں داخل ہوگا۔ (صاوی)

اورحق یہی ہے جوامام المفسرین فرمارہے ہیں۔ یہ احکام، جوام الکتاب ہیں، اگر بہت گہرائی اور باریکی سے غور کرکے دیکھا جائے، تو ان پر وہی شخص کھرا اتر سکتا ہے، جس پر ہروقت یہ تصور غالب ہو کہ ''خدا دیکھ رہا ہے۔''

کیونکہ عبادت کا ادا کرنا بھی آسان ہے اور عبادات کا درست کرنا بھی آسان ہے۔ لیکن معاملات کی باریکیوں کو سمجھنا، پھران کو درست کرنا پھران پر کھرا اترنا بہت مشکل کام ہے۔ اکثر لوگ اس میں فیل ہوجاتے ہیں۔ خاص طور سے اس زمانے کی تعلیم، جس کا مقصد طلبِ شہرت، طلبِ دولت اور طلبِ عزت کے علاوہ کچھ نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ یہ احکام تاکیدی بار بار [وَصّٰكُمْ] فرما کر وصیت کے ذریعہ بیان فرما رہا ہے۔

اعمال کی ناپ تول آج ہی کرلو

اِس حقیر نے یہ احکام کچھ تفصیل سے بیان کردیئے، تاکہ ہمارے دینی بھائی اپنی زندگی کے اعمال کی ناپ تول مرنے سے پہلے زندگی ہی میں کرلیں اور جس کو نہ کرسکیں اس کی وصیت کردیں۔ زندگی میں جو تقصیرات و کوتاہیاں ہوئی ہیں یا جیسے گناہ ہوئے ہیں، اس طرح کی نیکی کرلیں یا اس کا کفارہ ادا کردیں یا کفارہ ادا کرنے کی وصیت کردیں۔ تاکہ قیامت میں گناہوں کا پلہ نیکیوں سے بھاری نہ ہو جائے۔ لیکن یہ ممکن اسی وقت ہے جب ہم اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے صحابہ کی سیرت پڑھیں۔ کیونکہ اللہ پاک کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اور آپ

کے پیارے صحابہ کی زندگیاں اِن احکام کی عملی تفسیر تھیں۔ خواہ وہ یتیموں کی پرورش ہو یا خرید وفروخت، وعظ ونصیحت ہو یا حق گوئی و ایفائے عہد، عدل و انصاف ہو یا شہادت وفیصلہ وہ نفوس قدسیہ ہر معاملہ میں قیامت تک کے لئے ہمارے لئے عملی نمونے چھوڑ گئے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے دل و دماغ پر یہ تصور قائم کردیا تھا کہ: ''خدا دیکھ رہا ہے۔''

خدائی وصیت

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کلامِ مقدس میں ارشاد فرماتا ہے:

وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ.

(پ:۲۱۔لقمان:۱۴)

ترجمہ: اور ہم نے آدمی کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید فرمائی، اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری جھیلتے ہوئے اسے پیٹ میں رکھا۔ اور اس کا دودھ چھوٹنا دو برس میں ہے، یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا، آخر (تجھے) مجھ تک ہی آنا ہے۔

ذکر چل رہا تھا حضرت لقمان کی ان چند وصیتوں کا جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی تاقیامت رہنمائی کے لئے قرآن میں بیان فرمادیا۔ اور جس سورت میں حضرت لقمان کی وصیتوں کو بیان فرمایا، اس سورت کا نام ہی سورۂ لقمان قرار پایا۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیت میں سب سے پہلے شرک سے منع فرمایا۔ ان کی وصیتوں کے بیچ میں اللہ تعالیٰ اس آیت کے ذریعہ

تمام انسانوں کو ان کے والدین کے سلسلے میں بذاتِ خود وصیت فرما رہا ہے۔ اس میں مُوصِی (وصیت کرنے والا) اللہ تعالیٰ ہے۔ مُوصٰی لَہٗ (جس کو وصیت کی جا رہی ہے وہ) انسان ہے۔ اور مُوصٰی بِہٖ (جس کے بارے میں وصیت کی جا رہی ہے وہ) ماں باپ ہیں۔ اور اس وصیت کی صورت اور طریقہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اللہ تعالیٰ کے بعد خاص طور سے اپنے ماں باپ کا احسان مند رہے۔ یعنی ان کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ اور ماں باپ میں بھی خاص طور سے ماں کے ساتھ۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

ایک صاحب نے عرض کیا: سرکار (ﷺ) ہمارے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آقا ﷺ نے فرمایا: اُمُّکَ (تمہاری ماں) دوبارہ عرض کیا: حضور پھر کون؟ تو آقا ﷺ نے فرمایا: تمہاری ماں۔ تیسری مرتبہ سوال کیا: حضور پھر کون؟ جواب ملا: تمہاری ماں۔ پھر چوتھی مرتبہ فرمایا: ثُمَّ اَبَاکَ (چوتھے نمبر پر تمہارے باپ۔)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں خدمت اور حسن سلوک کی زیادہ مستحق ہے۔ اس کی کچھ وضاحت ہم نے اپنی کتاب ''سعادت مند اولاد'' میں کی ہے۔

آیت کا مطلب

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے انسان! پہلے تو میرا شکر گزار بندہ بن۔ کیونکہ تجھے میں نے پیدا کیا اور تجھے اسلام کی ہدایت دی۔ پھر اپنے ماں باپ کا۔ اس لئے کہ انہوں نے بچپن میں تیری پرورش کی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر کے ساتھ ماں باپ کے شکر کو متصل اور ملا کر اس لئے بیان فرمایا کہ: انسان کے وجود

حقیقی کی اصل اللہ تعالیٰ کا فضل اور کرم اس کا احسان ہے اور انسان کے وجودِ مجازی کی اصل اس کے ماں باپ ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا جو شکر ہے وہ شکر حقیقی ہے کہ: حقیقی نعمتیں اسی کی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کا شکر شکر مجازی ہے۔ کیونکہ دوسروں کی نعمتیں بھی مجازی ہیں۔ جیسا کہ حقیقی حمد وتعریف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر: اللہ تعالیٰ کی تعظیم وتکریم کے ساتھ عبادت وبندگی کرنا اور ہر نعمت کو دل سے اسی کی طرف سے جاننا وغیرہ۔

ماں باپ کا شکر: والدین کی تعظیم وتوقیر کرنا، ان کے ساتھ شفقت ومہربانی اور نرمی سے پیش آنا اور ضرورت پڑنے پر ان کی مالی وجسمانی خدمت کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں والدین کے حق کو اپنے حق کے ساتھ بیان فرما کر ماں باپ کی عظمت کو بیان فرما دیا۔

غور کرنے کا مقام

اے انسان! اللہ پاک کی اس وصیت پر غور کر: اس نے اپنے حق توحید کے بعد ماں باپ کے حقوق کی وصیت فرمائی۔ اور تیری اولاد کو حکم دیا کہ وہ تیرے ساتھ حسن سلوک کرے اور تیرے حق کو پہچان کر تیرے حقوق کی رعایت کرے۔ کیسا غافل ہے نادان انسان؟ مولیٰ کریم تو اس کے حقوق کی رعایت اور ان کی ادائیگی کیلئے اپنے حق کے ساتھ ماں باپ کے حقوق کا حکم دے رہا ہے۔

اور ایسا قرآن پاک میں ایک جگہ نہیں ہے بلکہ بار بار ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ سورہ بقرہ آیت (۸۳) میں فرماتا ہے:

ترجمہ: یاد کرو وہ وقت جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد و پیمان لیا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

سورۂ نساء آیت (۳۶) میں فرمایا:

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۔ (پ:۵۔سورۂ نسا:۳۶)

ترجمہ: اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

سورۂ انعام آیت (۱۰۱) کی تفسیر گزر چکی ہے۔ سورہ اسراء میں فرمایا:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۔

ترجمہ: تمہارے رب نے فیصلہ کیا کہ اس کے علاوہ کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ (پ:۱۵۔سورۂ اسرا:۲۳)

یہ چند مقامات ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے بار بار اپنے حق توحید کے ساتھ ماں باپ کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کو بیان فرمایا۔

ہر انسان کو چاہئے کہ اس حکم اور اس وصیت کے ایک ایک لفظ اور کلمہ پر غور کرے۔ جیسا کہ اسی آیت (وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ) میں لفظ انسان کا ذکر ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے (وَ وَصَّيْنَا الْمُؤْمِنَ اَوِ الْمُسْلِمَ) نہیں فرمایا۔ یعنی یہ حکم صرف اہلِ اسلام (مسلمانوں) کے ساتھ خاص نہیں۔

کبھی نہ ساقط ہونے والا حق

اور الانسان (الف لام کے ساتھ) فرمایا یعنی ہماری یہ وصیت جنس انسان کو ہے یہ حکم ہر انسان کو شامل ہے۔ اس کا دین، اس کی نسل، اس کا جسم اور اس کی زبان اگرچہ مختلف ہو۔ حاصل یہ نکلا کہ: ماں باپ کا حق اختلاف دین کے باوجود

باقی رہتا ہے۔ جب اختلاف دین کے باوجود یہ حق ساقط نہیں ہوتا، تو کسی اور اختلاف کی وجہ سے کیسے مارا جائے؟ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے:

سیدہ اسما بنت ابی بکر سے روایت ہے، فرماتی ہیں: میری ماں حالتِ شرک میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں میرے پاس آئیں۔ تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: سرکار! میری ماں میرے پاس آئیں ہیں، اور وہ اسلام کی طرف مائل ہیں، تو کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہوں؟ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! صِلِيْ اُمَّكِ (تم ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔)

یہ حدیث مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ہے یعنی اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کو نقل فرمانے کے بعد امام خطابی فرماتے ہیں: جس طرح سے مؤمن، مؤمنہ کے ساتھ مالی صلہ رحمی کی جائے گی، اسی طرح غیر مؤمن اور مؤمنہ کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم باقی رہے گا۔ اور اسی سے ثابت ہوا کہ غیر مؤمن ماں باپ کا نفقہ وخرچہ اولاد پر وجوباً ثابت ہوگا اگرچہ اولاد مؤمن ہو۔

ایک نکتہ: ان آیتوں میں ایک بات اور غور کرنے کی ہے، کہ: اللہ تعالیٰ نے اولاد کو ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت تو فرمائی اور بار بار فرمائی ہے۔ لیکن ماں باپ کو اولاد کے ساتھ شفقت و نرمی کا برتاؤ کرنے کی وصیت نہیں فرمائی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے دل فطری طور پر اولاد کی طرف مائل کردئے ہیں، جس کی وجہ سے انہیں اس کا حکم دینے کی ضرورت نہیں، وہ از خود اس فعل کو انجام دیتے ہیں۔ لیکن اولاد میں یہ میلان اور یہ جھکاؤ فطری طور پر نہیں پایا جاتا، اس لئے اولاد کو سختی کے ساتھ بار بار ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی۔ یہاں تک کہ ماں باپ کے شکر اور حسن سلوک کو اللہ تعالیٰ

نے اپنی عبادت، اپنے حق اور اپنے شکر کے ساتھ بیان فرمایا۔ ایک حدیث میں آیا ہے:

مَن لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللهَ ۔ (روح البیان)

جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر گزار نہیں ہوتا۔

اس حدیث میں ماں باپ اور دوسرے محسنوں کے شکر کو خدا کے شکر کی صحت کے لئے شرط قرار دیا۔ یعنی جب بندہ اپنے دنیا کے محسنوں کا شکر ادا کرے گا تبھی اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بنے گا۔

ماں کی مشقت زیادہ

پہلے (وَ وَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ میں) تو اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے ساتھ عمومی طور پر حسن سلوک کا حکم دیا۔ مگر آگے (حَمَلَتْهُ أُمُّهُ میں) ماں کا ذکر خصوصی طور پر علیحدہ فرمایا۔ ایسا اس لئے کیا کہ: ماں کا حق عظیم اور اس کی قدر ومنزلت زیادہ ہے۔ کیونکہ اس نے حمل سے لے کر پیدائش اور دودھ پلانے کی مدت تک ضعف پر ضعف، شدت پر شدت، مشقت پر مشقت اور پریشانیوں پر پریشانیاں برداشت کیں۔ ان تمام چیزوں پر اللہ تعالیٰ نے (حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ) میں بیان فرمایا ہے۔ مادریت، ممتا (ماں ہونا) یہ ایک ایسی نعمت ہے، جو انسان کو شرعی نکاح ہی کے ذریعہ حاصل ہوسکتی ہے۔

کیا عورتوں کی آزادی کا نعرہ لگانے والی اور غیر شرعی ناجائز وحرام تعلقات پیدا کرنے پر اکسانے والی آج کی جدید تہذیب ممتا کی شفقت جیسی نعمت دے سکتی ہے۔

یاد رکھنے کی بات

انسان کم سنی وبچپن میں اپنے ماں باپ کی خدمات واحسانات اور ان کی رعایت ونگرانی کا محتاج ہے۔ اور اس کی تربیت وپرورش میں دونوں کا رول اور دخل ہے۔ یہ اور بات ہے کبھی ماں کی خدمات زیادہ اور کبھی باپ کے احسانات زیادہ۔ لیکن انسان ہے دونوں کا محتاج۔

ماں باپ کے لئے دعا

اسی لئے قرآن کریم نے انسان کو دونوں کا شکر ادا کرنے اور دونوں کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ پندرہویں پارہ کی سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد فرماتا ہے:

رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ۔ (بنی اسرائیل: ۲۴)

ترجمہ: اے میرے (مہربان کریم) پروردگار میرے ماں باپ پر (کبر سنی اور بڑھاپے میں یا بعدِ موت) ایسے ہی رحم فرما، جیسے انہوں نے میری صغر سنی (اور لاغری) میں (شفقت ومہربانی سے) پرورش فرمائی۔

مولیٰ کریم نے شکر کی ادائیگی اور دعاؤں میں یاد رکھنے کے لئے ماں باپ کا ایک ساتھ ذکر کیا۔ لیکن اسی وصیت کے شروع میں ماں کا علیحدہ ذکر فرمایا، اس میں باپ کو شامل نہیں کیا۔ وہ اس لئے کہ انسان جب انسانی شکل یا انسانی مراحل سے گزر رنے کی پہلی منزل پر ہوتا ہے، تو اس منزل پر ماں کے علاوہ دوسرا کوئی اور مشقتیں اٹھاتا اور مصیبتیں جھیلتا ہوا نظر نہیں آتا۔ جیسے حمل کی منزل لے لیجئے

کہ وہاں مشقت برداشت کرنے میں کوئی ماں کا شریک نہیں ہے۔ نہ باپ اور نہ کوئی اور۔ اسی طرح جب بچہ شکمِ مادر سے اِس کارگاہِ حیات میں قدم رکھتا ہے تو یہاں پر بھی ماں ہی کی عنایتیں اور مہربانیاں زیادہ نظر آرہی ہیں۔

رہیں باپ کی خدمات، تو بعض چیزوں کو مستثنیٰ کرکے، اولاد کے لئے باپ کی جو بھی خدمات ہوتی ہیں، ان میں سے ہر خدمت میں ماں، باپ کے ساتھ شریک ہوتی ہے۔ لیکن ماں کی خدمات میں حمل، وَضعِ حمل (پیدائش) اور دودھ پلانے کی مدت میں اولاد کی تربیت و پرورش میں جو مشقتیں اور پریشانیاں ماں اٹھاتی ہے، ان میں باپ بھی ماں کا شریک نہیں۔ اسی لئے شریعت میں حقِّ خدمت ماں کا زیادہ ہے، اگرچہ حقِ تعظیم باپ کا زیادہ ہے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے، اللہ پاک کے حبیب ﷺ نے اس شخص کے جواب میں جس نے یہ سوال کیا تھا کہ: میری خدمت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ سرکار ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: اُمُّكَ (تمہاری ماں) اور چوتھی مرتبہ فرمایا: ثُمَّ اَبَاكَ (پھر تمہارے والد)۔ (بخاری شریف)

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ باپ کے مقابلہ میں ماں کے ساتھ حسن سلوک اور خدمت کا حق تین گنا زیادہ ہے۔ وہ اس لئے کہ حمل، وضع حمل پھر دودھ پلانے کی مشقتیں ان تینوں میدانوں میں ماں اکیلی نظر آرہی ہے۔ باقی دوسرے تربیتی مراحل میں باپ ماں کے ساتھ شریک ہے۔ (فتح الباری شرح بخاری)

مولیٰ کریم کی اس وصیتِ عظیمہ میں ہم سب کو دعوت فکر ہے کہ: ہم لوگ اس وصیت سے استفادہ کریں اور اپنے ماں باپ کے حقوق پہچانیں۔

نئی نسل ہوش میں آ!

اے نئی دنیا کے نوجوانو! موبائل، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ میں منہمک اور مشغول نوخیزو! اس وصیت کے ایک ایک کلمہ اور ایک ایک لفظ کو دھیان سے پڑھو اور اس میں غور کرو، پھر اپنی حالت دیکھو کہ تمہارا اپنے ماں باپ خصوصاً ماں کے ساتھ کیا سلوک ہے؟ ماں باپ کی بھلائیاں یاد کرو، ان کے احسانات یاد کرو، ان کی عنایتیں اور عطائیں یاد کرو، خصوصاً راتوں کو ماں کا جاگنا یاد کرو، اس کا خود بھیگے میں سونا اور تمہیں سوکھے میں سلانا یاد کرو، سخت سردی کی راتوں میں جب تم پیدائش کے بعد ابتدائی منزلوں میں گوشت کے ایک لوتھڑے کی طرح تھے، تو ماں کا بار بار پیشاب و لیٹرین میں بھیگے کپڑے اور چیتھڑے بدلنا یاد کرو۔

کیا تم اس کی ان خدمات کا صلہ و بدلہ دے سکتے ہو؟ کیا اس کے ان احسانات کے بوجھ سے خود کو آزاد کر سکتے ہو؟ نہیں! ہرگز نہیں!

لیکن ان کی ان خدمات و احسانات کے بدلہ ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ، ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرو، ان کی دلجوئی کرو، انہیں خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرو اور انہیں ایذا و تکلیف نہ پہنچاؤ۔ تاکہ تمہاری یہ خدمات ان کے احسانات کا مکمل نہ سہی کچھ تو صلہ بنیں گی اور تمہاری دنیا و آخرت کی کامیابی میں اہم کردار ادا کریں گی۔

جیسی کرنی ویسی بھرنی

اے انسان! دنیا، دنیا کی لذتوں اور اس کمپیوٹر و انٹرنیٹ میں مشغول ہو کر

اس سے ہرگز غافل نہ ہو جانا۔ بلکہ یاد رکھ تو جو کچھ کر رہا ہے، ایک دن اسے ضرور دیکھے گا۔ اگر نیکی اور بھلائی کرے گا، تو اس کا صلہ و نفع ضرور پائے گا۔ اور یہ جان لے، کہ انسان کی نیکی اور حسن سلوک کا نفع اسی کو ملتا ہے۔ خبردار! ماں باپ کی نافرمانی سے بچ، اگر چہ تجھے بڑے بڑے مقام و مرتبہ اور ہیرے جواہرات پیش کئے جائیں۔ اِفۡعَلۡ مَا شِئۡتَ۔ (جو دل میں آئے کر)۔ کما تدین تدان۔ (جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔)

خدا کا حق مقدم

مولیٰ کریم نے ہمیں ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی وصیت فرمائی، خصوصاً ماں کا حق، اس کا فضل و احسان، اس کی مہربانیاں اور اس کی عنایتیں بڑے حسین پیرائے میں اپنے کلام میں بیان فرمائیں۔ پھر اپنے شکر کے ساتھ ماں پاب کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا۔ ان کے حق عظیم اور ان کے بارے میں وصیت کرنے کے ساتھ اس وصیت میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی بھی وضاحت فرمادی کہ یہاں پر بھی اللہ تعالیٰ کا ہی حق اعظم اور بڑا ہے اور اس کا دین مقدم رکھا جائے گا۔ جب معاملہ اللہ تعالیٰ کے دین اور ماں باپ کے ساتھ بِر اور حسن سلوک کے بیچ تقابل یا ٹکراؤ کا ہوگا، تو ایسے موقعہ پر تقدم و اہمیت اللہ تعالیٰ کے حقوق ہی کو حاصل ہوگی۔ کیونکہ جس کا احسان زیادہ اس کا حق مقدم۔ اور ہر شخص جانتا ہے کہ، انسان پر حقیقی اور بڑا احسان اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔

اسی نکتہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِنۡ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنۡ تُشۡرِكَ بِىۡ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ فَلَا

تُطِعۡهُمَا ۔ (پ:۲۱۔سورۂ لقمان:۱۵)

ترجمہ: اور اگر وہ دونوں (تیرے ماں باپ) تجھے میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرانے پر ابھاریں جس کا تجھے علم نہیں تو ان کی بات مت مان۔

علما فرماتے ہیں: اگر ماں باپ اس بات کے حریص ہوں کہ، اولاد بے دینی میں ان کی پیروی کرے۔ جب کہ وہ بے دین ہوں۔ تو اولاد کو چاہئے کہ ان سے بچے اور ان کی بات نہ مانے۔ اس لئے کہ انسان کو قیامت میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس انسان کو جس نے اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا، پورا پورا بدلہ دے گا اور قیامت میں اس کو صالحین کے ساتھ اٹھائے گا۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے:

قیامت میں انسان کو اس کے ساتھ اٹھایا جائے گا، جس سے وہ دنیا میں محبت کرتا تھا۔

اگر چہ دنیا میں انسان کے سب سے زیادہ قریبی ماں باپ تھے۔ لیکن یہاں حدیث میں مَنۡ اَحَبَّ سے دینی محبت مراد ہے دنیوی محبت نہیں۔

یاد رکھنے کی بات

اس آیت میں ایک بات اور بہت غور کرنے کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر کسی کے ماں باپ اس کو دین حق سے پھیرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس کو گمراہی میں پہنچانا چاہتے ہیں، تو ان کی اتباع و اطاعت کا حق ساقط ہو جائے گا۔ لیکن ان کے ساتھ حسن سلوک کا حق تب بھی باقی رہے گا۔ جیسا کہ آگے فرماتا ہے:

وَصَاحِبۡهُمَا فِى الدُّنۡيَا مَعۡرُوۡفًا ۔ (پ:۲۱۔سورۂ لقمان:۱۵)

ترجمہ: اور دنیا میں اچھی طرح ان کا ساتھ دے۔

(وَاِنْ جَاهَدٰكَ) اس جملہ میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بجائے (اِذَا) کے (اِنْ) کے ذریعہ بیان فرمایا ہے، جو عربی میں کسی مشکوک یا نادِرُ الوُقوع چیز کیلئے آتا ہے۔ مطلب یہ کہ ماں باپ کا اپنی اولاد کو کفر وشرک کی دلدل میں پھنسا کر ابدی ودائمی عذاب میں ڈالیں، ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ کیونکہ ماں باپ اپنی اولاد کیلئے خیر اور بھلائی کے طلبگار اور خواہشمند ہوتے ہیں۔ اور مکمل خیر وبھلائی اور دائمی عیش دین کی اتباع وپیروی میں ہی ہے۔ لیکن اگر خدانا خواستہ اس طرح کا واقعہ پیش آجائے، تو اس کا حکم وہی ہے جو خدائے پاک نے بیان فرمایا ہے: (فَلَا تُطِعْهُمَا) کہ اس سلسلہ میں ان کی بات نہیں مانی جائے گی۔

ھدایت: مولیٰ کریم ہمارا آپ کا بھلا کرے! اس آیت میں لفظِ (جَاهَدٰكَ) پر غور کرو، تو ایک بات اور سمجھ میں آئے گی، کہ ماں باپ مسلسل و متواتر اولاد کو دینِ حق یا تقویٰ وطہارت سے پھیرنے کی کوشش کریں یا بد دین و بد مذہب بنانے کے لئے اپنی پوری طاقت لگا دیں، تب بھی اولاد اس بات پر ان کی اطاعت نہیں کرے گی۔ اور اس معاملہ میں ان کا حق اطاعت ساقط ہو جائے گا۔ یہ ناحق کوشش ماں باپ دونوں مل کر کریں یا ان دونوں میں سے ایک کرے، حکم دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔ جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ آج کل کی نئی نسل کیلئے بہت کافی ہے۔

دین میں استقامت

جب حضرت سعد چودہ برس کی عمر میں ایمان لائے، تو آپ کی ماں نے اس وقت تک آپ سے نہ بولنے اور نہ کھانے پینے کی قسم کھائی جب تک کہ دین سے نہ پھر جائیں۔ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے یہ بھی کہا: کہ تم جانتے ہو اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت کی ہے اور میں تمہاری ماں ہوں۔ میں تمہیں حکم دے رہی ہوں کہ تم اسلام سے پھر جاؤ بے دین ہو جاؤ۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت سعد کی ماں نے تین روز کھانا نہیں کھایا، لیکن حضرت سعد اپنے ایمان میں اتنے مضبوط تھے، وہ بولے: اگر اللہ تعالیٰ ان کو ستر مرتبہ روح عطا فرمائے، اور ایک ایک کر کے ان کی روح قبض کرلے یعنی بالفرض اگر ستر مرتبہ وہ مریں، تب بھی میں دین سے نہیں پھروں گا۔

دیکھو حضرت سعد رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ سے ہیں، وہ قرآن کو خوب سمجھتے تھے، ماں باپ کے حقوق بھی جانتے تھے، ان کے فرمانبردار بھی تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ ایمان وتوحید کے بعد حقوقِ واجبہ میں ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا اہم حق ہے۔ لیکن کفر و بے دینی میں ان کی اطاعت نہیں کی۔ بس اس آیت وحدیث اور واقعہ سے یہ ثابت ہوا کہ ماں باپ کے ساتھ جو احسان اور حسن سلوک کا حق ہے، وہ تو کفر کی حالت میں بھی باقی رہے گا، لیکن کفر وشرک اور بے دینی میں ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے:

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِي الْمَعْصِيَةِ۔ (بخاری شریف)

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق میں سے کسی کی اطاعت وفرمانبرداری نہیں کی جائے گی۔

مگر ماں باپ کے ساتھ حسنِ صحبت اور اچھی مُعَاشَرَت کا معاملہ کیا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ صَاحِبۡهُمَا فِی الدُّنۡیَا مَعۡرُوۡفًا ۔ (پ:۲۱۔سورۂ لقمان:۱۵)

ترجمہ: اور دنیا میں اچھی طرح ان کا ساتھ دے۔

مطلب معصیت و گناہ میں ان کی اطاعت معروف نہیں ہے۔

حسنِ صحبت

حدیث میں ہے: حسنِ صحبت یہ ہے کہ جب وہ بھوکے ہوں تو انہیں کھانا کھلائے اور کپڑے کی ضرورت ہو تو انہیں کپڑے پہنائے۔

اسی لئے مومن اولاد پر (معاذ اللہ) کافر یا بے دین ماں باپ کا نفقہ، ان کے ساتھ حسن سلوک، ان کی خدمت اور ان سے ملاقات وغیرہ واجب ہے۔ لیکن جب یہ خوف و اندیشہ ہو کہ وہ ہمیں کفر کی طرف کھینچ کر لے جائیں گے، تو ان سے ملاقات جائز نہیں۔

علما نے یہاں تک فرمایا: مومن اولاد اپنے (کافر) ماں باپ کو ان کی کفری عبادت گاہوں تک نہیں لے جائے گی اگرچہ وہ کہیں اور لے جانے پر زور دیں، کیونکہ یہ گناہ ہے۔ لیکن کفری عبادت گاہوں سے ان کو گھر پہنچائے گی۔

اور علما نے یہ بھی فرمایا: جب ماں باپ اللہ تعالیٰ یا دین سے غافل یا جاہل ہوں، تو انہیں خطا اور گناہ سے بچاتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور دین کا صحیح تعارف اور دینی معلومات فراہم کرائیں، مگر نرمی سے۔ (روح البیان)

حسنِ سلوک ہر حال میں لازم ہے

اگر اسی آیت کے جملہ (فَلَا تُطِعۡهُمَا) پر غور کریں، تو معلوم ہوگا کہ مولیٰ

کریم کے کلام میں ماں باپ کے مقام و مرتبہ اور ان کی قدروں کا کس قدر خیال رکھا گیا ہے۔ کہ یہاں (فَلَا تُطِعۡهُمَا) فرمایا (فَلَا تُبِرَّ هُمَا) نہیں فرمایا۔ اور اس حکم کو عدم طاعت و فرمانبرداری میں منحصر کر دیا۔ مطلب یہ کہ اگر ماں باپ خدا نخواستہ کفر و شرک جیسے گناہ عظیم کا حکم دیں، تو دین کی بالا دستی قائم رکھتے ہوئے مولیٰ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس معاملہ میں ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ یہ حکم نہیں دیا کہ ان کے ساتھ حسن سلوک نہیں کیا جائے گا، نہ ہی ان کو ایذا پہنچانے کا حکم دیا اور نہ ہی ان کے ساتھ حسن سلوک میں کوتاہی کرنے کی اجازت دی۔ بلکہ اس کفر و شرک جیسے گناہ عظیم کے ہوتے ہوئے بھی فرمایا: (وَ صَاحِبۡهُمَا فِی الدُّنۡیَا مَعۡرُوۡفًا) یعنی ان کے ساتھ (کفر و شرک جیسی گندگی کے باوجود) دنیاوی بھلائیاں کرتے رہو۔

تو اس حکمِ خداوندی کی وجہ سے ہم پر لازم ہو گیا کہ ہم اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کریں اگرچہ ان سے گناہ عظیم بھی صادر ہو رہا ہو۔ تو جب ماں باپ مومن اور نیک و صالح ہوں، بھلائی و نیکی کا حکم دیتے ہوں اور خیر کی دعوت دیتے ہوں، تو ایسی صورت میں ان کی اطاعت و فرمانبرداری کی اہمیت کس قدر بڑھ جائے گی؟ یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں۔

عظیم توجہ: اللہ تعالیٰ نے ضعیف العمر کمزور ماں باپ کے حقوق کی کس طرح حفاظت فرمائی، کہ اختلافِ دین کے باوجود ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا۔ علما فرماتے ہیں: دین مختلف ہونے کے باوجود اولاد پر ماں باپ کا خرچہ ضروری ہے۔ اولاد کے لئے کسی طرح یہ درست نہیں کہ ماں باپ کو فقر و فاقہ یا مصیبت و پریشانی میں چھوڑ کر خود بیوی بچوں کے ساتھ عیش و عشرت میں زندگی گزارے۔

جیسا کہ آج جدید سائنس وٹیکنالوجی زدہ تہذیب میں یہ سب کچھ عام طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ جدید تعلیم یافتہ جنٹلمین اولاد خودتو امریکہ، برطانیہ اور دیگر بڑے بڑے ملکوں میں عیش وعشرت کی زندگیاں گزار رہی ہے اوران کے ماں باپ گھروں میں دو روٹیوں کو ترستے ہیں۔ اگر روٹیوں کو نہیں ترستے، تو سالہا سال اولاد کا منھ دیکھنے کیلئے تو ترستے ہی ہیں۔ بیماری اور مصیبت کے وقت سہارا تلاش کرتے ہیں۔ اور اگر اولاد کچھ زیادہ ہی سمجھدار ہے، تو بس نوکروں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیتی ہے۔

رَحم (رشتہ) توڑنے کی سزا

جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کریم میں رشتوں کو توڑنے والے کی سخت مذمت فرمائی اور اس کے لئے شدید وعیدیں بیان کی ہیں۔ حدیث میں تو یہاں تک فرمایا گیا: قاطعِ رحم (رشتہ توڑنے والا) جنت میں نہیں جائے گا۔

ایک حدیث میں ہے: رحم ساقِ عرش سے معلق ہے۔ عرض کرتا ہے: اے میرے رب! جو مجھے جوڑے تو اسے جوڑ اور جو مجھے کاٹے تو اسے کاٹ۔

تو جب عام قرابتداروں کیلئے یہ حکم ہے کہ انہیں بھوکا پیاسا، بے لباس اور بے سہارا نہیں چھوڑا جائے گا، تو جو سب سے قریبی سب اعظم ذی رحم (رشتہ دار) ہیں۔ یعنی ماں باپ۔ انہیں بھوکا پیاسا اور بے سہارا کیسے چھوڑا جاسکتا ہے؟

صلہ رحمی ضروری

علما نے فرمایا ہے: صلہ رحمی تو واجب ہے، اگرچہ قرابت دار دین میں مخالف ہو۔ اس کا دین اس کے لئے اور صلہ کرنے والے کا دین اس کے لئے۔ اور پھر

ماں باپ تو ماں باپ ہیں۔ ان کے ساتھ تو انسان کتنی ہی نیکیاں اور بھلائیاں کرے، حتی کہ اپنی پوری زندگی کی خدمات پیش کرکے بھی ماں باپ کی ایک تکلیف کا حق ادا نہیں کرسکتا۔

حدیث عبرت: رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک صاحب آئے اور انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میری ماں بوڑھی ہوگئی ہیں اور میں انہیں اپنے ہاتھ سے کھلاتا پلاتا ہوں اور اپنے کاندھوں پر اٹھاتا ہوں غرضیکہ ساری خدمات انجام دیتا ہوں، تو کیا میں نے ان کی خدمت کا حق ادا کردیا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں سو میں سے ایک حصہ بھی نہیں۔ تو انہوں نے عرض کی: سرکار ایسا کیوں؟ آقا ومولیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (ایسا اس لئے کہ) جب تم ضعیف وکمزور تھے، تو وہ تمہاری زندگی وصحت کی تمنا اور دعا کرتے ہوئے تمہاری خدمت کرتی تھیں اور تم ان کے بڑھاپے اور ضعف میں ان کی خدمت ان کی موت کی تمنا کرتے ہوئے کررہے ہو۔ البتہ تم نے کام اچھا کیا۔ مولیٰ کریم تمہیں تھوڑے پر بہت ثواب دے گا۔ (روح البیان)

نوٹ: ماں باپ کی اطاعت وفرمانبرداری سے متعلق ہماری چھوٹی سی کتاب ''سعادت مند اولاد'' کا مطالعہ کریں۔

خدا دیکھ رہا ہے

اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے:

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ۔ (پ:۲۶-ق:۱۶)

ترجمہ: ہم انسان کی شہ رگ سے بھی قریب ہیں۔

کہیں فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ۔ (پ:۱۴،النحل:۹۲)

ترجمہ: جوتم کررہے ہو اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر ہے۔

اور فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ (پ:۴-آل عمران:۱۱۹)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ دلوں کی بات خوب جانتا ہے۔

ایک جگہ فرماتا ہے:

وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ۔

(پ:۷-الانعام:۵۹)

ترجمہ: غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں جنکو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ خشک وتر کی ہر چیز کو جانتا ہے درختوں کے چھوٹوں سے چھوٹے پتے جو گرتے ہیں ان کو بھی جانتا ہے اور زمین کی تاریکیوں میں کوئی ایسا دانہ اور ذرہ نہیں ہے یا خشکی وتری میں جو کتاب مبین یعنی ظاہر کرنے والی کتاب یں موجود نہیں۔

اور فرماتا ہے: اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَ نَسُوْهُ۔ (پ:۲۸-المجادلہ:۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اس کو محفوظ وشمار کرلیا حالانکہ وہ اس کو (کرکے) بھول گئے۔

اجمالی طور پر یہ مختلف آیتوں کے چند حصے جو میں نے ابھی ذکر کئے، اس مفہوم کا قرآن کریم میں سینکڑوں جگہ ذکر آیا ہے۔ جن سے یہ نتیجہ صاف نکل کر آیا ہے کہ انسان کے تمام اعمال واقوال، حرکات وسکنات حتی کہ دلوں کے خطرات بھی

اللہ تعالیٰ کے یہاں پر محفوظ ومحصور، معدود موجود اور اس کے علم میں ہیں، ایک ذرہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔

میزان میں رکھ دے گا

اب حضرت لقمان کی ان وصیتوں میں سے اس وصیت کو پڑھیے اور سنئے، جس میں انھوں نے اپنے بیٹے کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ: انسان کہیں بھی کسی بھی جگہ ہو، اس کی نیکی یا بدی چھوٹی سے چھوٹی ہو یا بڑی سے بڑی، کھلی جگہ میں ہو یا بند جگہ میں، زمین کے اوپر ہو یا زمین کی سب سے نچلی سطح پر، آسمانوں میں ہو یا آسمانوں سے اوپر چھوٹی سے چھوٹی نیکی وبھلائی اور حقیر سے حقیر معمولی سے معمولی بدی وگناہ، اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے۔ کوئی چیز اس سے مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ قیامت کے دن ہر بڑی سے بڑی، چھوٹی سے چھوٹی نیکی اور بڑے سے بڑے، چھوٹے سے چھوٹے گناہ سب کو قیامت کے دن لائے گا۔ اور بندوں کے سامنے میزان قیامت میں رکھ دے گا۔ وہ سب سے باخبر ہے اور ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔

انصاف کی ترازو

اللہ عَزَّوَجَلَّ سورۂ انبیا کی آیت (۴۷) میں فرماتا ہے:

وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَیْنَا بِهَا وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِیْنَ۔

ترجمہ: ہم قیامت کے دن عدل وانصاف کے ترازو رکھیں گے تو کسی جان

پر رتی بھر ظلم نہیں کیا جائے گا۔اور اگر نیکی و بدی رائی کے دانے کے برابر ہو گی تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم حساب کے لئے کافی ہیں۔(پارہ:۱۷)

اور سورۂ ملک میں تو یہاں تک فرماتا ہے:

وَ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ * اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۔(پ:۲۹-الملک:۱۴-۱۳)

ترجمہ: اور تم اپنی بات پوشیدہ طور پر کہو یا اعلانیہ، بیشک وہ دلوں کے بھید جانتا ہے۔خبردار! وہ اپنی مخلوق کو جانتا ہے۔اور وہی ہے باریک سے باریک چیز کا علم رکھنے والا خبردار۔

اس طرح کی دلوں کو بیدار کرنے والی آیتوں کو سامنے رکھئے پھر حضرت لقمان کی یہ وصیت پڑھئے۔

اولاد کی روحانی تربیت

حضرت لقمان نے اپنی قلبی، ایمانی اور تربیت والی وصیت کا آغاز ایسے کلمہ سے فرمایا، جو شفقت و محبت اور مروت و رأفت سے دلوں کو قریب کرنے والا، مخاطب کو آگے آنے والی وصیت و نصیحت کے سننے اور سمجھنے پر آمادہ کرنے والا اور آنے والی بات کی اہمیت کو ظاہر کرنے والا ہے۔وہ ہے (یٰبُنَیَّ) اے میرے بیٹے۔وصیت کے اس ٹکڑے میں وہ اپنے لختِ جگر نورِ نظر کی توجہ ایک ایسے نکتہ کی طرف کرنے جا رہے ہیں، جس پر ان کے بیٹے کی روحانی اور قلبی زندگی کی تربیت اور دل و ضمیر کی بیداری موقوف ہے۔انھوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ ابھی وہ چھوٹا ہے، ان لطیف اور روحانی معانی کو نہیں سمجھے گا۔جیسا کہ ہمارے معاشرہ میں جب

ننھے منے چھوٹے بچوں کو کوئی نصیحت کی جاتی ہے، تو بعض نادان لوگ کہتے ہیں کہ چھوڑو ابھی چھوٹا ہے، بڑے ہو کر خود صحیح ہو جائے گا۔کتنی نادانی و بیوقوفی پر مبنی ہے یہ جملہ کہ بڑے ہو کر خود صحیح ہو جائے گا۔

صالحین کی پرورش

اولیا و صالحین تک نے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت، روحانی پرورش اور قلبی بیداری کے لئے ان کے بچپن ہی میں جد و جہد اور کوششیں کی ہیں۔تاریخ میں اس طرح کے ہزاروں واقعات موجود ہیں۔سرکار حسنین کریمین سے لیکر غوث پاک، غریب نواز، بابا فرید الدین گنج شکر، نظام الدین اولیا، صابر پاک اور اعلیٰ حضرت (رضی اللہ عنہم اجمعین) تک ایسے ہزاروں بزرگ ملیں گے، جن کے ماں باپ بزرگ اور خود وہ پیدائشی ولی، اس کے باوجود ان کے ماں باپ نے ان کی روحانی تربیت، قلبی بیداری اور ان کے دلوں میں خشیت الٰہی اور خوف خدا پیدا کرنے کے لئے جو جد و جہد اور کوششیں کی ہیں، اس چھوٹی سی کتاب کے اوراق ان کو ذکر کرنے کی اجازت نہیں دیتے، ورنہ میں ضرور کچھ واقعات ذکر کرتا۔لیکن ہمارے بزرگوں کے کچھ واقعات ایسے ہیں جو زبان زدِ عوام و خواص ہیں۔

مختصر واقعات

جیسا کہ حضرت سیدنا غوث اعظم بڑے پیر صاحب کی والدۂ ماجدہ نے سفر بغداد پر روانہ کرتے ہوئے آپ کو جھوٹ نہ بولنے کی وصیت فرمائی۔اور اس کا نتیجہ اس سفر میں بہت سے لوگوں کی توبہ کی صورت میں ظاہر ہوا۔

ایسے ہی حضرت بابا فریدالدین کی والدہ نے شکر کا لالچ دے کر نماز کا پابند اور عادی بنایا۔ اور حضرت نظام الدین اولیا جب ننھی سی عمر میں بدایوں میں ابتدائی تعلیم کے دور سے گزر رہے تھے، تو آپ کی والدہ نے آپ کو مختصر توشہ دے کر چالیس چالیس دن کے چلے اور وظیفے کروا کر کس طرح ان کے اندر قلبی بیداری، خداترسی اور روحانی تربیت پر کوششیں صرف کیں، اور بچپن ہی میں اپنے بیٹے کو ان کے خالق و مالک رب کریم کا اس طرح سے تعارف کرایا کہ ان کا دل خوف وخشیت الٰہی سے معمور ہو گیا۔ اور وہ جان گئے کہ میرا خالق و مالک وہ علیم ولطیف وخبیر ہے، جس سے کائنات کا کوئی بھی کمتر سے کمتر ذرہ بھی مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ ہر حال میں اور ہر جگہ اپنے بندوں کی ہر چیز اور ان کے ہر قول وفعل جانتا ہے۔ زمینوں کے نیچے، آسمانوں کے اوپر اور مضبوط پہاڑوں اور چٹانوں کے اندر باریک سے باریک چیز دیکھ رہا ہے۔

غرضیکہ انھوں نے اِس تربیت وتعلیم سے ان کے دلوں میں یہ تصور قائم کر دیا کہ، ''خدا دیکھ رہا ہے''۔ اپنی اولاد کو یہ کہہ کر نہیں چھوڑا کہ ابھی چھوٹے ہیں، معارف وحقائق اور دقیق روحانی معانی کو سمجھنے کی ان کی عمر نہیں ہے۔

مراقبہ: زمانۂ ماضی میں اولیاء اللہ اپنی خانقاہوں میں اپنے مریدین و طالبین کو جو مراقبے اور مجاہدے کرایا کرتے تھے، ان کا بھی یہی مقصد ہوتا تھا۔

إِنَّ اللَّهَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا۔ (پ:۴-النسا:۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ (ہمارا) تمہارا (سب کا) رقیب ومحافظ ہے۔

یعنی ہمارے تمہارے اعمال واقوال میں سے کوئی بھی عمل یا بات اس سے چھپی نہیں ہے۔ سب کچھ اس کے علم میں ہے۔

اندر کا استاد

اب اگر ہمارے گھروں میں ہمارے ماں باپ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت میں اس طرح کوشش کریں کہ، ان کے اندر بجائے خارجی خوف کے داخلی اور قلبی خوف پیدا ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ تمام لغزشوں، برائیوں اور نافرمانیوں سے بچ جائیں گے۔ اور جو ان کے اندر قلبی بیداری پیدا کی جائے گی، وہی سب سے بڑا معلم اور استاذ ثابت ہوگا۔ وہ داخلی استاذ ومعلم ہر جگہ ان کے ضمیر کو جھنجھوڑ کر انہیں برائیوں سے بچائے گا۔ اب انہیں رات دن ماں باپ کی نگرانی، استاذ ومعلم کی نگہبانی یا حکومت کی پاسبانی کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ان کے ضمیر اور قلب کی بیداری ان کی زندگی کی گاڑی کی مشین۔ نفس اور دماغ۔ کو کسی بھی غلط جگہ جانے پر بریک کا کام کرے گی۔

دل کا رابطہ

اب میں آج کل کے استاذ اور ماں باپ سے پوچھنا چاہتا ہوں: آج کی اس نئی نسل کے دلوں میں استاذ یا ماں باپ کا خوف زیادہ مفید ثابت ہوگا یا خالق و مالک مولیٰ کریم کا خوف پیدا کرنا زیادہ مفید ہوگا؟ ظاہر بات ہے ہر عقلمند آدمی کہے گا کہ خدا کا خوف زیادہ مفید ثابت ہوگا۔ کمپیوٹر وانٹرنیٹ کی پروردہ آج کی نئی نسل کے دلوں کو خدا کے خوف سے باندھ دیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ان کا پورا قلبی رابطہ کر دیا جائے۔ ماں باپ، استاذ یا حکومت کے خوف اور خالق و مالک کے خوف کے بیچ بہت بڑا فرق ہے۔ ماں باپ یا سماج کے افراد یا حکومت کے

کارندے جب تک انسان کے سامنے موجود رہیں گے، وہ گناہ ومعصیت اور گندگیوں سے بچے گا۔لیکن جب وہ لوگ نہیں ہوں گے، تو وہ یقیناً ان برائیوں کا ارتکاب کرے گا۔ کیونکہ اس کو خارجی خوف کی تعلیم دی گئی ہے۔داخلی تربیت اور باطنی تعلیم سے اسکو محروم رکھا گیا ہے۔اور اگر یہی باطنی خوف اور روحانی تربیت اسے دی جاتی، تو یقینی طور پر وہ ہر جگہ، ہر مقام اور ہر زمانے میں ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتا اور اس کے دل میں یہ تصور ہر وقت قائم رہتا کہ خدا دیکھ رہا ہے۔خاص طور سے آج یہ ملٹی میڈیا موبائل جن میں دنیا کی ہر گندگی موجود ہے۔ بند کمرے میں یا لحاف وچادر کے اندر آج کی اس نئی نسل کو اس گندگی سے نہ ماں بچاسکتی ہے نہ باپ، نہ استاذ، نہ حکومت۔اگر کوئی بچاسکتا ہے تو صرف یہی داخلی استاذ ''قلب کی بیداری''۔

حدیث خوف: اب ہم اس چیز کو اور واضح کرنے کے لئے بخاری ومسلم شریف کی وہ حدیث بیان کر رہے ہیں، جسے ''حدیثِ اصحابُ الغار'' کہا جاتا ہے۔اس میں تین حضرات کے اخلاص اور اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کیلئے کئے گئے عمل کو ایک غار میں مصیبت کے وقت وسیلہ اور دہائی کیلئے پیش کیا گیا تھا۔جس کے نتیجہ میں ان کے اخلاصِ عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو اس مصیبت سے نجات عطا فرمائی تھی۔اس حدیث کو غور سے پڑھئے اور دیکھئے اس میں خوف وخشیت اور اخلاصِ عمل کے کیسے کیسے خوشبودار پھول مہک رہے ہیں۔ میں اس بڑی حدیث کے ایک حصہ کو بیان کر رہا ہوں۔ ان میں سے ایک صاحب نے اپنے اخلاص اور قلبی خوف وخشیت کا واسطہ دیتے ہوئے دعا میں یوں عرض کیا تھا:

اے میرے مالک ومولیٰ! میری ایک چچازاد بہن تھی، میں اس سے بہت زیادہ عشق ومحبت کرتا تھا، جیسا کہ مردوں کو عورتوں سے لگاؤ ہوتا ہے۔میں نے اس سے قربت کا مطالبہ کیا، اس نے انکار کیا اور کہا: پہلے سو دینار لاؤ۔ میں نے بہت محنت ومشقت سے سو دینار جمع کئے۔اور میں (اپنی خواہش کو پورا کرنے کیلئے) سو دینار لے کر اس کے پاس گیا۔ جب میں اس کے ساتھ بدکاری کرنے کے لئے بیٹھا، تو یکلخت اس نے سرد آہ بھر کے کہا: اے اللہ کے بندے! اللہ تعالیٰ سے ڈر اور ناجائز طریقہ سے مجھے حاصل مت کر۔تو میں اسی وقت اس سے علیحدہ ہو گیا۔ اور بخاری شریف کے الفاظ میں یہ ہے: حالانکہ وہ میرے نزدیک انسانوں میں سب سے محبوب تھی۔اور میں اس پر اپنی خواہش کو پورا کرنے کی قدرت پا کر بھی اس سے علیحدہ ہو گیا۔اور وہ سو دینار بھی میں نے اس کے پاس ہی چھوڑ دیئے۔ مالک ومولیٰ! تو جانتا ہے میں فعلِ بد اور گناہ سے صرف تیری رضا کے لئے باز رہا، تو تو اس عمل کے بدلہ ہمارے لئے اس غار کو کھول دے۔(بخاری ومسلم)

شہوت کا بھوت مار دیا

اے میری قوم کے نوجوان بچو! بچیو! وہ کون سی چیز تھی، جس نے سخت محتاجی کے باوجود اور تنہائی میں بدکاری پر قدرت حاصل ہو جانے کے بعد بھی اُس عورت کے قلب کو بیدار کر دیا؟ وہ کونسی روشنی تھی، جس نے اسے دوزخ کی تاریکیوں میں پہنچانے والے گناہ سے بچالیا؟ اور وہ کون سی زمینی یا آسمانی طاقت تھی، جس نے اس مرد کو۔جس پر شہوت وخواہش کا ایسا بھوت سوار تھا جس کے لئے اس نے مہینوں محنت ومشقت کر کے مطالبے کا مال حاصل کیا اور جب اپنی

اس ناجائز شہوت کو پورا کرنے کے لئے بیٹھا، تو کوئی دوسرا زمین پر روکنے والا نہیں تھا اور تکمیلِ شہوت کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔ کس چیز نے جھنجھوڑ دیا؟ کس نے اس کو روک دیا؟ کس نے اس کو دوزخ میں لے جانے والے گناہِ عظیم سے بچا لیا؟ تو جواب میں یہی کہا جائے گا کہ حدیث کے کلمات نشاندہی کرتے ہیں: تعظیم الٰہی، خدائی عظمت، خشیتِ ربانی اور ان کے دل و دماغ پر بیٹھے تصور ''خدا دیکھ رہا ہے'' نے انہیں اس سے بچالیا۔ وہ دونوں مرد و عورت نہیں چاہتے تھے کہ ان کا مالک و مولیٰ اس کو ناجائز حالت میں دیکھے۔

کیا ضمیر مردہ ہے؟

اِس واقعہ سے ہمارے وہ نوجوان بچے، بچیاں اور مرد و عورت عبرت حاصل کریں، جو تفریح گاہوں میں جاتے ہیں اور زنا کی طرف بلانے والی ناجائز و حرام، فحش اور قبیح حرکات کرتے ہیں۔ وہ نوجوان بچے بچیاں جو ملٹی میڈ یا موبائل پر رات کی تاریکیوں میں اپنی خلوتوں اور اپنے بستروں کے اندر فحش اور عریاں تصویروں سے اپنے ان دلوں کو ویران و برباد کر رہے ہیں، جن کو خدا نے محض اپنی یادوں کے لئے پیدا کیا ہے۔ کیا ان کے دل اس تصور سے خالی نہیں ہیں؟ یقیناً ان کے دل اور ضمیر مردہ ہیں۔ اور وہ اس تصور سے محروم کردئے گئے ہیں۔

حضرت لقمان نے اخلاص کی وصیت کیوں کی؟

حضرت لقمان کے بیٹے نے اپنے والد سے کہا: ابا جان! اگر میں گناہ ایسی جگہ کروں جہاں مجھے کوئی نہ دیکھ رہا ہو، تو اللہ تعالیٰ کیسے جان لے گا؟ حضرت

لقمان نے جواب دیا: بیٹے! وہ گناہ اگر رائی کے دانے کے برابر یا اس سے بھی کمتر ہو اور مضبوط سے مضبوط چٹان میں کیا جائے یا زمینوں کی تہ میں، اللہ تعالیٰ قیامت میں اسے بھی لے آئے گا اور اس کا حساب لے گا۔

اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔

ترجمہ: جس نے ذرہ بھر بھی نیکی یا بھلائی کی ہوگی، اسے دیکھے گا۔ (یعنی اس کا ثواب پائے گا۔) اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی اس کو بھی دیکھے گا۔ (یعنی اس کی سزا پائے گا۔) (پ: ۳۰-الزلزال: ۷-۸)

مطلب یہ ہے کہ انسان پوشیدہ سے پوشیدہ اور محفوظ سے محفوظ جگہ پر چھوٹے سے چھوٹا اور حقیر سے حقیر گناہ کرے اور یہ گمان کرے کہ وہ پوشیدہ رہے گا تو اس کا یہ گمان، گمانِ فاسد ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے، اس کا علمِ اَزَلی کائنات کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے۔ بڑی بڑی، ظاہر و باہر اور قریب کی اشیا کی بات ہی کیا، وہاں تو چھوٹی سے چھوٹی، پوشیدہ سے پوشیدہ اور دور سے دور جگہوں کی چیزیں بھی عیاں و روشن ہیں (حالانکہ اس کے لئے دور و نزدیک یکساں ہیں) وہ سخت تاریک رات میں انتہائی سیاہ پہاڑ پر رینگنے والی اس سخت کالی چیونٹی کو بھی ایسے ہی جانتا اور دیکھتا ہے جیسے دوپہر کے سورج کی روشنی میں بڑے سے سفید گنبد کو۔ یہ شان ہے اس کے علمِ وسیع کی اور یہ عالم ہے اس کی عظیم قدرتوں کا۔ اور ایسا ہونا بھی چاہئے کیونکہ وہ عالم الغیب والشہادۃ اور قادر علی الاطلاق ہے۔

انسان کو خدا کا خوف نہیں

مگر انسان کس قدر جاہل اور نادان ہے! مولیٰ کریم کے علمِ وسیع اور قدرتِ عظیمہ کو جاننے کے باوجود وہ لوگوں کی نگاہ کو اللہ تعالیٰ کے دیکھنے سے بڑا سمجھتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ لوگوں سے تو ڈر رہا ہے اور ان سے چھپ کر گناہ کر رہا ہے۔ لیکن خداوند قدوس کا اسے کوئی خوف نہیں۔ لوگوں سے تو شرم کرتا ہے مگر مولیٰ کریم عظیم کی نگاہ سے نہیں شرماتا۔ افسوس اس کی نادانی پر!

کسی بھی گناہ کو چھوٹا مت سمجھ

اولیائے کرام فرماتے ہیں: گناہ کے صغر اور چھوٹے پن کو مت دیکھ بلکہ گناہ کے ارتکاب سے پہلے اس بات پر غور کر کہ تو نافرمانی کس کی کر رہا ہے؟

حدیث پاک میں آیا ہے: انسان کو چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو چھوٹا سمجھ کر چھوڑنا نہیں چاہئے اور چھوٹے سے چھوٹا گناہ کو چھوٹا سمجھ کر کرنا نہیں چاہئے۔

خدا سے شرم کر پیارے

ترمذی کی حدیث ہے: رسولِ خدا ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ سے ایسی حیا کرو جیسا کہ اس کا حق ہے۔ صحابہ بولے: الحمدللہ! ہم تو حیا کرتے ہیں۔ تو سرکار ﷺ نے فرمایا: یہ حیا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے حقیقی حیا یہ ہے کہ تم سر اور سر میں جو حیا کرنے والے اعضا ہیں ان کی حفاظت کرو یعنی آنکھ، منھ، زبان اور کان وغیرہ کو گناہ سے محفوظ رکھو۔ پیٹ، قلب اور شرمگاہ وغیرہ کی حرام و ناجائز سے

حفاظت کرو۔ اور موت اور موت کے بعد قبر میں گلنے سڑنے کو یاد کرو۔ تو جس نے یہ سب کام بحسن و خوبی انجام دیئے اسی نے اللہ تعالیٰ سے صحیح حیا کی۔ (عمدۃ القاری)

مقامِ عرفان

صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کو جس کام سے منع فرمایا ہے وہ اسے اس حالت اور اس کام میں مبتلا نہ دیکھے، یہ ہے اللہ تعالیٰ سے حقیقی حیا، لیکن یہ مقامِ عرفان ہے۔ جسے خداوند قدوس کی معرفت اور حالت مراقبہ حاصل ہو چکی ہو وہی ایسا کرسکتا ہے۔ جیسا کہ حدیثِ جبرئیل میں ہے، جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے احسان و اخلاص کے بارے میں اللہ پاک کے حبیب ﷺ سے سوال کیا، تو آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ وَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ۔ (بخاری)

تم اللہ تعالیٰ کی بندگی اس طرح کرو، گویا تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو۔ (یہ مقام مشاہدہ ہے) اور اس کو نہیں دیکھ سکتے ہو (یعنی مقام مشاہدہ حاصل نہیں ہے) تو اتنا تو دھیان جما لو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ (یہ مقام مراقبہ ہے۔)

مقامِ مراقبہ

ایک مومن بندہ کو یہ مقام حاصل کرنے کی جد و جہد بھی کرنا چاہئے۔ صوفیائے کرام اپنے مریدین کے اندر یہی کیفیت پیدا کرنے کیلئے اپنی خانقاہوں میں چلہ گاہوں کے اندر ان سے طرح طرح کی عبادت و ریاضت کرایا کرتے تھے۔ اور جب بندہ کو مقامِ مراقبہ حاصل ہو جاتا ہے، تو وہ خانقاہ و مسجد

میں ہو یا بازار و مارکیٹ میں، اس کے ذہن وفکر پر ہر وقت یہی غالب رہتا ہے کہ ''خدا دیکھ رہا ہے''۔ اب اس کی عبادت وریاضت، اس کے رکوع وسجود، اور اس کی تلاوت وذکر سب اسی تصور کے ساتھ ادا ہوتے ہیں کہ، خدا دیکھ رہا ہے۔ وہ پورے شرائط وارکان، سنن ومستحبات اور آداب محبت وعظمت کے ساتھ قبولیت کی امید سے عبادت ادا کرتا ہے۔ بازار و مارکیٹ میں امورِ ملازمت ونوکری میں اسی تصور کے ساتھ اپنا وقت پورا کرتا ہے کہ، خدا دیکھ رہا ہے۔ تجارت میں جھوٹ اور خیانت نہیں کرتا ہے۔ ملازمت ونوکری میں وقت اور ٹائم کی چوری نہیں کرتا ہے۔ معاملات اور لین دین میں کمی وبیشی اور ملاوٹ نہیں کرتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ''خدا دیکھ رہا ہے''۔ وہ اپنے اندر یہ ملکہ اور اسپرٹ پیدا کر چکا ہے کہ، میرا مولیٰ کریم مجھے ممنوع اور ناجائز حالت میں نہ دیکھے۔

یاد رکھنے کی بات

ابھی آپ نے سورہ انعام کی آیت نمبر (۵۹) کے حوالہ سے اللہ تعالی کے علم کی وسعت ملاحظہ کی کہ: بحر وبر، خشک وتر، بلندی وپستی، ویرانہ وبستی، اور تاریکی وروشنی میں کوئی ایسا ذرہ نہیں، جو اس کے علم اور اس کی کتابِ منیر میں نہ ہو۔ حضرت لقمان نے اپنی وصیت میں پہلے اپنے بیٹے کو ایک چکنی چٹان کی طرف متوجہ کیا۔ پھر زمین وآسمان کی وسعتوں کی طرف اپنے بیٹے کی نظر کو پھیر دیا اور یہ بتانا چاہا کہ اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعتیں اس اس چھوٹی سے چٹان سے لیکر وسیع زمین وآسمان کو گھیرے ہوئے ہیں۔ اور کوئی بھی ذرہ اس کے علم سے باہر نہیں۔ انہوں نے اپنی وصیت میں بڑی چیزوں کی طرف نظر پہونچانے کے لئے چھوٹی چیزوں کو ذریعہ بنایا۔

کہاں بھاگ سکتا ہے انسان؟

آج ہم بھی اپنی نئی نسل کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف، اس کی عزت وعظمت اور قدر ومنزلت پیدا کرنے کے لئے یہ طریقہ اپنا سکتے ہیں۔ کہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کی طرف نظر وتوجہ کر کے بڑی بڑی چیزوں کی طرف پھیر کے لے جا سکتے ہیں۔ اور انہیں یہ بتائیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت کا قبضہ زمین وآسمان کی وسعتوں پر ہے۔ ان مضبوط اور اونچے اونچے پہاڑوں اور زمین کی چھوٹی سے چھوٹی چیز سے لیکر آسمان کی بڑی سے بڑی چیز تک اس کی حکومت، اس کے اس کے قہر اور اس کے غلبہ وقوت سے باہر نہیں۔ تو پھر کوئی انسان اس کی نافرمانی کر کے کیسے اور کہاں بھاگ سکتا ہے؟

اور آج سائنس وٹکنالوجی کے اس دور میں کل کائنات پر اس کے قبضہ و قدرت کو ثابت کرنا اور دلوں میں بٹھانا تو اور بھی آسان ہے۔ بچوں کو موبائل دکھا کر بتائیں کہ: بچو! دیکھو اس معمولی سے مادی آلہ میں پوری دنیا سمٹ کر آ گئی ہے۔ دنیا کی ہر چیز اس آلہ میں موجود ومحفوظ ہے۔ جبکہ اس کو انسان نے بنایا ہے۔ تو جس خالق ومالک نے انسان اور اس کائنات کو پیدا فرمایا ہے، اس کے علم وقدرت سے کوئی چیز یا کوئی ذرہ یا کسی کے حرکات وسکنات اور قول وفعل کیسے پوشیدہ رہ سکتے ہیں؟

علم کی کمی نہیں

بات کیا ہے؟ بات درحقیقت یہ ہے کہ: آج اس جدید دنیا میں ہمارے علم و

معلومات یا علم کے ذرائع کی کوئی کمی نہیں ہے، اگر کمی ہے تو ہمارے دلوں میں مولیٰ تعالیٰ کے خوف وہیبت اور اور اس کی عظمت و بزرگی کی ضرور کمی ہے۔ کتابیں ہیں... ادارے ہیں... لائبریریاں ہیں... درسگاہیں ہیں... اگر نہیں ہیں تو.... خوف وخشیت والے دل نہیں ہیں۔ خالق و مالک کا خوف و دبدبہ اور اس کے جلال وقدرت کا ڈر نہ ہمارے دلوں میں ہے اور نہ ہی نئی نسل کے دلوں میں پیدا کیا گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ پیدا کیسے ہو؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جن کے دل خوف وخشیت سے لبریز ہوں ان کی صحبت اختیار کی جائے۔ دلوں میں خشیتِ ربانی کتابیں پڑھنے یا موبائل وانٹرنیٹ کے ذریعہ علم کا ذخیرہ اکھٹا کرنے سے پیدا نہیں ہوتی، یہ تو بس صحبت ونظر سے پیدا ہوتی ہے۔

خوف وخشیّت کی ایک مثال

جب انسان کا دل اور اس کا ضمیر زندہ اور بیدار ہوتا ہے، تو وہ رات کی تاریکیوں اور چادر ولحاف میں بھی یہ کوشش کرتا ہے کہ، میرا مولیٰ مجھے ناجائز حالت میں نہ دیکھے۔

بیان کیا جاتا ہے: رات کی تنہائیوں میں ایک مرد نے ایک عورت سے خلوت کرنا چاہی۔ جب وہ اپنے برے ارادہ کو پورا کرنے کے لئے آمادہ ہوا تو اس نے اس عورت کو لرزاں وترساں اور ہیبت زدہ دیکھا۔ تو وہ مرد بولا: تم کس سے ڈر رہی ہو؟ یہاں تو میرے اور تمہارے علاوہ کوئی نہیں ہے سوائے آسمان کے چمکتے ستاروں کے۔ تو اس زندہ ضمیر اور بیدار دل عورت کو فوراً خداوند قدوس کی عظمت و کبریائی کا خیال آیا اور اس کے اندر کا استاد بول اٹھا: اور ان ستاروں کو

پیدا کرنے والا؟ انہیں روشنی دینے والا؟ اتنا سننا تھا کہ وہ شہوت کا غلام مرد بھی اس آواز سے متنبہ ہوا اور اپنے برے ارادہ سے باز آیا۔

اللہ تعالیٰ کا دروازہ

جب انسان کے اندر کا واعظ ومعلم واستاذ زندہ اور بیدار ہو تو وہ عزت بچاتا بھی ہے، دلاتا بھی ہے اور عزت بڑھاتا بھی ہے۔

کہا جاتا ہے ایک مرد ایک عورت سے ایک گھر میں دروازہ بند کر کے خلوت نشین ہو گیا۔ جب اس عورت کو خوف وخشیت میں مبتلا پایا تو بولا: کیوں ڈر رہی ہو، دروازے بند کر دئے گئے ہیں؟ تو وہ خداترس بندی بولی: اور اللہ تعالیٰ کا دروازہ؟

اور اللہ تعالیٰ کا دروازہ؟ یہ ایسا جملہ تھا، جو اس شہوت کے غلام کے دل پر فوراً اثر کر گیا۔ بات کیا ہے؟ بات یہ ہے کہ اس عورت کے دل و دماغ میں یہ بیٹھا ہوا تھا کہ ''خدا دیکھ رہا ہے''۔

ہمارے دیکھنے کو وہ دیکھ رہا ہے

حق یہی ہے کہ پہلے دلوں میں خدا کی تعظیم وہیبت بٹھائی جائے۔ جب یہ تعظیم وہیبت دلوں میں بیٹھ جاتی ہے، تو بندے کو مراقبہ اور دھیان کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ اور جب مراقبہ کی حالت پیدا ہوتی ہے، تبھی اس کو دین وشریعت پر استقامت حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ جان جاتا ہے کہ اس کا ہر عمل محفوظ ہے، گنا جا رہا ہے، شمار کیا جا رہا ہے۔ ہم اگرچہ بھول جاتے ہیں لیکن حقیقت یہی ہے کہ وہ بھلایا نہیں جاتا۔ ہماری آنکھیں تو اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ رہیں، لیکن ہماری آنکھیں

کیا دیکھ رہی ہیں، وہ دیکھ رہا ہے۔ ہمارے کان کیا سن رہے ہیں، اسے بھی دیکھ رہا ہے۔ وہ خبیر بھی ہے علیم بھی اور لطیف بھی۔ وہ جس طرح ہمارے ظاہر کو دیکھ رہا ہے، ہمارے باطن کو بھی دیکھ رہا ہے۔ اس کی ہر خوبی اجل واعظم اور اعلیٰ ہے۔

جواب آیا خالق دیکھ رہا ہے

روضۃ المحبین نامی کتاب میں ہے: ایک شخص ایک جنگل میں داخل ہوا اور بولا اگر میں اِس تنہائی کی جگہ میں گناہ کروں تو مجھے کون دیکھے گا؟ اچانک اس نے ایسی سخت آواز سنی جس سے جنگل کی وادی تھرا گئی، آواز یہ تھی: اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَ هُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ (کیا وہ بھی نہیں جانتا [دیکھ رہا ہے] جس نے پیدا کیا؟ اور وہ لطیف وخبیر ہے۔)

یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی وسعتِ علم، اس کی سلطنت اور قہر وقدرت سے عالم کی کوئی چیز باہر نہیں۔ وہ ایسا علیم وخبیر ہے کہ دقیق سے دقیق باریک سے باریک چیزوں کو بھی جانتا ہے۔ حتیٰ کہ رات کی ظلمت وتاریکی میں سخت کالی چیونٹی کی رینگن کو بھی دیکھتا اور جانتا ہے۔ مخلوق کے تمام ظاہر وباطن سے آگاہ ہے اور ایک ایک چیز ایک ایک ذرہ کو اس کا علم محیط ہے۔

خوفِ خدا اور عام خوشخبری

روایت میں آیا ہے: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۔ہجرت کے بعد انصار ومہاجرین میں بھائی چارگی قائم فرمائی، تو۔ ایک انصاری اور ایک ثقفی مہاجر کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ یہ دونوں اسلامی بھائی آپس میں اتنی محبت کرتے

تھے کہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے تھے۔ اتفاق سے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی غزوہ میں تشریف لے گئے، تو ثقفی صحابی سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلے گئے اور اپنے انصاری بھائی کو اپنے گھر کی ذمہ داریاں دے گئے۔ وہ انصاری اپنے ثقفی بھائی کی تمام ضرورتیں پوری کرتے اور ایمانداری کے ساتھ نگرانی کرتے۔ ایک دن جب وہ آئے تو ان کی بیوی کو اس حال میں دیکھا کہ، وہ غسل کرنے کے بعد بال کھولے ہوئے بیٹھی تھیں۔ تو ان کے نفس میں کچھ پیدا ہوا، اور بلا اجازت ان کے پاس پہنچ گئے۔ قریب تھا کہ وہ نفس کی شر کی وجہ سے ان کے چہرہ کا بوسہ لیں۔ لیکن اُس پارسا خاتون نے چہرہ پر اپنی ہتھیلی رکھ لی۔ بس وہ ہاتھ کے ظاہری حصہ کا بوسہ لے کر ایک دم نادم وشرمندہ ہو کر لوٹے۔ وہ خاتون بولیں: سبحان اللہ! آپ نے اپنے مال میں خیانت کر دی اور اپنے مالک کی نافرمانی کی۔ وہ اپنے کئے پہ بہت شرمندہ تھے اور پہاڑوں میں گھومتے پھرتے روتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے گناہ سے توبہ کرتے تھے۔ جب ان کے ثقفی بھائی غزوہ سے واپس آئے، تو ان کی بیوی نے سارا واقعہ اپنے شوہر کو سنایا۔ وہ ثقفی صحابی انہیں تلاش کرنے کے لئے نکلے، تو انہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز پایا اور وہ سجدے میں عرض کرتے تھے: رب ذنبی رب ذنبی (اے میرے رب میرا گناہ بخش دے۔ میرا گناہ بخش دے) میں نے اپنے بھائی کی خیانت کی۔ تو ان کے ثقفی بھائی نے کہا: چلو اٹھو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چلتے ہیں اور سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کے گناہ کے بارے میں پوچھیں گے۔ شاید اللہ تعالیٰ آپ کی توبہ کی راہ اور آسانی پیدا کر دے۔ وہ دونوں حضرات مدینہ آئے اور عصر کی نماز کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔

ادھر حضرت جبرئیل علیہ السلام ان کی توبہ کے بارے میں سورۂ آل عمران کی دو آیتیں (۱۳۶-۱۳۵) لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے:

وَ الَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ اِلٰى وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ. (پ:۴-آل عمران)

ترجمہ: وہ لوگ جو کوئی برا کام کرلیں یا اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں اور انہیں خدا یاد آجائے، تو وہ اپنے گناہوں کی اس سے بخشش طلب کریں۔

وہاں سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ بھی موجود تھے، آپ نے عرض کی: سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ خاص نعمت توبہ نامہ انہیں انصاری صحابی کیلئے ہے یا عام لوگوں کے لئے بھی ہے؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں! بلکہ توبہ اور قبولیت توبہ (کی خوشخبری) تمام لوگوں کے لئے ہے۔ تو مولیٰ علی نے کہا: الحمد للہ رب العالمین۔

(عمدۃ القاری شرح بخاری)

صحبت کا اثر

سوال اس بات کا ہے کہ اُن انصاری صحابی کو گناہ سے کس نے روکا؟ وہ پارسا خاتون، جن کا شوہر کافی دنوں سے غائب تھا، انہیں شرم وحیا کا پیکر کس نے بنایا؟ اور اپنے شوہر کی امانت کی حفاظت اور خداوند قدوس کی شریعت اور اس کے حکم کی پابندی پر کس نے آمادہ کیا؟ تو جواب یہی آئے گا، کہ ان کے ضمیر زندہ اور دل خوف وخشیتِ خداوندی سے لبریز تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روحانی ماحول میں ان کی پاکیزہ تربیت فرمائی تھی اور صحبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے ان کے دل ودماغ میں یہ تصور ہر وقت قائم رہتا تھا: ''خدا دیکھ رہا ہے۔''

احسان واخلاص

اب ہم اس مفہوم کی کچھ وضاحت اُس حدیث سے کررہے ہیں جس کو ام السنۃ، ام الحدیث اور حدیث جبرائیل کہا جاتا ہے۔ جس میں حضرت جبریل علیہ السلام کے انسانی پیکر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر ایمان، اسلام، احسان اور قیامت کے بارے میں کئے گئے سوالات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوابات ہیں۔ انہیں چند سوالوں میں ایک سوال تھا: مَا الْاِحْسَانُ؟ (احسان کیا ہے؟) رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ.

اللہ تعالیٰ کی عبادت وبندگی اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اور اگر یہ نہ کرسکتے ہو، تو یہ تصور قائم کرلو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

جب نوکر مالک کے سامنے ہو

اس حدیث میں (اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ) کا ترجمہ اگر ہم (اَنْ تَخْشَى اللّٰهَ) سے کریں، تو جو بات ہم بتانا چاہتے ہیں وہ اور واضح ہوجائے گی۔ (اَنْ تَخْشَى اللّٰهَ) کا مطلب ہوا کہ، تم اللہ سے ایسے ڈرو جیسے کہ تم اسے دیکھ رہے ہو۔ ظاہر بات ہے، جب ایک غلام ایک نوکر مالک کے سامنے ہو اور مالک اس کو دیکھ رہا ہو اور وہ مالک کو دیکھ رہا ہو، تو غلام مالک کا کام اور مالک کی خدمت بہتر سے بہتر طریقہ سے ادا کرنے کی کوشش کرے گا۔ تاکہ مالک اس سے خوش رہے، ناراض نہ ہوجائے۔ اور اگر وہ مالک کو نہیں دیکھ رہا، لیکن اس کا یقین ہے کہ مالک اسے

دیکھ رہا ہے، جب بھی وہ کام میں کسی طرح کی کوتاہی و کمی نہیں کرے گا۔ اس خوف سے کہ کہیں اس کی یہ خدمت رد نہ کر دی جائے اور اسے اجرت و مزدوری سے محروم نہ کر دیا جائے۔ اس کی تائید عمارہ ابن قعقاع کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ جیسا کہ عمدۃ القاری میں اس حدیث کی شرح فرمائی ہے۔

اس حدیث میں جو لفظ ''احسان'' آیا ہے، اس کا ایک معنی ہے: کام کو بہتر طور پر یا مکمل طور پر کرنا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ اور محدثین کرام اس کا ایک معنی ''اخلاص'' بھی بیان کرتے ہیں۔

ظاہر بات ہے کوئی بھی عبادت وطاعت ہو جب تک اس میں دیگر شرائط و آداب کے ساتھ اخلاص نہ ہو، وہ اعلیٰ و بہتر ہو کر قبولیت کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتی۔ احسان کے اس دوسرے معنی کے اعتبار سے حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ عبادت مضبوط اور پائدار طریقہ سے اللہ تعالیٰ کے حقوق کی رعایت کرتے ہوئے حضور قلب کے ساتھ کی جائے۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب بندہ کے دل میں یہ تصور قائم ہو کہ وہ جس کی بھی عبادت و بندگی کر رہا ہے وہ اسے دیکھ رہا ہے۔

عالم ظاہر میں تین چیزیں

ہر کلمہ پڑھنے والا اپنے مالک کی طرف سے چند چیزوں کا پابند ہے۔

(۱) اس کی طاعت وعبادت بحسن وخوبی بجالائے۔

(۲) جائز ومباح زندگی گزارنے کی چیزوں کو اس طرح استعمال کرے کہ ان کی وجہ سے نعمتیں دینے والے اپنے خالق و مالک سے غافل نہ ہو۔

(۳) اپنے مالک کی نافرمانی اور گناہوں سے بچے اور اس کی حدوں کو نہ

توڑے۔

پہلا درجہ: طاعت و بندگی

جب ہم اپنے مولیٰ کی عبادت و بندگی کریں۔ خواہ نماز ادا کر کے، روزہ رکھ کے یا دین کے کسی اور فرض و واجب و سنت وغیرہ کو ادا کر کے۔ تو ہم یہ تصور قائم کریں اور یقین سے جان لیں کہ، اللہ تعالیٰ ہمارا خالق و مالک اور معبودِ برحق ہے۔ وہ یقینی طور پر ہمیں اور ہمارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ اگر کوئی زندیق یا اس کا منکر ہے اسے ماننا ہی نہیں ہے، اس کی بات الگ ہے۔ لیکن جو اس کے وجود کا معترف واقراری ہے اور یقیناً جس نے لا الہ الا اللہ پڑھا ہے، وہ اس بات کو مانتا ہے۔ اب اگر وہ مومن اس کی اطاعت و بندگی ترک کرتا ہے یا اس میں کسی طرح کی کوتاہی کرتا ہے، تو اس لئے نہیں کہ وہ منکر یا زندیق یا بے دین ہے، بلکہ یہ ترک یا کوتاہی اور بحسن خوبی ادا نہ کرنا تہاوناً اور سستی و کاہلی کی وجہ سے ہے۔ اور یہ سستی و کاہلی اس وجہ سے ہے کہ: اسے بُرہانِ احسانی یعنی وہی تصور ویقین کہ خدا دیکھ رہا ہے، حاصل نہیں یا اس میں کمی ہے۔ جیسا کہ نمازوں کے ضائع کرنے والے، وقت پر نہ پڑھنے والے یا نماز کو اس کے آداب و شرائط سے اس کی صفت کاملہ کے ساتھ بدرجۂ کمال ادا نہ کرنے والے، روزہ نہ رکھنے والے یا زکوٰۃ نہ دینے والے۔ اور یہ کوتاہی اور کاہلی صرف اس لئے ہوتی ہے کہ جس مالک و مولیٰ نے ان فرائض اور عبادات کا حکم دیا ہے، اس مالک و مولیٰ کی قدر و عظمت اور اس کے حکم کی اہمیت نہیں معلوم۔ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (ہائے انہوں نے اپنے مالک و مولیٰ کی قدر ہی نہ جانی)

کاش! بُرہانِ احسانی حاصل ہوتی

اگر یہ نمازوں کو ضائع کرنے والے، وقت پر نہ پڑھنے والے، روزہ نہ رکھنے والے، زکوٰۃ نہ دینے والے اور اللہ تعالیٰ کے فرائض وواجبات علی الاعلان ضائع اور ترک کرنے والے یہ جان لیتے کہ خدا دیکھ رہا ہے.....اگر انہیں بُرہانِ احسانی اور مقامِ مراقبہ حاصل ہوتا ۔یعنی: ان کے دل ودماغ میں یہ تصور قائم ہوتا ۔ کہ خدا دیکھ رہا ہے.....تو ایک بھی فرض وواجب ضائع وبرباد نہ کرتے ۔ بلکہ ہر فرض وواجب وقت پر ادا کرتے...سلیقہ سے ادا کرتے...ادب ومحبت اور خشوع وخضوع سے ادا کرتے ۔ مولیٰ کریم ہمیں اپنے حبیب ﷺ کے صدقہ برہانِ احسانی اور مقامِ مراقبہ عطا فرما۔

یہ تصور قائم کیسے ہوگا؟

سوال: مقامِ مراقبہ،عبادات میں حضورِ قلب یا برہانِ احسانی حاصل کیسے ہوگی؟ یعنی ''خدا ہمیں دیکھ رہا ہے'' کا تصور کیسے قائم ہوگا؟

جواب: دل کو عربی میں قلب کہتے ہیں۔عربی میں ق ل ب کا معنی ہوتا: ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پلٹنا۔اور دل کو قلب اس لئے کہتے ہیں، کہ وہ امور ومعاملات میں الٹتا پلٹتا رہتا ہے۔کسی نے اپنے عربی کے شعر میں یہی بات کچھ اس طرح کہی ہے: کہ دل کو اس کے الٹ پلٹ ہونے کی وجہ سے قلب کہتے ہیں۔تو تو قلب کی تحویل وتبدیلی اور اس کے الٹ پلٹ سے بچ۔

ہر شخص جانتا ہے کہ قلب ودماغ میں یکسوئی ہر وقت حاصل نہیں ہوتی ۔ یہی

قلب ودماغ کے خیالات انسان کو کبھی بازار مارکیٹ کبھی گھر دکان ادہر ادھر لئے پھرتے ہیں۔حتیٰ کہ نماز جیسی عظیم عبادت میں بھی ایک جگہ اس کا دھیان جماؤ نہیں پاتا۔اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا ہے:

جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے، جب وہ صحیح ودرست رہتا ہے، تو پورا جسم درست رہتا ہے۔اور جب اس میں فساد وخرابی آتی ہے، تو پورا جسم فاسد وخراب ہوجاتا ہے۔خبردار! وہ دل ہے۔(بخاری شریف)

اس حدیث میں گوشت کے ایک چھوٹے سے لوتھڑے کی اصلاح پر جسم کے سارے اعضا کی درستگی کو موقوف بتایا گیا۔مطلب یہ کہ کل جسم کی اصلاح ودرستگی دل کی اصلاح ودرستگی کے تابع ہے۔اور کہا گیا ہے، کہ: دل سلطانِ بدن ہے اور باقی اعضا رعایا اور پبلک کی طرح۔اور جب بادشاہ درست ہوتا ہے تو رعایا بھی درست۔اور کتبِ طب میں بتایا گیا ہے کہ: انسانی نطفہ میں پہلا نطفہ قلب ودل کا ہی پڑتا ہے۔اس اعتبار سے بھی دل تمام اعضا کا سردار ہوا۔اس سے بھی ظاہر ہوا کہ پہلے اس کی اصلاح ودرستگی کی ضرورت ہے۔اور اس کی حالت وخاصیت یہ ہے کہ ہر وقت لوٹ پلٹ ہوتا ہے، اس پر طرح طرح کے خَواطر وخیالات ہر وقت وارد ہوتے رہتے یعنی آتے جاتے رہتے ہیں۔

اب انسان کو چاہئے کہ یکسوئی، جماؤ اور برہانِ احسانی (یعنی خدا دیکھ رہا ہے کا تصور قائم کرنے) کے لئے خود اپنی کوشش اور جدجہد بھی جاری رکھے۔ساتھ میں جو حضرات یہ مقامِ مراقبہ اور حضورِ قلب حاصل کر چکے ہیں، ان کی صحبت بھی اختیار کرے۔اور اپنی کوشش وجدجہد اور صحبتِ صالحین کے ساتھ ساتھ اللہ پاک مولیٰ کریم کی بارگاہ میں اس کیلئے شب وروز دعا بھی کرتا رہے۔جیسا کہ اللہ پاک

کے حبیب، سراج السالکین، شمس العارفین، اخشع الخاشعین، سید الہادین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم امر اور عالم بالا میں اپنی آنکھوں سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا دیدار کرنے کے باوجود، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا کرتے تھے:

یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ! ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ۔

اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین (یعنی اپنی طاعت و بندگی) پر ثابت رکھ۔

جب ہم یہ تینوں کام (کوشش، صحبتِ صالحین و عارفین اور ساتھ میں متواتر مولیٰ کریم کی بارگاہ میں دعا) کریں گے، تب کہیں جا کر یہ مقامِ مراقبہ، حضور قلب اور ''خدا ہمیں دیکھ رہا ہے'' کا تصور قائم ہو سکتا ہے۔

خیال رہے!

ایک بات اور دھیان رہے کہ یہ مقام انسان کو ہر وقت حاصل نہیں رہ سکتا، نہ یہ تصور ہر وقت قائم رہ سکتا ہے۔ کیونکہ اگر ہر وقت یہی تصور قائم رہے گا ''خدا دیکھ رہا ہے''، تو انسان دنیا کے کام، تلاش معاش اور زیر کفالت بیوی بچوں کی پرورش و تربیت کیسے کرے گا؟ تجارت و زراعت وغیرہ ذرائع معاش کیسے قائم رہ سکیں گے؟ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے:

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک صحابی سے ملے تو انہیں غمگین و رنجیدہ پایا۔ آپ نے فرمایا: رنجیدہ کیوں ہو؟ انہوں نے عرض کی: میں تو منافق ہو گیا ہوں؟ آپ بولے: کیسے؟ وہ بولے: جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ہوتا ہوں، تو میرے دل کی کیفیت کچھ اور ہوتی ہے اور جب میں آپ کی مجلس و صحبت سے آتا ہوں تو بیوی بچوں میں الجھ جاتا ہوں۔ (اور وہ کیفیت ختم ہو جاتی

ہے۔) تو حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا: یہ حال تو میرا بھی ہے۔ چلو ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں چلتے ہیں۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچے اور قصہ بیان کیا۔ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہاری جو کیفیت میری مجلس وصحبت میں رہتی ہے اگر ہر وقت رہے تو عالم بالا سے بلا واسطہ تمہارے پاس سلام آنے لگے۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ تصور، دھیان اور حضور قلب ہر وقت حاصل نہیں رہ سکتا۔ لیکن انسان کو اس سے غافل بھی نہیں رہنا چاہئے۔ خاص طور سے عبادت و بندگی کے وقت اس سے بالکل غافل نہ رہے اور یہ کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

دوسرا درجہ: جائز ومباح چیزوں کا استعمال

اس دوسرے درجہ پر بھی انسان کو اگر وہ تصور حاصل ہے، تو وہ جائز ومباح چیزوں کے حاصل کرنے میں اعتدال اور مناسب طریقہ استعمال کرے گا۔ پہلے زندگی گزارنے کیلئے جن چیزوں کی انسان کو ضرورت ہے، مثلاً: لباس، خوراک، رہنے کو مکان وغیرہ ان کے حاصل کرنے میں وہی طریقے اور راستے اختیار کرے گا، جس کی اس کے خالق و مالک نے اجازت دی ہے۔ اور ناجائز وحرام ذریعوں کی طرف قدم نہیں بڑھائے گا۔ اور جائز ومباح حاصل کرنے میں بھی نہ وہ اپنے خالق و مالک سے غافل رہے گا اور نہ مباح کے حصول میں اس کے فرائض کو ترک کرے گا۔ پھر ان چیزوں کے استعمال میں سہو اور غفلت سے بھی کام نہیں لے گا۔ بلکہ ان نعمتوں کے دینے والے مولیٰ کو یاد رکھتے ہوئے حاصل کرے گا۔ کیونکہ جب بندہ کو یہ معلوم ہو جائے اور اس پر اسے یقین بھی حاصل ہو، کہ اس کا مولیٰ ان تمام چیزوں کے حاصل کرنے اور ان کو خرچ کرنے میں اسے دیکھ رہا

ہے، اور اسے یہ بھی یقین ہو کہ اس کے مولیٰ نے اسے حکم دیا ہے، کہ میرے بندہ کی توجہ اور دھیان دنیا اور دنیا کی لذتوں سے زیادہ میری طرف رہے، تو وہ بندہ یقینی طور پر اس بات سے شرم کرے گا، کہ اس کا خالق و مالک اسے اپنے ذکر اور اپنی یادوں سے غافل، حقیر و ذلیل دنیا کی مٹنے والی چیزوں میں پھنسا ہوا یا ان میں منہمک و مشغول دیکھے۔ جیسا کہ آج کل عام طور سے دیکھا جا رہا ہے۔
خصوصاً شادی بیاہ یا دیگر سماجی تقریبات کے موقعہ پر لوگ فضول اور غیر ضروری کھانے پینے سے لیکر لہو ولعب اور نا جانے کتنی فضولیات میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور ان نعمتوں کے دینے والے سے ایسے غافل ہو جاتے ہیں کہ اس کے احکام کی ایک ذرہ پرواہ نہیں کرتے۔ مولیٰ ہمیں اور ہماری قوم کو ہدایت عطا فرمائے۔

تیسرا درجہ: گناہ اور معصیت

تیسری چیز معصیت و گناہ، اس میں آج ہماری قوم کس قدر مبتلا ہے؟ اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ کہ عیاں را چہ بیاں (یعنی اس کو ہم کیا بیان کریں، جسے سب دیکھ رہے ہیں)
اگر آج مسلمان کو ذرا بھی بُرہان اور تھوڑا سا یقین حاصل ہوتا، تو جب وہ گناہ (چھوٹا ہو یا بڑا) کا ارادہ کرتا، تو اسے فوراً احساس ہو جاتا کہ: اس کا مالک و مولیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اگر اسے اس بات کا یقین ہوتا کہ: میرا مولیٰ تو آنکھوں کی خیانت اور دلوں کے چھپے بھید کو جانتا ہے، تو ضرور وہ اس گناہ سے رکتا اور اس کے ارادہ کے بعد بھی واپس آ جاتا۔ جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں کئی واقعات بیان کر آئے ہیں کہ بہت سے لوگ گناہ کے قریب پہنچنے کے بعد بھی

مولیٰ کے خوف سے واپس آ گئے۔
جیسے اگر کسی بچہ کو معلوم ہو جائے کہ اس کے باپ یا استاذ یا سرپرست کوئی غلط کام کرتے وقت اسے دیکھ رہے ہیں، تو وہ فوراً اس سے رک جاتا ہے اور بھاگ جاتا ہے۔
لیکن ہوتا یہ ہے کہ انسان اس بات سے غافل ہو جاتا ہے کہ اس کے مولیٰ کی نظر اس کی طرف ہے۔ اور گناہ کے وقت اس بات کو بھول جاتا ہے کہ اس کا مالک و مولیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ یا وہ جاہل ہوتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ اس کا خالق و مالک تو اس سے دور ہے، تو وہ گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔
اور اگر انسان تنہائیوں میں گناہ سے باز نہیں آ رہا ہے، تو اس کا مطلب یہی ہے کہ یا تو وہ بالکل اپنے مالک و مولیٰ کو بھولے ہوئے ہے، یا اس بات سے جاہل ہے کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے۔ دونوں ہی چیزیں بہت خطرناک ہیں۔

یہ چند سطریں کیوں؟

اسی غفلت و جہالت کو دور کرنے کیلئے یہ چند سطریں کتابچے کی صورت میں آپ کے ہاتھوں میں دے رہے ہیں، تا کہ عبادت و بندگی کرنے والے اس شعور واحساس کے ساتھ بندگی کریں کہ ہمارا خدا ہمیں دیکھ رہا ہے۔ اس سے یقینی طور پر ان کی عبادت و بندگی فرائض و شرائط، آداب و سنن، خشوع وخضوع، سوز و گداز، حضورِ قلب اور اخلاص کے ساتھ ادا ہوگی۔ ایسے ہی آپ جائز و مباح رزق اور ذریعہ معاش حاصل کرنے میں اعتدال و توازن کا طریقہ اختیار کریں گے اور حرام طریقہ سے بچیں گے۔ پھر اس جائز کمائے ہوئے مال کو استعمال کرنے میں

بھی سہو وغفلت سے بچیں گے۔اس اسراف وفضول خرچی سے بھی دور رہیں گے، جس سے شریعت نے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔اور معصیت وگناہ کے مقام پر تو بہت زیادہ احتیاط سے کام لیں گے۔

نماز کی وصیت

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ انْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۔ (پ:۲۱-سورۂ لقمان:۱۷)

ترجمہ: اے میرے بیٹے! نماز کو ہمیشہ قائم رکھ، بھلائی کا حکم دے، برائی سے روک اور (ان امور کی ادائیگی میں) جب تجھے کوئی مصیبت و پریشانی پہنچے، تو اس پر صبر کر اور یہ (امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور صبر برایذا) بڑا اولوالعزم (یعنی ہمت وحوصلہ کا) کام ہے۔

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو متعدد وصیتیں کیں، مگر ان میں تین وصیتیں ہر انسان کے لئے بہت اہم اور قابلِ عمل ہیں۔

(۱) نماز کی پابندی (۲) بھلائیوں کا حکم دینا برائیوں سے روکنا

(۳) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں پہنچنے والی تکالیف پر صبر کرنا۔

یہاں ہم حضرت لقمان کی انہیں تینوں وصیتوں پر تفصیل سے لکھیں گے۔ باقی وصیتوں کا ترجمہ کرتے ہوئے گزر جائیں گے، تاکہ کتابچہ طویل نہ ہوجائے۔ مذکورہ آیت میں حضرت لقمان کی تین وصیتوں کا ذکر ہے۔

(۱) نماز:۔ جو صرف حق اللہ ہے۔ وہ اپنی اس وصیت میں صورتاً نماز کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کے جلال وقدرت کو اپنے بیٹے اور دیگر لوگوں

کے دلوں میں بٹھانا چاہتے ہیں۔

(۲) بھلائیوں کا حکم دینا برائیوں سے روکنا:۔اس طور پر کہ لوگوں کی بھلائی اور اچھائی کی طرف رہنمائی کی جائے اور انہیں شر وفتنہ وفساد سے دور رکھا جائے۔ اس میں عام لوگوں کے نفع کا ہے۔اور یہ حق عام ہے، جس کو انہوں نے ماں باپ کے حقوق کے بعد بیان فرمایا ہے۔

(۳) ایذا پر صبر کرنا:۔یعنی دعوت وتبلیغ کے میدان میں آنے والی پریشانیوں پر صبر وتحمل سے کام لینا۔اور یہ حق نفس ہے۔اور حقیقت یہ ہے کہ: نماز قائم کرنا ہو یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، ان عظیم حقوق کی ادائیگی کے لئے صبر ایک بہت مضبوط اور قوی ہتھیار ہے۔صبر چونکہ ایک بہت بڑی مشقت ہے، اسی لئے اسے اولوالعزم اور بڑے ہمت وحوصلے والوں یعنی انبیا اور ان کے نائبین کی خصلت عظیمہ اور عادت کریمہ کہا جاتا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ تمام میدانوں کی کامیابی صبر میں ہی پوشیدہ ہے۔اسی لئے صبر کو نصف دین کہا گیا۔

چنانچہ علما فرماتے ہیں: آدھا دین شکر ہے اور آدھا دین صبر ہے۔

سرپرستوں کی ذمہ داری

اب ایک باپ، سرپرست اور استاذ کو اپنی اولاد، اپنے ماتحتوں کی تربیت میں ان باتوں کا اہتمام کرنا بہت ضروری ہے۔اور انہیں ایمان وعقیدہ کی تعلیم اور اس کی اصلاح کے بعد سب سے پہلے اور سب سے زیادہ توجہ انہیں چیزوں کی طرف دینی چاہئے۔ کیونکہ یہی باتیں تمام اعمال صالحہ کی جڑ اور بنیاد سمجھی جاتی ہیں۔جیسا کہ حضرت لقمان نے ایمان وعقیدہ کی اصلاح کے بعد اپنے بیٹے کو پیار

بھرے کلمہ ''یَا بُنَیَّ'' سے خطاب کر کے نماز، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ ''یَا بُنَیَّ'' محبت بھرے کلمہ سے مخاطب کر کے وہ بتانا چاہتے تھے کہ جس چیز کا حکم دیا جا رہا ہے، وہ بہت اہم اور جلیل القدر ہے۔ اور دین و دنیا کی کامیابی کا راز اس کی ادائیگی میں پوشیدہ ہے۔ اسی لئے انہوں نے ''یَا بُنَیَّ'' سے اپنے بیٹے کا ذہن وفکر حاضر کر کے نماز بلکہ اقامت نماز اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور اس پر آنے والی مشقت پر صبر کا حکم دیا۔

نماز اکمل عبادات

ایمان تو چونکہ ہر خیر و بھلائی کا مبدأ اور بنیاد ہے۔ اور انسان کے ظاہری و باطنی کمال کی جڑ اور منشا ہے۔ ایک مکلف انسان پر جو چیز سب سے پہلے واجب ہوتی ہے، وہ توحید و ایمان ہی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے لیکر آئے ہیں، اس کو دل سے ماننا اور اس کو سیکھ کر اس پر عمل کرنا۔ اسی کا نام کمال ایمان ہے۔ اسی لئے ایمان تمام امور میں مطلقاً سب سے اعلیٰ، سب سے اشرف اور سب سے افضل ہے۔ لیکن ایمان وعقیدہ کی اصلاح کے بعد جو سب سے اعلیٰ اور سب سے افضل عمل ہے، وہ ہے نماز۔ کیونکہ نماز ہی وہ عبادت ہے، جو انسان کے نفس کی اصلاح اور تکمیل کرتی ہے۔

جس صیغہ اور کلمہ سے حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نماز کی وصیت کی، بالکل اسی صیغۂ واحد مذکر حاضر سے اللہ تعالیٰ نے سورۂ عنکبوت میں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ ان کی امت کو نماز قائم کرنے اور اس پر

پابندی کا حکم دیا۔ اور ساتھ میں ہمیشہ پابندی کے ساتھ نماز ادا کرنے کی مصلحت و حکمت بھی بیان فرما دی۔ اب پڑھئے رب کا حکم:

اَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۔ (پ:۲۱۔العنکبوت:۴۵)

ترجمہ: نماز (اس کے ارکان و آداب کی حفاظت کے ساتھ وقت پر پابندی سے) قائم کیجئے۔ بیشک (وقت پر شرائط و ارکان کی حفاظت اور ظاہری و باطنی آداب کی رعایت کے ساتھ جماعت سے ادا کی جانے والی) نماز (انسان کو) بے حیائیوں اور تمام ممنوع و برے کاموں سے روک دیتی ہے۔

نماز کی خاصیت

جب کسی نمازی آدمی کو خلاف شرع کام یا کسی بے حیائی، برائی اور گناہ و معصیت میں مبتلا دیکھا جائے، تو عام طور پر کہا جاتا ہے کہ: فلاں شخص نماز بھی پڑھ رہا ہے اور گناہ بھی کر رہا ہے۔ جبکہ قرآن فرماتا ہے: ''بیشک نماز بے حیائی اور بری بات سے روکتی ہے۔'' اور قرآن کا حکم اپنی جگہ برحق ہے، تو ایسے شخص کی نماز کا حکم کیا ہے؟ دوستو! اس کا یہی جواب دیا جائے گا کہ: بیشک نماز انسان کو بے حیائی اور بری بات سے روکتی ہے، مگر اسی وقت، جبکہ وہ بکمال و خوبی نماز پر مداومت اور پابندی کرے۔ کیونکہ نماز اور ذکرِ الٰہی انسان میں خوف و خشیت خداوندی پیدا کرتا ہے۔ خاص طور سے انسان کو گناہ سے باز رکھتا ہے۔

(اَقِمِ الصَّلٰوةَ) کا مطلب ہے نماز پر پابندی کرو۔ اور نماز کی پابندی کا مطلب یہ ہے کہ: نماز کے فرائض و شرائط اور سنن و مستحبات۔ جو علمائے شریعت

بتاتے ہیں۔اوراس کے باطنی آداب۔جوطریقت کے عارف بتاتے ہیں۔ان تمام کی رعایت کے ساتھ پابندی کرے۔یہ نماز کا کمالِ وصفی کہلاتا ہے۔اورنماز وقت پرادا کرے،آگے پیچھے نہیں۔پابندی سے پڑھے،قضاوناغہ سے نہیں۔یہ نماز کا کمالِ زمانی ہے۔

جب بندہ ان دونوں کمالوں کے ساتھ نماز ادا کرے گا،توبیشک یہ نماز ضرور اس انسان کو ہرطرح کی بے حیائی اور ہرقسم کی برائی سے روکے گی۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں نماز کی یہ خاصیت اورتاثیر بیان فرمادی ہے کہ وہ بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔

نماز کا نتیجہ

اس حکم خداوندی سے سمجھ لینا چاہئے کہ: جو نماز پڑھ کر بے حیائیوں اور برائیوں سے بچ رہا ہے، وہی حقیقت میں مُصَلّی اور نمازی ہے۔اور جو بے حیائیوں اور برائیوں سے نہیں بچ رہاہے۔وہ ظاہراً اگرچہ نماز کے ارکان ادا کررہا ہے۔لیکن وہ سچا نمازی نہیں ہے۔اسی طرح کا بیان تفسیر روح البیان میں سورۂ لقمان کی تفسیر میں ہے۔

زبانِ نبوت کی برکت

روایت میں آیا ہے: ایک انصاری نوجوان اللہ پاک کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پانچ وقت کی نماز ادا کرتے تھے۔لیکن ہرطرح کا گناہ بھی ان سے ہوجایا کرتا تھا۔لوگوں نے ان کی یہ حالت سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان کی۔توسرکاردوعالم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ صَلٰوتَهٗ سَتَنْهٰى (بیشک ان کی نماز عنقریب ان کو گناہوں سے روک دے گی۔)اور یہی ہوا۔زبانِ نبوت کی برکت! بس تھوڑا ہی وقت گزرا ہوگا،انہوں نے توبہ کرلی۔اورایسی توبہ کی اوراپنے حال کی ایسی اصلاح کی کہ ان کا شمار زاہد صحابہ میں ہونے لگا۔(سورۂ عنکبوت۔تفسیر روح البیان)

عمل کی تاثیر

ہرکام کی ایک تاثیر ہوتی ہے جواس کے فاعل یعنی کرنے والے پر ظاہر اور مُرتَّب ہوتی ہے۔اور ہر عمل کا اثر خاص طور سے انسان کے دل پر ضرور پڑتا ہے۔اگر وہ عملِ خیر کرتا ہے،تو اس سے اچھے کام کی خاصیتیں اوراثرات ظاہر ہونے لگتے ہیں۔اور اگر۔خدانخواستہ۔کسی عملِ شر اور گناہ میں مبتلا ہوتا ہے،تو اس کے اثراتِ بد بھی آہستہ آہستہ اس پر مرتب ہوکر ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

جیسے پانی کا ایک اثر ہے، جو پینے والے پر مرتب ہوتا ہے۔کھانے کا ایک اثر ہے، جو کھانے والے پر مرتب ہوتا ہے۔بھوک پیاس کا دور ہونا وغیرہ۔

علم کا اثر: علم کا ایک اثر ہے، وہ ہے خوف وخشیت جو عالم دین پر مرتب ہوتا ہے۔جیسے قرآن کریم میں ہے:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ (پارہ:۲۲-الفاطر:۲۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے بندوں میں علما ہی ڈرنے والے ہیں۔

توجو عالمِ دین ہوکر رب تعالیٰ کا خوف وخشیت رکھتا ہو وہی عالم دین ہے۔ اور جو اس اثر سے محروم ہے، وہ اگرچہ سند کا عالم ہو لیکن حقیقت میں عالم نہیں ہے۔

سود خور اور بیاجی انسان کا دل سخت ہوجاتا ہے۔اور اس کے دل کی سختی

لوگوں پر ظاہر ہونے لگتی ہے۔ ایسے ہی جوا، شراب، زنا و بدکاری کے اثراتِ بد انسان کے دل پر مرتب ہو کر ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ اسی طرح کفر و شرک کے اثرات انسان کے دل پر یوں مرتب ہوتے ہیں، کہ جس انسان کے دل میں کفر و شرک ہوتا ہے، وہ نیکیوں سے بھاگتا ہے، گناہ و معصیت پر ٹوٹتا ہے اور لوگوں سے ڈرتا ہے۔ جو حال کفر و شرک اور گناہ و معصیت کے اثرات کا ہے، یہی حال اعمالِ خیر کا ہے۔ ان کا اثر بھی انسان اور اس کے قلب پر مرتب ہونے لگتا ہے۔ نیکیوں کی طرف رغبت ہو جاتی ہے، گناہوں سے بھاگتا ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتا اور اسی پر اعتماد و بھروسہ کرتا ہے۔

نماز قربت کا ذریعہ ہے

حدیث شریف میں آیا ہے: جس انسان کو اس کی نماز بے حیائی اور برائیوں سے نہ روکے، تو اس کی نماز اللہ تعالیٰ سے بُعد اور دوری کے علاوہ اضافہ نہیں کرتی۔ (روح البیان)

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر نماز فرض تو فرمائی ہے اپنے بندوں کو اپنے قریب کرنے کے لئے، تو حقیقت میں نماز اللہ تعالیٰ سے قرب کا ایک اعلیٰ ذریعہ ہے۔ لیکن گناہ و معصیت میں مبتلا اس بندہ کی نماز خدا سے دوری کا سبب ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس نے نماز پڑھی ہے، مگر حقیقتِ نماز ادا نہیں کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اِقامتِ صلوٰۃ کا حکم دیا ہے، اور فرمایا: اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ، صَلُّوا الصَّلٰوۃَ۔ نہیں فرمایا۔ کیونکہ نماز پڑھنا اور ہے اور نماز قائم کرنا اور۔

اِقامت صلوٰۃ

علما فرماتے ہیں: نماز کی حقیقت ہے خشوع خضوع کے ساتھ حضور قلب۔ یہ چیز ذکر سے پیدا ہوتی ہے۔ اور مراقبہ یعنی یہ تصور کہ خدا دیکھ رہا ہے یہ تصور فکر کی کیفیت سے پیدا ہوتا ہے۔ تو ذکر فی الصلوٰۃ انسان سے نماز میں غفلت کو دور کرتا ہے۔ جیسا کہ فُقہا اور شریعت کے علما نے نماز کے ارکان و اعمال کے بیان میں فرمایا: نظر قیام کی حالت میں سجدہ کی جگہ پر ہو، رکوع میں قدموں پر اور سجدہ میں ناک کے بانسہ پر۔ ایسے ہی جملہ اعمال کی حقیقت آپ فقہائے کرام سے معلوم کر سکتے ہیں۔ اسی طرح فکر و مراقبہ انسان کی نماز میں آنے والے وسوسوں اور خیالات کو دفع کرتے ہیں۔

جب حقیقی نماز انسان کو نماز کی حالت میں غفلت، برے خیالات اور وسوسوں سے روکے گی، تو نماز کے باہر تو یقینی طور پر اسے بے حیائی و گناہ اور برے کاموں سے ضرور روک دے گی۔ یہی نماز حقیقت میں سید العارفین اور سید الکاملین کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اسی نماز کو قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ ہم بتا کے آئے ہیں۔

حقیقی و مقبول نماز

یعنی نیت سے لیکر نماز کا ہر فعل و عمل کامل طور پر ادا کیا جائے۔ قیام ہو تو علیٰ وَجہِ الاکمل، قرأت ہو تو حضورِ قلب کے ساتھ کامل طور پر۔ یعنی اصول تجوید کے ساتھ۔ رکوع و سجدہ ہو تو کامل خشوع خضوع اور حضورِ قلب کے ساتھ۔ غرضیکہ

نماز، تمام ارکان وواجبات اور سنن ومستحبات کے ساتھ وقت پر پابندی سے ادا کی جائے۔ بندہ کی یہی نماز قبول کی جائے گی۔ اور اسی نماز کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ محض قیام ورکوع وجلوس یعنی کھڑے ہونے جھکنے بیٹھنے وغیرہ ظاہری حرکات کا نام حقیقی نماز نہیں۔ اسی لئے منافقین کی نماز کے بارے میں فرمایا گیا:

وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۔ (پارہ:۵-النساء:۱۴۲)

ترجمہ: اور جب وہ نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو ہارے جی سے۔

یعنی کاہلی کے ساتھ صرف لوگوں کو دکھانے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور حضورِ قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو بالکل یاد نہیں کرتے۔ اسی لئے ان کی ظاہری نماز کو اللہ تعالیٰ نے نہیں قبول فرمایا۔ کیونکہ ان کی نماز اخلاص۔ جو کہ روح نماز ہے۔ سے خالی تھی۔ اسی وجہ سے بظاہر نماز پڑھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ ان کی ملامت ومذمت فرمارہا ہے۔

نماز کا اثر

نماز فرض ہو یا نفل، بدنی اعمال میں سب سے افضل اور سب سے اعلیٰ عمل ہے۔ اور نماز کا ایک عظیم اثر ہے: نفس کی اصلاح۔ اور یہ نمازی آدمی پر مرتب ہوتا ہے۔ تو جو نماز پڑھے اور بے حیائیوں، برائیوں سے بچتا ہو، وہی حقیقت میں نمازی ہے۔ اور جو نماز پڑھ کر بے حیائیوں اور برائیوں کا ارتکاب کرتا ہے، تو وہ صورۃً تو نمازی ہے، حقیقتاً نمازی نہیں۔ اسی لئے علما فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا قول: (اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ] اور [مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ) عربوں کے قول اَقَمْتُ الْعُوْدَ یا قَوَّمْتُ الْعُوْدَ سے بنایا گیا ہے۔ جس کا معنیٰ ہے:

لکڑی کو درست یا سیدھا کرنا۔ تو گویا جو شریعت کے مطابق صحیح اور درست نماز ادا کرتا ہے، اس کی یہ صحیح نماز اس کے نفس کی کجی اور ٹیڑھے پن کو دور کر کے درست اور سیدھا کر دیتی ہے۔

نماز کی فرضیت سے کیا منظور ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر نماز فرض فرمائی ہے اس نفس کی اصلاح کے لئے، جو تمام بے حیائیوں اور برائیوں کی جڑ اور ہر شر کا ماویٰ ہے۔ اور نماز سے انسان کے نفس کی اصلاح اور اس کی کجی دور کرنا منظور ہے۔ ورنہ وہ تو غنی وصمد ہے، اسے کسی کی عبادت وریاضت کی کوئی حاجت نہیں۔

جو دنیا میں نفس کی شر اور فتنہ سے نجات پائے گا، وہی آخرت میں دوزخ اور اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نجات پائے گا۔ حدیث میں ہے:

سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بندہ فرائض کے ذریعہ میری گرفت اور پکڑ سے نجات پائے گا اور نوافل کے ذریعہ میرا مقرب اور محبوب ہو جائے گا۔ (روح البیان)

حضرت لقمان کی ایک وصیت

کشف الاسرار نامی کتاب میں ہے: حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیت کی: اے بیٹے! روزہ رکھتے ہو تو ایسے رکھو کہ نفس کی شہوت وخواہش جاتی رہے۔ اس طور پر نہ رکھو کہ قوت ہی جاتی رہے اور تم ضعیف ہو جاؤ، پھر تم نماز پڑھنے سے بھی رہ جاؤ۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز روزہ سے زیادہ محبوب ہے۔

(روح البیان)

ہم نے ابھی آپ کو اوپر بتایا کہ: بدن کے اعمال میں سب سے افضل عمل نماز ہے، فرض ہو یا نفل۔ فرض کی ادائیگی تو نجات کے لئے اور کثرت سے نوافل ادا کرنا قربت ومحبت کیلئے۔ جیسا کہ مشہور حدیث میں ہے:

بندہ نوافل کے ذریعہ میرا مقرب ہوتا ہے۔

حضرت لقمان نے فرمایا: ''نماز روزہ سے زیادہ محبوب ہے۔'' وہ اس لئے کہ روزہ اصلاح طبیعت یا اخلاق کو درست کرنے کے لئے ہے، جبکہ نماز اصلاح نفس۔ جو ہر شر کا ملجا ہے۔ کے لئے ہے۔ جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں۔ ویسے تو نفس پر ہر عبادت بہت بھاری ہے، لیکن نماز سب سے زیادہ گراں ہے۔ اس کٹھور و سرکش نفس کو نرم اور مطیع کرنے کیلئے ہی اللہ تعالیٰ نے نماز فرض فرمائی۔

صوفیائے کرام فرماتے ہیں: لوہے کو نرم کر کے اسے ڈھالتے ہیں، پھر اس سے پرزے اور اوزار وغیرہ بناتے ہیں۔ ایسے ہی سنار سونا چاندی کو بھٹی میں ڈال کر محبوب کی زینت کے لئے زیور بناتے ہیں۔ بلاتشبیہ یہ ہمارا نفسِ امارہ بھی سخت کٹھور لوہا ہے، اس کو نرم کرنے کے لئے اس کے خالق و مالک نے پانچ وقت کی نماز فرض فرمائی، تا کہ انسان اپنے نفس امارہ کو کبریائی کی بھٹی میں پانچ وقت تپا کر اس میں خشوع وخضوع، عاجزی وانکساری اور نرمی پیدا کرے۔ اور جب یہ نرم ہو جائے گا، تو اسے ہر طرح سے ڈھالا جا سکتا ہے۔ اور نفسِ اَمّارہ کو نرم کر کے ہی انسان عابد، عارف، غوث وقطب بن کر زمین کی زینت بنے۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس نفس امارہ کو نرم کرنے والی آگ ہے نماز۔ لیکن وہ نماز جس میں خشوع و خضوع ہو، موت کی یاد ہو، قیامت کی فکر ہو اور اللہ تعالیٰ کی محبت شامل ہو۔ عاجز

اور نرم مٹی ہی میں باغ اور پھل اگتے ہیں۔ مغرور و متکبر آگ میں نہیں۔ (تفسیر نعیمی بتغیر یسیر)

نماز آسان کیسے ہو؟

اب سوال اس بات کا ہے نماز اس ٹیڑھے نفس امارہ کو نرم کر دیتی ہے، لیکن اس سخت کٹھور نفس پر نماز آسان کیسے ہو؟ تو علما فرماتے ہیں: نماز انسان کو دشوار اور بھاری اس لئے معلوم ہوتی ہے کہ انسان کا جو نفس یا دل ہے وہ خیالی میدان میں آزاد رہنے کا عادی ہے اور جو ظاہری اعضا ہیں وہ دل کے تابع ہیں۔ [جیسا کہ ہم بخاری شریف کی حدیث کے حوالہ سے دل کی کیفیت اور اعضا کی اصلاح کے بارے میں بتا کے آئے ہیں۔] اور ادھر نماز میں ظاہری اعضا کو پورا پورا پابند بھی کر دیا گیا کہ نماز میں ہنسنا، بولنا، چلنا پھرنا اور کھانا پینا سب حرام کر دیا گیا ہے۔ تو ظاہری اعضا کی اس پابندی کا اثر دل پر بھی پڑتا ہے، اسی وجہ سے وہ گھبرانے لگتا ہے۔ جیسا کہ ہم عام نمازیوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ جلدی سے جلدی نماز پڑھ کر بھاگنا چاہتے ہیں۔ اور اس گھبراہٹ کی وجہ یہ ہے کہ دل اور نفس ہر وقت حرکت اور اُلٹ پلٹ چاہتے ہیں، ان کو چین وسکون کی عادت نہیں۔

اور چونکہ نفس ایک وقت میں دو یا چند چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا۔ جب اس کو ایک خیال یا ایک دھیان میں لگا دیا جائے، تو دوسرے وسوسے اور خیالات خود بخود جاتے رہتے ہیں۔ اس لئے اس بھاری چیز کو اس پر آسان کرنے کیلئے شریعت میں پہلا کام یہ کیا گیا ہے، کہ خشوع پیدا کرنے کے بعد ایک تصور و خیال قائم کرنے کا حکم دیا گیا، تا کہ دل و نفس کو سکون وقرار آئے اور نماز جو اس پر

بھاری ہے، آسان ہو جائے۔ اب بندہ خیال وتصور یہ قائم کرے کہ مجھے آخرت میں رب سے ملنا ہے، خدا کے پاس پلٹ کر جانا ہے، رب کے سامنے پیش ہونا ہے اور اپنی زندگی کا حساب دینا ہے۔ یا یہ تصور کرے کہ یہ میری زندگی کی آخری نماز ہے، پتہ نہیں پھر موقعہ ملے یا نہ ملے۔ یا یہ تصور قائم کرے کہ ہم رب کو دیکھ رہے ہیں اور اس سے کلام کر رہے ہیں۔ یا یہ تصور کرے کہ خدا ہم کو دیکھ رہا ہے اور ہمارا کلام سن رہا ہے۔ جیسا کہ حدیث کے حوالہ سے پیچھے بتا کے آئے ہیں۔ جب یہ تصور یہ خیال اور یہ دھیان نمازی کے دل ودماغ پر قائم ہو جائیں گے، تو دنیوی خیالات خود بخود دفنا ہو جائیں گے اور دل کو چین وقرار حاصل ہوگا۔ اور اس چین وقرار سے سخت نماز نفس پر آسان ہوگی۔ بلکہ نفس جواب تک بھاگ رہا تھا اس نماز میں لذت محسوس کرے گا۔ ہر انسان کی فطرت ہے، جس چیز میں نفس اور دل لذت پاتا ہے اس چیز کا حریص اور طلبگار ہو جاتا ہے۔ اب وہ نماز کا حریص ہو کر ضرور پابند ہو جائے گا۔ اسی نسخہ کو اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ آیت نمبر (۴۵-۴۶) میں یوں بیان فرمایا ہے:

صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔ اور بیشک نماز ضرور بھاری ہے، مگر ان لوگوں پر (نہیں) جو میری طرف جھکنے (اور میرے ذکر میں سکون پانے) والے ہیں جنہیں یقین ہے کہ انہیں اپنے رب سے ملنا ہے اور اس کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ (ماخوذ از تفسیر نعیمی)

عبرت والی حکایت

اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کی آیت نمبر (۴۵) میں فرمایا: اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ۔

ترجمہ: بیشک یہ نماز (فطری طور پر) نفس پر بہت بھاری ہے۔

اس نفس امارہ پر نماز اور ذکر وتلاوت اس قدر بھاری پڑتی ہے کہ یہ دنیا کے ہر مشکل سے مشکل کام کا بوجھ اٹھانے کے لئے تیار وآمادہ ہو جاتا ہے۔ مگر پنے خالق و مالک کی عبادت وذکر سے بہت گھبراتا ہے۔ اس پر مجھے ایک سنی سنائی حکایت یاد آرہی ہے، اسے میں ذکر کر رہا ہوں۔ بہت سے قصے اور واقعات فرضی اور گڑھے ہوئے ہوتے ہیں، مگر چونکہ عبرتوں اور نصیحتوں سے پُر ہوتے ہیں، اس لئے ان کو ذکر بھی کیا جاتا ہے اور کتابوں میں لکھا بھی جاتا ہے۔

ایک نیک انسان صبح چوراہے وغیرہ ۔ جہاں مزدور ملا کرتے ہیں۔ سے چند مزدور مزدوری پر لائے۔ ان کو وضو وغیرہ کرایا، ہر ایک کو ایک ایک تسبیح دی اور ایک صاف ستھری چادر پر مصلے بچھا کر ان پر بٹھا دیا اور فرمایا: تم آج میرے مزدور ہو، شام کو پانچ بجے مزدوری ملے گی۔ اور تمہارا کام صرف یہ ہے تم مصلے پر بیٹھ کر سکون سے اللہ اللہ اللہ پڑھو۔ مزدور بہت خوش ہوئے، کہ ہمیں تو اچھا مالک ملا نہ پھاوڑا چلانا ہے، نہ اینٹیں ڈھونا ہیں، نہ پرات اٹھانا ہے۔ بس سکون سے بیٹھ کر تسبیح ہلانا ہے۔ یہ تو اچھی مزدوری ملی ہے۔ سب تسبیح پڑھنے لگے اور صاحبِ خانہ اپنے کام میں جا کر مشغول ہو گئے۔ مگر اب نفس کی گندگی اور فطرت دیکھئے۔ ابھی مصلے پر ذکر وتسبیح کرتے تھوڑی دیر گزری ہوگی، کہ سب گھبرانے لگے۔ کوئی اونگھ رہا ہے، کوئی دنیا کی باتیں کر رہا ہے، کوئی اِدھر دیکھ رہا ہے، کوئی اُدھر جھانک رہا ہے۔ ایک آدھ گھنٹہ کے بعد بولے: یہ تو بہت سخت کام ہے۔ مختصر یہ کہ کوئی ایک گھنٹہ بعد بھاگ اٹھا، کوئی دو گھنٹہ کے بعد۔ غرض یہ کہ دوپہر کی چھٹی سے پہلے پہلے سب یہ کہہ کے بھاگ گئے: یہ تو بہت سخت کام ہے۔ پھاوڑا چلانا آسان

ہے، پہاڑ کاٹنا آسان ہے، اینٹیں سر پر رکھ کر اوپر پہنچانا آسان ہے۔ مگر مصلے پر بیٹھ کر ۵ ربجے تک تسبیح پڑھنا بہت مشکل کام ہے۔ یہ ہم سے نہیں ہوسکتا۔ شام کو جب صاحبِ خانہ مزدوری دینے ان کے پاس آئے، تو سب غائب، کسے نہ باشد۔ انہیں بڑا افسوس ہوا۔ بچارے مزدوری لئے بغیر چلے گئے۔ اگلے دن صبح پھر اسی چوراہے پر پہنچے۔ وہاں کل والے مزدور ملے۔ تو انہوں نے ان سے کہا: کل تم بلا مزدوری لئے چلے آئے۔ چلو بھائی میرے ساتھ چلو میں تمہیں کل کی بھی مزدوری دونگا اور آج کی بھی۔ وہ سب مزدور بولے: بھائی ہمیں معاف کرو، ہم تمہاری مزدوری نہیں کر پائیں گے۔ آپ کی مزدوری تو بہت سخت ہے۔ پھاوڑا چلانا، نیو کھودنا، پہاڑ توڑنا جتنے بھی محنت بھرے کام ہو سکتے ہیں، تمہارا کام ان سب سے زیادہ سخت ہے۔

تبصرہ: اب ہم اپنے سماج پر نظر کرتے ہیں۔ پہلے چھوٹے چھوٹے بچوں کو دیکھئے، وہ دشوار سے دشوار کھیل کود میں دن بھر پسینہ پسینہ ہوکر مستی میں کھیلتے رہیں گے۔ لیکن گھنٹہ دو گھنٹہ کیلئے ان کے ماں باپ انہیں کولر اور اے سی کی ہوا میں بیٹھا کر پڑھنے کیلئے کوشش کریں، تو اس کے لئے تیار نہیں ہوتے ہیں۔ چرا چرا کر بھاگتے ہیں۔ اور انہیں پڑھانے کیلئے ماں باپ کو بے پناہ جد جہد اور کوشش کرنا پڑتی ہے۔ بالکل یہی حال اس نفس انسان کا ہے کہ ہر سخت سے سخت ذمہ داری اٹھانے اور بڑی سے بڑی محنت کرنے کے لئے تیار ہوجاتا ہے، لیکن اپنے مولیٰ کی عبادت وبندگی اور خدمت کرنے کے لئے تیار نہیں، جس کے بدلے اس مالک ومولیٰ نے اپنے فضل سے ایسے ثواب اور مزدوری کا وعدہ کیا ہے، جس میں ہمیشہ ہمیش کی ابدی راحتیں، عیش وآرام، جنتیں، حوریں، نہریں اور نہ جانے

کیا کیا، کہ جس کے بارے میں نہ کانوں نے سنا نہ آنکھوں نے دیکھا۔

یہ ہے اس نفس امارہ کی فطری گندگی اور فطری کمزوری۔ مولیٰ کی پناہ چاہتے ہیں ہم نفس کی شرارتوں سے۔ ۔

اللہ، اللہ کے نبی سے فریاد ہے نفس کی بدی سے

تصورات کو سمیٹنا

صحیح بات یہ ہے کہ نماز یا دیگر عبادات میں خیالات وتصورات کو سمیٹ کر اور ایک ہی تصور و دھیان پر قائم رہ کر نماز و بندگی ادا کرنا، جسے اِقامت صلوۃ کہا گیا ہے، بہت مشکل کام ہے۔ اسی کی ادائیگی کے لئے انبیا علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور بھیک مانگی:

رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ۔

ترجمہ: اے میرے رب! مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا رکھ۔ اور اے ہمارے رب ہماری دعا سن لے۔ (پارہ: ۱۳۔ ابراہیم: ۴۰)

اس سے پتا لگا صحیح تصور و دھیان کے ساتھ، وصفاً زماناً کامل نماز ادا کرنا بہت مشکل کام ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کی اعانت ومدد کے بغیر نہیں کرسکتا ہے۔

اذان کے جواب میں عظیم نکتہ

جب مؤذن نماز کے لئے اذان دیتا ہے، تو سننے والوں کے لئے حکم ہے کہ وہ مؤذن کی اذان کا جواب دیں۔ یعنی اللہ اکبر اللہ اکبر کے جواب میں اللہ اکبر کہے، ایسے ہی باقی کلمات میں۔ لیکن حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ (آؤ نماز کی طرف) اور

حَیَّ عَلَی الْفَلَاح (آؤ کامیابی کی طرف) کے جواب میں حکم یہ ہے کہ: لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھے۔

اس لئے کہ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح میں نماز اور کامیابی کی دعوت ہے۔اب اِقامت صلوٰۃ اور ادائیگی نماز کی دعوت کو قبول کرنا اور قبول کر کے اس کو مکمل طور پر صحیح اور درست ادا کرنا بڑی مشقت اور بڑی تکلیف کا کام ہے۔اس میں بندہ اپنے مولیٰ کریم کی مدد کا یقیناً محتاج ہے۔اسی لئے اس دعوت پر اسے حکم ہوا کہ وہ اس کے جواب میں لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھے۔گویا زبان حال سے یہ عرض کر رہا ہے کہ ہم میں اس امانت کے ادا کرنے کی طاقت نہیں ہے، اس لئے ہم اس کو تیرے حوالہ کرتے ہیں۔اے مولیٰ کریم اس اقامتِ صلوٰۃ اور نماز کی ادائیگی پر ہماری مدد فرما۔

اسی لئے اللہ پاک کے حبیب ﷺ نے اس کلمہ کو حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں سنت قرار دیا ہے۔بعض علما فرماتے ہیں: حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح میں اپنے ظاہر و باطن کو دنیا کی ہدایت اور آخرت کی کامیابی کی طرف متوجہ کرنا ہے۔اور یہ بہت مشکل کام ہے۔تو اب انسان کے لئے مناسب یہی ہے کہ عرض کرے: اے اللہ میں اپنے ضعف اور کمزوری کی وجہ سے اس فریضہ اور امانت کی ادائیگی کی قوت نہیں رکھتا ہوں۔مگر جب تو ہمیں اپنے حول اور قوت وقدرت سے توفیق دے گا، تو اس فریضہ کو ہم ادا کرلیں گے۔

خیال رہے!

حَولٌ یا حوقل کا معنی ہے: گناہوں سے پھیرنا اور طاعت بندگی پر طاقت وقدرت دینا۔تو **لا حول ولا قوۃ الا باللہ** کا معنی ہوگا: نہیں ہے گناہ

سے پھیرنے والا کوئی اور نہیں ہے طاعت کی طاقت دینے والا کوئی مگر اللہ تعالیٰ۔

مقبول نماز کی قدر و قیمت

جس نماز کی ادائیگی کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے، وہ وہی نماز ہے، جو ظاہری اعمال یعنی ارکان، شرائط، واجبات، سنن ومستحبات اور باطنی آداب یعنی خشوع، خضوع، تذلل و عاجزی اور غفلت ونسیان سے بچتے ہوئے حضورِ قلب کے ساتھ ادا کی جائے۔

ایسی نماز کی قیمت کا عالم یہ ہے، علما فرماتے ہیں: حضورِ قلب۔یعنی خدا دیکھ رہا ہے کے تصور سے۔ادا کی جانے والی ایک نماز اس تصور سے خالی ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے۔مگر یہ حضور، یہ تصور، یہ دھیان اور یہ مقامِ مراقبہ کمپیوٹر وانٹر نیٹ سے پڑھنے یا کتابوں کے مطالعہ سے حاصل نہیں ہوتا۔جب تک کہ کسی صاحبِ دل اور مقامِ مراقبہ وحضورِ قلب حاصل کئے ہوئے بندہ کی خدمت میں زانوئے ادب نہ طے کیا جائے۔

مگر اس زمانۂ تنقید میں بہت مشکل ہے

بیان کیا گیا ہے: ایک صاحب بہت دنوں تک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑ گڑا کے دعا کرتے رہے، اللہ تعالیٰ انہیں مقبول نماز کی توفیق دے دے۔اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور انہیں حضرت حبیب عجمی رضی اللہ عنہ کی اقتدا نماز پڑھنے کا موقعہ ملا، مگر (وہ ظاہری قیل وقال والے آدمی تھے) انہیں حضرت کی قرأت وغیرہ پسند نہ آئی اور نماز کو دہرا لیا۔اسی رات خواب میں ان سے کہا گیا:

اللہ تعالیٰ نے تمہیں مقبول نماز کی توفیق دی مگر تم اس کی قدر نہ پہچان سکے۔
(روح البیان عربی سورۂ عنکبوت)

اس حکایت سے پتا لگا کہ حضورِ قلب اور اصلاح باطن یہ بہت اہمیت کی چیز ہیں اسی سے انسان مقام و مرتبے پاتا ہے اور اسی سے نیکیوں کی قدر و قیمت بڑھتی ہے۔

نماز و بندگی کی عظمت اولاد کے دل میں کیسے پیدا کریں؟

پہلے تو ماں باپ اور سرپرست خود قرآن و حدیث کے مطالعہ یا کاملین کی صحبت سے اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کی اہمیت و عظمت حاصل کریں اور اپنے دل میں بٹھائیں اور اس کی قدر و منزلت جانیں۔ خصوصاً نماز جو بدنی اعمال میں سب سے اعلیٰ و افضل اور اعمال صالحہ کی بنیاد ہے۔ پھر اپنے قلب میں بیٹھی ہوئی عبادت و بندگی کی یہی عظمت و اہمیت اپنی ننھی منی نوخیز اولاد کے دلوں میں پیار و محبت سے آہستہ آہستہ بٹھانے کی کوشش کریں۔ اور ان کی خوابیدہ و چھپی ہوئی قوت و احساس کو آہستہ آہستہ بیدار کریں۔ اور ان کے اندر یہ احساس و شعور اس درجہ پیدا کر دیں کہ وہ عبادت و بندگی خاص طور سے نماز کی ادائیگی میں آنے والی شب و روز کی تکالیف کو برداشت کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں۔

اطاعت کا احسن طریقہ

انسان کو اپنی اولاد اور خود اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار بنانے کے لئے نماز سے بہتر کوئی اور طریقہ نہیں۔ کیونکہ خشوعِ کامل اور اللہ تعالیٰ کی طاعت و فرمانبرداری اور اس کی بارگاہ میں مکمل سپردگی نماز کے اندر پائی جاتی ہے۔ آپ

نماز کے اعمال و ارکان پر غور کیجئے، تحریمہ، قیام، رکوع، سجود، قعود وغیرہ سلام پھیرنے تک ہر ہر عمل میں تذلل و عاجزی کے جتنے طریقہ ہو سکتے ہیں، وہ سب تسلیم و خودسپردگی کے ساتھ پائے جارہے ہیں۔

(۲) نماز انسان کے دن رات کے کل ساعات اور گھنٹوں کو گھیرے ہوئے ہے۔ شریعت نے پانچ وقت کی نماز کو ان وقتوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

(۳) نماز انسان کی کل زندگی کو گھیرے ہوئے ہے۔ کہ اسے بالغ ہونے کے بعد تا دمِ آخر نماز ادا کرنا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ۔ (پارہ:۱۴-الحجر:۹۹)

ترجمہ: اور اپنے رب کی عبادت و بندگی اس وقت تک کرو جب تک تمہیں موت نہ آجائے۔

اور اللہ تعالیٰ نے انسان کے دن رات کے وقتوں کو پانچ وقت کی نماز میں تقسیم کر دیا ہے۔ تاکہ وہ اپنے دنیا کے کام بھی نماز جیسی عظیم عبادت سے شروع کرے۔ جیسے فجر کے بعد دنیا کے کام شروع کرے۔ تو کارِ دنیا نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد شروع ہوا اور دوپہر تک دنیا کے کاموں میں مشغولیت کے بعد کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر شام کے کام ظہر کی نماز ادا کر کے شروع کرے۔

(۴) نماز دن میں پانچ مرتبہ مُکرَّر اس لئے کی گئی، تاکہ انسان کو نماز سے الفت و محبت ہو جائے اور وہ اس کا عادی بھی۔

(۵) اِس تکرار میں اس پر نماز کی ادائیگی آسان ہو جائے گی۔

اور سب سے بڑی حکمت اس پانچ وقت کی نماز میں یہ ہے کہ نماز بندہ کو اس کے خالق و مالک سے ہر وقت مربوط رکھنا چاہتی ہے۔ یعنی بندہ کا ربط و تعلق ہر

وقت اللہ تعالیٰ سے رہے۔ جب ایک باپ، استاذ یا دوسرے سرپرست نماز کی اس طرح کی حکمتیں اور اہمیتیں اپنی اولاد، اپنے شاگردوں اور اپنے ماتحتوں کے سامنے بیان کرے گا، تو وہ یقینی طور پر نماز کی اہمیت و عظمت کو جانیں گے۔ اور بلا کسی خارجی دباؤ کے خود بخود نماز کی حفاظت و پابندی کرنے لگیں گے۔

کچھ عملی تدبیریں

بہت سے مدرسوں کے استاذ اور بہت سے ماں باپ طلبہ اور اولاد کے نماز وغیرہ نہ پڑھنے، اس کا اہتمام اور پابندی نہ کرنے، یا بڑے ہونے کے بعد وقت بے وقت کاہلی وسستی سے پڑھنے پر طرح طرح کی شکایتیں کرتے ہیں۔ اور یہ حقیقت بھی ہے ایسا سماج میں ہو بھی رہا ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ہمارے سماج کا ننانوے (۹۹) فیصد حصہ ان کمزوریوں میں مبتلا ہے تو بیجا نہ ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ بجائے شکوہ و شکایت کے بہتر یہ ہے کہ ہم عملی تدبیریں کریں اور دنیا کے کاموں کی طرح اس عظیم عبادت کی ادائیگی پر بھی پوری توجہ دیں۔

(۱) سب سے پہلے تو ماں باپ اور استاذ اس افضل عبادت اور اشرف عمل کی اہمیت خود جانیں اور سمجھیں۔ پھر پابندی سے سفر وحضر ہر جگہ اس کی مکمل پابندی کریں۔

زندگی زندگی سے بنتی ہے

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اصحابِ کرام اور اولیائے عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرتِ طیبہ کو پڑھیں یا سنیں۔ پھر اپنی اولاد کو ان کی زندگی کے نماز کی پابندی کے قصے وقتاً فوقتاً کھانے یا ناشتے یا جب ان کو اچھے مزاج میں پائیں، سنائیں۔

جب ان اچھے اچھے قصوں میں ان کی دلچسپی و رغبت دیکھیں، تو آہستہ آہستہ انہیں نماز پڑھنے کے لئے آمادہ کریں۔ اور چونکہ نفس اس عظیم عبادت کی ادائیگی کے لئے فوراً آمادہ نہیں ہوگا، اس لئے اس میں جلدی نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا:

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۔ (پارہ:۱۶-طٰہٰ:۱۳۲)

ترجمہ: اپنے اہل وعیال (اور اپنے ماتحتوں) کو نماز کا حکم دیجئے اور اس پر صبر و تحمل سے کام لیجئے۔ (یعنی قنوطیت و مایوسی کا شکار بھی نہ ہو اور جلدی بھی نہ کرو۔)

لالچ دے کر نماز پڑھوائیں

(۳) جب بچے آٹھ نو سال کے ہو جائیں، تو انہیں نماز جیسی عبادت پر آمادہ کرنے کے لئے حکم و سختی کے ساتھ کچھ لالچ بھی دینا چاہئے۔ جیسا کہ بہت سے بزرگوں کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے ماں باپ نے طرح طرح کی چیزوں کی رغبت و لالچ دلا کر انہیں نماز پڑھوائی۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی اسی طرح کا واقعہ مشہور ہے۔ اور حدیث میں بھی آیا ہے: جب بچے سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز کا حکم دو، اور جب دس سال کے ہو جائیں تو ان پر سختی کرو۔

بچوں کو اس طرح کا لالچ دے کر بھی نماز کا عادی بنایا جاسکتا ہے کہ اگر تم پابندی سے نماز پڑھو گے تو امتحان میں پاس ہو جاؤ گے، اچھے نمبر لاؤ گے، تمہاری دعائیں قبول ہوں گی، اچھی نوکری مل جائے گی، اچھا کاروبار ملے گا اور تم ترقی کرو گے وغیرہ۔ اور بھی بہت سے طریقے ہیں رغبت دلانے کے۔ ایسے ہی اپنی

اولاد کو سفر اور بیماری میں نماز پڑھنے کے طریقے اور احکام سکھائیں۔ اسی طرح گھر میں اگر چند بچے ہوں تو ایک بچہ سے اذان کہلوائیں پھر ان میں سے ایک کو امام بنا کر جماعت سے نماز پڑھوائیں۔

نماز کی اہمیت بتائیں

(۴) استاذ اور ماں باپ بار بار اپنی اولاد اور ماتحتوں کے سامنے نماز کے متعلق ایسی باتیں بیان کریں، جن سے ان کے دلوں میں نماز کی قدر و قیمت اور اہمیت مضبوطی سے بیٹھ جائے۔ انہیں میں یہ ہے کہ ان سے نماز کے بارے میں بار بار پوچھتے رہیں، تم نے نماز پڑھی یا نہیں۔ اگر سفر میں کہیں جانا ہو، تو واپسی پر ان سے نماز کے متعلق سوال کریں۔ کبھی اپنے ساتھ پڑھوائیں۔ جب مسجد کے آداب جان جائیں، تو اپنے ساتھ مسجد لے جائیں۔ مگر اس طور پر جائیں کہ مسجد میں کسی نمازی کو تکلیف نہ پہنچائیں یا مسجد میں کوئی کھیل کود اور شور وشغب نہ کریں۔ کیونکہ ناسمجھ بچوں کو مسجد میں لے جانے سے حدیث میں منع کیا گیا ہے۔

بچوں کی عادت ہوتی ہے

(۵) چار پانچ چھ سال کی عمر کے بچوں کے سامنے نماز پڑھیں۔ کیونکہ بچوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب وہ ماں باپ وغیرہ کو نماز پڑھتے دیکھتے ہیں، تو خود بھی ان کے دائیں بائیں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کبھی ان کو اپنے پہلو میں خود کھڑا کر لیں۔ اور بجائے قولی وزبانی کوشش کے عملی نمونہ پیش کریں۔ ننھی سی عمر میں بچوں کے دلوں میں نماز کی محبت پیدا کرنے کا یہ سب سے احسن اور سب سے بہتر

طریقہ ہے۔ جو لوگ مسجدوں میں نماز پڑھنے کے عادی ہیں، ان کو چاہئے کہ وہ اپنی اولاد اور اپنے ماتحتوں کے سامنے کچھ نفل نمازیں اپنے گھروں میں پڑھا کریں، تاکہ ان کی اولاد اور ان کے ماتحت نماز سے ان کے اس شغف ورغبت کو دیکھ کر اپنے اندر کچھ احساس پیدا کریں اور اپنے آپ کو عبادت کے لئے آمادہ کریں۔ ایک کہاوت ہے: بچپن کی تعلیم پتھر کے نقش کی طرح ہوتی ہے۔ بچے ننھی منی عمر میں خالی الذہن اور فارغ القلب ہوتے ہیں، وہ دیکھ سن کر بات کو جلدی قبول کرتے ہیں۔ سیدنا حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمارے پاس بچوں کو لایا کرو، اس لئے کہ ان کے دل فارغ اور صاف ستھرے ہوتے ہیں۔ (یٰبُنَیَّ)

عملی نمونہ: (۶) لیکن سب سے افضل اور سب سے اعلیٰ ومؤثر طریقہ یہ ہے کہ ماں باپ، استاذ اور دیگر سرپرست اپنی زندگی کا عملی نمونہ ان کے سامنے پیش کریں۔ جب اولاد یا شاگرد اپنے ماں باپ یا استاذ کو اس طرح کی عبادت یا اس طرح کے عمل کا اہتمام کرتے دیکھتے ہیں، تو یہ بات ان کے دل پر اثر کرتی ہے اور وہ اس پر عمل کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ اگرچہ کچھ وقت کے بعد ہی سہی۔ تو سب سے پہلے استاذ اور ماں باپ کی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ان کے شاگردوں اور ان کی اولاد کے دل ودماغ میں یہ بات بیٹھ جائے کہ، ہمارے استاذ اور ہمارے ماں باپ کے نزدیک نماز کی بہت قیمت اور بہت اہمیت ہے۔

آہ! آج فسوس تو اسی بات کا ہے کہ اس دور کے استاذ اور ماں باپ کے دلوں میں ہی نماز کی کوئی قدرومنزلت اور کوئی اہمیت نہیں ہے۔

اب سوال اس بات کا ہے کہ استاذ اور ماں باپ اس اہمیت کا احساس اپنے

شاگردوں اور اولاد کو کیسے دلائیں؟ تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب نماز کا وقت آجائے تو جس کام میں بھی مشغول ہوں اس کو چھوڑ کر نماز کی تیاری میں لگ جائیں۔ جب اذان کی آواز آئے اور باتوں میں مشغول ہوں تو خاموش ہو جائیں اور مؤذن کا جواب دینا شروع کریں۔ اذان کے بعد نماز کی تیاری میں لگ جائیں اور وقت مستحب میں ادئیگی کی کوشش کریں۔ اور خدانخواستہ کبھی نماز قضا ہو جائے اور قضا کا علم ماتحتوں کو بھی ہو جائے تو ان قضا نمازوں کو ادا کرنے میں جلدی کریں۔

یہ وہ طریقے ہیں کہ اگر ماں باپ اور استاذ ان کو اپنالیں اور ان پر اپنی پوری عنایات وتوجہات لگا دیں تو اولاد اور ماتحت نماز فرض ہونے سے پہلے ہی انشاء اللہ نماز کے عادی ہو جائیں گے اور ان کے دلوں میں ہر وقت نماز کا تصور رہے گا۔

دعا بھی کریں

(۷) اور اگر اس زبانی وعملی جدوجہد اور کوششوں کے بعد بھی ان کو نماز و عبادت کا عادی نہ پاؤ، تو مایوس نہ ہو۔ اپنی طاقت بھر کوشش جاری رکھو اور ساتھ میں ان کی اصلاح کے لئے دعا بھی کرتے رہو۔ کیونکہ ماں باپ کی دعا اولاد کے حق میں مستجاب وقبول ہوتی ہے۔ بلکہ حدیث میں آیا ہے:

ماں باپ کی دعا اولاد کے حق میں ایسے ہی قبول ہوتی ہے، جیسے نبی کی دعا امتی کے حق میں۔

نماز کا عظیم نکتہ: ہم اپنی اولاد اور ماتحتوں بلکہ پوری ملت کو اس عظیم نکتہ سے بھی نماز کی رغبت دلا سکتے ہیں کہ، مولیٰ کریم نے دین ودنیا میں اِس

امت کے عروج وارتقا کو اقامت صلوٰۃ میں مضمر و پوشیدہ کر دیا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْن۔

(صحیح و درست اور وقت پر) نماز (پڑھنا) مؤمن کے (دین ودنیا میں) عروج وارتقا کا اعلیٰ ذریعہ ہے۔

آج ہماری قوم دین ودنیا کی ترقی کے عظیم وسیلہ کو چھوڑ کر پستی کی طرف جا رہی ہے۔ مولیٰ کریم ہم سب کو اور ہماری اولاد کو مقیم الصلوٰۃ بنائے۔

دعائے خلیل

اس سے پہلے ہم بیان کر آئے ہیں، کہ: حضورِ قلب اور خشوع وخضوع کے ساتھ نماز کو نماز کی طرح سے ادا کرنے کیلئے انسان کوشش کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرے۔ جیسا کہ ہمیں ہر نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ میں (اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ) کے اندر عبادت کی دعا کے ساتھ ساتھ عبادت کی ادائیگی کے لئے اللہ تعالیٰ سے اعانت اور مدد طلب کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ اِیَّاكَ نَعْبُدُ عبادت کی دعا ہے اور اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ میں عبادت اور دین ودنیا کے کام آسانی سے بننے کے لئے طلبِ عون ومدد ہے۔ عبادت کے وظیفہ خاص طور سے نماز جیسی اہم عبادت کو بندہ از خود بحسن وخوبی ادا کرے، یہ ممکن نہیں۔ جب تک کہ معبودِ حقیقی کی مدد شامل نہ ہو۔ جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام خود اللہ پاک کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں:

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ۔ (ابراہیم:۴۰)

ترجمہ: اے میرے رب! مجھے صحیح اور درست نماز ادا کرنے والا بنا دے اور میری اولاد کو بھی۔

دیکھو وہ نبی، رسول، خلیل اللہ بانئ کعبہ اور نمازوں کا پابند ہونے کے باوجود شب و روز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اقامت صلوٰۃ کی دعا کر رہے ہیں۔ اس آیت میں مقیم الصلوٰۃ کے ذریعہ اس بات کی بھی دعا کر رہے ہیں کہ ہم ہمیشہ نماز ادا کرتے رہے ہیں۔

ہمارے آقا ﷺ بھی اسی لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں:

يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰى دِيْنِكَ

سے دعا کرتے رہتے تھے۔ کہ دین و عبادت پر ثابت و قائم رہنا رب کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔ اور اسی لئے ہمارے نبی ﷺ نے اس دعائے خلیل کو ہماری نمازوں کا جز بنا دیا۔ کہ ہم اپنی نماز میں دُرودِ ابراہیمی کے بعد دعائے ابراہیمی (رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ الی آخرہ) پڑھا کریں۔

یہ دعا ان ماثورہ دعاؤں میں سے ہے جن کا نماز میں پڑھنے کا حکم ہے۔

دیکھو یہ ان لوگوں کو دعا کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے، جو نماز پڑھتے ہیں۔

کیونکہ ہمیشہ صحیح اور درست نماز پڑھتے رہنا اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔

اس دعا میں اپنے لئے دعا کے ساتھ ساتھ اولاد کے لئے بھی صحیح اور درست نماز کی ادائیگی کے لئے دعا کا حکم ملتا ہے۔

خلاصۂ کلا یہ ہے کہ حکم خداوندی: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (پارہ: ۱۴۔ الحجر: ۹۹)

پر عمل خداوند قدوس کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔ کیونکہ یہ معمولی نعمت نہیں کہ

انسان آخری سانس تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی میں لگا رہے۔ اور اگر اس کی زندگی کل کی کل طاعت و بندگی میں گزر گئی، تو جان لو کہ اس نے دنیا کی بہت بڑی دولت حاصل کر لی۔

تین دولتیں

حضرت ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تین چیزیں ایسی ہیں کہ خوش بخت اور سعادتمند مومن کے لئے ان سے بڑی کوئی دولت نہیں۔ اگر چہ دنیا دار اپنے لئے کسی بھی فانی چیز کو بڑی دولت تصور کریں۔

(۱) **دولۃٌ فی الحیاۃ** (زندگی کی دولت): اور وہ یہ ہے کہ انسان کی زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری میں گزر جائے۔

(۲) **دولۃٌ عند الموت** (موت اور رخصتی کے وقت کی دولت): اور وہ یہ ہے کہ اس کا خاتمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ہو جائے۔

(۳) **دولۃٌ یوم القیامۃ** (قیامت کے دن کی دولت): اور وہ یہ ہے کہ جب انسان قیامت کے دن اپنی قبر سے نکلے، تو خدا کا فرشتہ اس کے پاس جنت کی بشارت لے کر آئے۔ (روح البیان)

مولیٰ کریم ہمیں آپ کو تینوں دولتیں عطا فرمائے۔ آمین

حضرت لقمان کی ایک اور وصیت

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو اقامتِ صلوٰۃ کی وصیت کے بعد ایک اور اہم کام کی نصیحت فرمائی اور وہ اہم کام ہے: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے

لئے اپنے آپ کو مستعد اور تیار کرنا۔ جو خاص ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کا شعار ہے اور دنیا میں اس کی عزت کا معیار اور عقبیٰ میں بخشش ونجات کا مدار بھی۔

امر بالمعروف اور دعوت حق اس امت کا وہ شعار اعظم تھا، جس کی وجہ سے اس امت نے ربِّ کائنات سے خیرِ امت کا خطابِ عظیم اور تمغہ پایا۔

مولیٰ کریم نے اسی امت کی شان میں تو فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ (پارہ:۴۔آل عمران:۱۱۰)

ترجمہ: تم سب سے بہتر امت ہو جسے لوگوں میں ظاہر کیا گیا، کہ تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پاک پر ایمان رکھتے ہو۔

امر بالمعروف اور دعوتِ حق کی شان واہمیت تو دیکھو، کہ اس آیت مبارکہ میں اس عظیم ذمہ داری کو ذکر و بیان میں اس ایمان پر مقدم کیا گیا، جو دین کی اساس و بنیاد ہے۔

اس امت کی پہچان

صحیح بات یہ ہے کہ یہ اہم کام (امر بالمعروف اور دعوتِ حق) اس امت کی اصل پہچان ہے۔ اور اس امت کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ یہ امت خیر، بھلائی اور اصلاحِ انسانیت کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے گی۔ یہ وہ خاموش امت نہیں ہے، جو معصیت و گناہ دیکھتی رہے اور خاموش رہے۔ اس فریضۂ دعوتِ حق اور امر بالمعروف کو جن امتوں اور جن قوموں نے چھوڑ دیا، وہ یا تو صفحۂ ہستی سے ختم کر دی گئیں اور ان کے نام ونشان مٹ گئے یا ضعف و کمزوری کا شکار ہو کر

مغلوب ہو گئیں اور دوسری قوموں کی غلام بن گئیں۔ ان کا رعب و دبدبہ جاتا رہا اور ان کی عزت و وقار خاک میں مل گیا۔ مولیٰ کریم نے اِس امر بالمعروف اور دعوتِ حق کا فریضہ ادا کرنے پر اپنی مدد ونصرتِ عظیمہ کا وعدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۂ حج کی آیت نمبر (۴۰) مولیٰ کریم کے اسی وعدہ کو یاد دلا رہی ہے۔

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ۔ [پارہ:۱۷]

اور اللہ رب العزت اس شخص کی ضرور مدد فرمائے گا، جو (دعوتِ حق اور امر بالمعروف کے فریضہ کو انجام دے کر) اس کے دین کی مدد کرے گا۔ بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ قدرت والا غالب ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مطلب

ہمارے سماج یا گھر کے بڑے لوگ صرف چلتے چلتے رواروی میں اپنی اولاد اور ماتحتوں سے اتنا کہہ دیتے ہیں کہ اچھے کام کرو، نماز پڑھو اور برے کاموں سے دور رہو۔ اور صرف اس زبانی کہنے ہی کو وہ کافی سمجھتے ہیں۔

اسی طرح بہت سے مقرر وخطیب رات بھر اسٹیج پر چوکے چھکے مارتے رہتے ہیں اور آخر میں چلتے چلتے بھائیو! نیکیاں کرو اور گناہ سے بچو کہہ کر لفافے لئے اور چلتے بنے۔ جب کہ برائیوں سے روکنے اور بھلائیوں کے راستے پر چلانے کے لئے ان کی جد و جہد اور کوشش کچھ نہیں۔

بلکہ ہمارے سماج میں اچھے، نیک، حاجی، نمازی، گھر کے صاحبِ اختیار حضرات کے گھروں میں شادی بیاہ اور دیگر سماجی تقریبات کے موقعہ پر ناچ گانے، باجے تماشے، ڈی جے، ڈانس، قوالی وغیرہ خرافات اور حرام وناجائز کام

ان کے ماتحت لوگ یہ سب کچھ کرتے ہیں، تو وہ یا تو یہ سب کچھ دیکھ کر چپ رہتے ہیں، یا سماج میں اپنی عزت بچانے کے لئے صرف اوپر سے ہی زبانی طور پر منع کرتے ہیں۔ اور اپنے اختیار کا استعمال اور جدو جہد بالکل نہیں کرتے۔ پھر مسجد مدرسہ میں بیٹھ کر کہتے ہیں: ہم نے بہت منع کیا مگر بچے نہیں مانے۔

کیا یہ لوگ اس کی پکڑ سے بچ جائیں گے؟

کیا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی پکڑ سے اتنا کہنے سے بچ پائیں گے؟ ہر گز نہیں۔ کیونکہ قرآن نے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اس امت کا خاصہ اور علامت بتایا ہے، وہ خدا کے اوامر واحکام اور اس کے نواہی کو صرف پڑھ کر سنا دینا یا بتا دینا نہیں ہے۔ بلکہ گھر، خاندان اور سماج کی اصلاحِ حال اور برائیوں سے پھیر کر نیکیوں کی راہ پر چلانے اور نیک راستہ پر ڈالنے کے ایک حسین اور اچھے طریقہ کا نام ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ اور اس طریقہ پر چلنا اور عمل کرنا ہر اس فرد کی ذمہ داری ہے، جو اصلاح کر سکتا ہو، دعوت حق دے سکتا ہو، خیر وبھلائی کی طرف بلا سکتا ہو اور شر، فتنہ، گناہ ومعصیت اور ذلت کے راستوں سے بچا سکتا ہو۔ اس لئے قرآن کریم کی طرف سے ابتداء تو یہ مطالبہ پوری امت سے کیا گیا ہے۔ (کنتم خیر امۃ) یہ جملہ اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ ہر فرد اپنی لیاقت، اپنی طاقت، اپنے علم اور اپنے اختیار کے مطابق اس فریضہ کو ادا کرنے میں کوشش جاری رکھے۔ چاہے وہ ماں باپ ہوں یا اداروں کے استاذ ومعلم یا مسجدوں کے امام ومؤذن اور متولی ونگراں یا سلسلوں کے مرشد وپیر۔ جو اپنے اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کرے گا، وہ اپنی طاقت واختیار کے اعتبار سے قیامت میں جواب دہ ہوگا۔

یہ کام صرف عالموں ہی کا نہیں ہے

ہمارے سماج میں بہت سے صاحبِ اختیار اور صاحب اقتدار لوگ برے کاموں کو دیکھتے ہوئے یہ کہہ کر گزر جاتے ہیں: یہ روکنا منع کرنا ہمارا کام نہیں ہے عالموں کا ہے۔ ایسے لوگ صریح خطا پر ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ کام امت کے ہر فرد کا ہے۔ مسلم شریف کی اس حدیث کو پڑھئے پھر غور کیجئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ

یعنی جب تم سے کوئی ناجائز وبرا کام دیکھے، تو اس پر لازم ہے کہ اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے۔

یعنی شر کی جگہ پر خیر کو پیدا کرنے کی کوشش کرے اور اگر ہاتھ سے بدلنے کی طاقت نہیں رکھتا ہے تو زبان سے منع کرے ورنہ کم از کم دل سے تو اسے برا جانے۔ اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔

اب یہاں غور کریں! اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ نے منکم فرمایا اور قرآن پاک میں کنتم آیا۔ کنتم بھی جمع کا صیغہ اور منکم بھی۔ تو یہ جمع کے صیغے بتا رہے ہیں کہ یہ کام کسی ایک فرد کا نہیں ہے بلکہ پوری امت کا ہے۔ لیکن اپنے مقام ومرتبہ کے مطابق۔ صاحب اقتدار اور صاحب اختیار، جنہیں گھر سماج میں اختیار حاصل ہے، وہ ہاتھ سے بدلنے کی کوشش کریں۔ جو یہ اختیار وقدرت نہیں رکھتے ہیں، وہ زبان سے منع کریں، جیسے علما وائمہ۔ مگر زبان سے بھی اس حد تک منع کریں گے، جس سے کوئی فتنہ وفساد کھڑا نہ ہو۔ یا جس شر یا گناہ سے روک رہے ہیں، اس سے بڑی شر یا گناہ پیدا نہ ہو۔

لیکن آج کل جو مرشد اور پیران زمانہ کہلاتے ہیں عوام اور مریدین و معتقدین یقینی طور پر اپنے دل میں ان کی عقیدت رکھتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ ان کی بات سنتے بھی ہیں اور عقیدت کی بنیاد پر مانتے بھی ہیں۔ ان حضرات پر تو یہ فریضہ اہم سے اہم تر ہو جاتا ہے۔ اب رہے وہ لوگ جو نہ اقتدار رکھتے ہیں، نہ علم و لیاقت، نہ ہاتھ سے روک سکتے ہیں، نہ زبان سے منع کر سکتے ہیں ان کے لئے بھی لازم یہ ہے کہ دل سے ان کاموں کو برا جانیں اور ان معصیت و گناہ کے کاموں میں نہ شامل ہوں اور نہ کرنے والوں کی ہاں میں ہاں ملائیں۔

خیال رہے!

حدیث میں ایک لفظ فلیغیرہ ہے۔ یہ یُغَیِّرُ، تَغْیِیْرٌ سے بنا ہے۔ اس کا معنی ہے بدلنا، چیلنج کرنا۔ اس کا مطلب ظاہر ہے کہ صرف اچھی بات سنانا اور برائی سے روکنا اس فریضہ سے بری الذمہ ہونے کے لئے کافی نہیں ہے۔ بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مطلب ہے: اپنے گھر اور اپنے سماج و معاشرہ کے ماحول کو اس طور پر بدل دیا جائے، کہ معاشرہ شر و فساد اور معصیت و گناہ سے نیکیوں اور بھلائی کی طرف آ جائے۔ کیونکہ معروف کا معنیٰ ہے: ہر وہ اچھی بات یا اچھا کام، جو شرع اور عقل سلیم کو محبوب و پسند ہو اور بندہ کو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتا ہو۔ اور مُنکَر سے مراد ہے: ہر وہ بری بات یا برا کام جسے شریعت اور فطرتِ سلیمہ پسند نہ کرے اور بندہ کو خدا سے دور کرتا ہو۔

ایک دو جلسے کافی نہیں

اس کام کو انجام دینے کے لئے رات و دن جد جہد کوشش جاری رکھنا ہے جیسا

کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے نائبوں نے کیا۔ صرف امر و نہی کرنا یا سنانا یہ تبدیلی ماحول کے لئے کافی نہیں۔ جیسا کہ ہمارے سماج میں ایک یا دو رات کے جلسوں اور کانفرنسوں میں لاکھوں روپیہ برباد کر کے خواص و عوام یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے شریعت کا بڑا فرض انجام دیا ہے۔ ارے! پیارے آقا ﷺ کے صحابہ اور اولیاء اللہ کو دیکھو انہوں نے اس کام کو انجام دینے کے لئے رات دن ایک کر دیئے، تب کہیں جا کے ماحول میں انقلاب پیدا ہوا۔

یہ انقلاب چاہے مقرر اپنی تقریر سے یا مصنف اپنی تصنیف و تالیف سے یا مدرس اپنے درس و تدریس سے، دولت مند اپنے مال و دولت سے یا صاحبِ اختیار اپنے اقتدار و اختیار سے، مرشدانِ زمانہ اور صوفیائے وقت اپنے عمل و کردار سے یا پھر عابدین شب زندہ دار اپنی شب خیزیوں، سحر کی آہوں اور مخلصانہ دعاؤں سے۔ مگر آہ! اب ایسے لوگ کہاں رکھے ہیں؟ ع

جو دیا کرتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

یہ کام کہاں سے شروع کریں؟

لیکن امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور دعوتِ حق کے کام کا آغاز و شروعات انسان کو اپنی ذات سے کرنا چاہئے۔ انسان کو چاہئے کہ وہ سب سے پہلے شب و روز اپنا محاسبہ کرے، معروف، نیکیوں اور اچھے کاموں پر پہلے اپنے نفس کو آمادہ کرے اور اپنے آپ کو منکر اور برے کاموں سے بچائے۔ کیونکہ دعوتِ حق کا کام اخلاص اور خیر خواہی پر مبنی ہوتا ہے۔ تو یہ اخلاص اور خیر خواہی انسان کو سب سے زیادہ اپنی ذات کے ساتھ ہونا چاہئے۔ دوسرے اس لئے کہ قولِ بلا عمل کی

قرآن وحدیث میں شدید مذمت آئی ہے۔اللہ پاک فرماتا ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۔ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۔ (پارہ:۲۸۔الصّف:۳۔۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! وہ بات کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے۔اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناراض کرنے والا کام یہی ہے کہ تم (دوسروں سے) وہ بات کہو جو تم خود نہ کرتے ہو۔

ایک جگہ اور فرمایا: اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ ۔ (پارہ:۱۔البقرۃ:۴۴)

ترجمہ: کیا تم دوسروں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور خود کو بھلائے بیٹھے ہو۔

پھر اہل وعیال

خود کی اصلاح کے بعد انسان اپنی اولاد، اپنے اہل وعیال اور اپنے ماتحتوں کی طرف متوجہ ہو۔اور ان کی اصلاح کرے، ان کا حال بدلنے کی کوشش اور جدو جہد کرے اور ان کو شر ومعصیت وگناہ سے خیر وبھلائی کی طرف لائے۔

اس نکتہ سے وہ لوگ نصیحت حاصل کریں جو جماعتوں اور قافلوں میں جا جا کر دوسروں کی اصلاح کیلئے بہت خیر خواہی اور ہمدردی ظاہر کر رہے ہیں اور اپنے بیوی بچوں، اہل وعیال اور اپنے اہلِ خانہ کو بھلائے بیٹھے ہیں۔شاید اسی لئے امر بالمعروف اور دعوتِ حق آج اپنی مقصدیت کھو بیٹھا ہے۔

اگر وہ تبلیغِ دین اور دعوتِ حق کا کام فریضۂ الٰہی سمجھ کر اخلاص خیر خواہی کے ساتھ کرتے ہوتے، تو ضرور یہ کام پہلے اپنے اہل وعیال اور اپنے اہل خانہ سے

شروع کرتے۔کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے! بہر حال ہم ظاہر کے مکلف ہیں، اس لئے کسی انسان کی نیت پر حملہ نہیں کرتے۔لیکن اتنا تو ضرور ہے: انسان کا ظاہر اس کے باطن کی غمازی کرتا ہے۔

فقہ سے قریب

قرآن وحدیث کی جس آیت وحدیث میں بغیر عمل دوسرے کو نصیحت کرنے کی مذمت آئی ہے، ان کا منشا ومقصد امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور دعوتِ حق سے روکنا نہیں، بلکہ اس سے شریعت کا مقصد ومطلب یہ ہے کہ: وہ جس چیز کی دعوت دے رہا ہے، اس کا خود بھی عامل ہو جائے۔

ورنہ فقہ سے قریب تو یہی ہے کہ انسان اگر چہ خود گناہ میں مبتلا ہو، تب بھی دوسروں کو گناہ سے روکے۔تا کہ دو گناہوں کا کرنے والا قرار نہ پائے۔یعنی ایک گناہ خود کے گناہ کرنے کا اور دوسرا گناہ دوسرے کو گناہ کرنے سے نہ روکنے کا۔

بہر حال ایک انسان (معاذ اللہ) خود شراب پی کر دوسروں کو شراب نوشی سے منع کر رہا ہے، اور ایک خود پی رہا ہے اور دوسروں کو منع نہیں کر رہا ہے، تو اِس سے بہتر وہی ہے جو پی کر دوسروں کو شراب پینے سے روک رہا ہے۔

ایک عظیم نکتہ

حضرت لقمان کی مذکورہ بالا وصیت اور وہ آیت مبارکہ جس میں ہمیں خیرِ امت کے عظیم خطاب سے نوازا گیا ہے، دونوں میں معروف اور مُنکَر کا ذکر ہے، حلال وحرام کا نہیں۔یعنی یہ نہیں فرمایا گیا ہے کہ حلال کا حکم دے اور حرام

سے روکے۔ بلکہ دونوں آیتوں میں فرمایا: معروف یعنی بھلائی کا حکم دے اور مُنکر یعنی برائی سے روکے۔ جس شریعت کا ہمیں عامل و داعی بتایا جا رہا ہے، ہمیں چاہئے کہ ہم اس کی وسعتوں پر غور کریں۔ کتنا عظیم ہے ہمارا دین! کتنی وسعتیں ہیں ہمارے دین میں! کہ اس کی وسعتیں دنیا و آخرت دونوں زندگیوں کو شامل ہیں۔ دونوں جہاں کی کامیابیاں اور سعادتیں حاصل کرنے کے طور طریقے ہمارے دین میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ تو ہم پر لازم ہے کہ ہم ان تمام طور طریقوں، عادات و آداب کی دعوت دیں، جن میں دونوں جہان کی سعادت و خوش بختی شامل ہے۔

ان دونوں آیتوں میں یہی عمومیت و وسعت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ معروف و منکر کا تعلق عقائد وعبادات سے بھی ہے اور معاملات و اخلاقیات سے بھی۔ یعنی انسان اپنے عقائد وعبادات اور معاملات و اخلاقیات میں کوئی ایسی منکر و ممنوع یا ناپسندیدہ چیز شامل نہ ہونے دے، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کو ناپسند ہے۔ اور انہیں عقائد وعبادات اور معاملات و اخلاقیات میں ہر وہ طریقہ، ہر وہ ادب اختیار کرے، جو شریعت کو محبوب و مطلوب ہو یا اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کو محبوب ہو۔ اب یہ چیز فرائض سے لیکر مستحبات تک کو شامل ہے۔

دین رسموں کا نام نہیں

مگر افسوس اس بات کا ہے! ہماری قوم کے بہت سے لوگوں نے آج چند عبادات (نماز، روزہ) اور چند رسموں (نیاز، فاتحہ، چادر و گاگر اور عرس وغیرہ) ہی کو دین سمجھ لیا ہے۔ کچھ لوگوں نے یہ تصور کر لیا ہے کہ دعوتِ حق صرف عالم اور

مولوی کا کام ہے۔ یہ دونوں تصور اور سوچیں باطل اور بہت خطرناک ہیں، جو امت کو ہلاکت و بربادی کی طرف لے جا رہی ہیں۔

جبکہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ ارکان وعبادات دین کا دسواں حصہ ہیں۔

یعنی دین کے باقی نو حصے حسنِ اخلاق اور حسن معاملات وغیرہ میں پوشیدہ ہیں۔ معاملات میں ہماری قوم کا جو حال ہے، سب جانتے ہیں۔ اور اخلاقیات میں عالم یہ ہے کہ امانت، دیانت، صداقت اور اخلاص و تواضع کی جگہ جھوٹ، خیانت، دھوکہ بازی، ریاکاری، مکاری وغیرہ رذیل عادات نے لے لی ہے۔

اور دوسرا تصور اس لئے باطل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ.

تم میں سے ہر شخص ذمہ دار و نگراں ہے اور ہر ذمہ دار و نگراں سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں قیامت کے روز پوچھا جائے گا۔

اس حدیث سے سبق ملتا ہے کہ ملت کے ہر فرد (عالم ہو، طالب علم ہو، مرشد ہو، مربی ہو، طالب ہو، مرید ہو، ماں باپ ہوں، استاذ و معلم ہوں، ملازم ہو یا مزدور ہو کوئی ہو ہر ایک) کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ دعوتِ حق اور امر بالمعروف یعنی ماحول کی تبدیلی کے لئے کھڑا ہو جائے۔ تا کہ قیامت میں جواب دہی سے بچ سکے۔

ہر شخص کو چاہئے کہ سماج و معاشرہ کی اصلاح و تبدیلی سے پہلے اپنی اصلاح کرے پھر اپنی حیثیت کے مطابق دوسروں کی۔ تبھی سماج و معاشرہ کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ یہ ایک دن کی اصلاحِ معاشرہ کی کانفرنسیں اور جلسے ایک افیم کی گولی سے زیادہ اثر نہیں رکھتے ہیں۔ اور آج کے جلسے تو وہ اثر بھی کھو بیٹھے ہیں۔

یہ کام تدریجاً کرے

اوپر ہم نے بیان کیا کہ دعوتِ حق اور راہِ ہدایت دکھانے کا کام ہر فرد کرے۔ ہر موقعہ اور ہر مقام پر کرے۔ اور جو اعمال وحرکات اللہ تعالیٰ کی معصیت ونافرمانی اور ملت کو ذلت ورسوائی کی طرف لیجانے والے ہیں، ان سے ہر شخص کو روکا جائے۔لیکن نرمی اور پیار ومحبت سے۔تو یقیناً کل امت امتِ خیر ہوگی اور خیر کی طرف داعی بھی ہوگی۔ یہی منشائے الٰہیہ بھی ہے۔ ہمارا مولیٰ کریم یہی چاہتا ہے کہ ہم امت خیر اور داعی الی الخیر بنیں۔

اس انکار ونکیر میں اس چیز کا بھی لحاظ رکھا جائے کہ جو عمل بہت زیادہ قبیح اور برا ہو، پہلے اس سے روکا جائے۔ کیونکہ اعمالِ حسنہ ہوں یا افعال ممنوعہ ہر ایک کے درجے مقرر ہیں۔ اعمال قبیحہ ممنوعہ میں سب سے بڑا منکر وقبیح شرک وکفر ہے، اس کے بعد بدعت، اس کے بعد حرام اور حرام کے بعد مکروہ تحریمی۔ اسی طرح اعمالِ معروفہ حسنہ میں سب سے اعلیٰ عمل توحید وایمان ہے۔ جو ہر خیر وبھلائی کی جڑ وبنیاد ہے۔ پھر فرض پھر واجب پھر سنت پھر مستحب پھر مباح۔

اب اگر اعمال ممنوعہ میں کسی کو کفر وشرک یا بدعقیدگی میں مبتلا دیکھو یا مشرکانہ کافرانہ اعمال کرتے ہوئے پاؤ، اور وہی شخص بدعت وحرام میں بھی مبتلا ہے، تو سب سے پہلے کفر وشرک سے روکو، اس کے بعد بدعت وحرام سے روکنے کی کوشش کرو۔ ایسے ہی اگر کوئی بدعت اور حرام کاری میں مبتلا ہے تو پہلے اسے بدعت سے روکو پھر حرام کاری سے۔

اور اعمال حسنہ میں جب کسی کو فرض وواجب اور سنت ترک کرتے ہوئے

پاؤ، تو پہلے اس کو فرض کی ادائیگی پر آمادہ کرو۔ جب فرض کا عادی بن جائے، تو واجب اور سنت کی ادائیگی پر آمادہ کرو۔

داعی کی بصیرت

ایسے ہی درجہ بدرجہ آہستہ آہستہ جو اہم اور ضروری ہے، پہلے اس کی دعوت دی جائے۔ جب اس پر عامل ہو جائے، تو اس سے کم درجہ والے کی طرف بلائے۔ یہ داعی اور خیر کی طرف بلانے والے کی وصیت بصیرت پر موقوف ہے کہ سامنے الے کی طبیعت کس عمل کو آسانی سے قبول کرلے گی۔ جس عمل کو اس کی طبیعت آسانی سے قبول کرلے، پہلے اسی کی دعوت دے۔ کیونکہ بعض طبیعتیں سہل طلب ہوتی ہیں، وہ آسان کاموں کو جلدی قبول کر لیتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کریم مولیٰ بھی چھوٹی نیکی کی برکت سے بڑی نیکی کی توفیق عطا کر دیتا ہے۔ نیکیوں کی برکت سے نیکیوں کی توفیق ملتی ہے۔ جس طرح انسان چھوٹے گناہ کی نحوست سے بڑے گناہ میں مبتلا کر دیا جاتا ہے اور گناہ ومعصیت کی نحوست سے نیکیوں سے محروم اور گناہوں میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

اسی طرح منکرات اور ناجائز وحرام اعمال میں جو سب سے بدتر ہے پہلے اس سے روکنے کی کوشش کی جائے، پھر اس سے کمتر سے، پھر اس سے کمتر سے۔ لیکن یہاں بھی اُسی نکتہ کا خیال رکھا جائے کہ اگر کسی عاصی وبدکار کی طبیعت میں اتنی گندگی پا رہا ہے کہ وہ بڑے گناہ چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہو رہا ہے، تو پہلے چھوٹے گناہ سے بچانے کی کوشش کرے۔ کہ اللہ تعالیٰ اسے چھوٹے گناہ سے بچنے کی برکت سے ایک دن بڑے گناہ سے بھی بچالے گا۔

یہ نہیں کہ فرض و واجب کی طرف کوئی توجہ نہیں اور مستحب و مستحسن کی ادائیگی پر پورا زور صرف کیا جائے۔ جیسا کہ آج کل پوری رات کے جلسے و کانفرنسیں اسی پر ختم کی جا رہی ہیں۔

دعوت حق کا مقصد

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دو عظیم مقصد ہیں۔

(۱) جن کو دعوت دی جائے، انہیں ان اعمال و افعال سے بچایا جائے، جن کی وجہ سے عذاب ہو سکتا ہے۔ اور معاشرہ سے شر، فتنہ و فساد اور بے شرمی و بے حیائی کی گندگیوں کو ختم یا کم کیا جائے۔

(۲) خیر و بھلائی اور نیکیوں کے اسباب زیادہ سے زیادہ مہیا کئے جائیں۔

اور یہ عظیم مقاصد اسی وقت حاصل ہوں گے، جب پورا معاشرہ اور اس کا ہر فرد مل کر بلا تفریق اور بلا کسی لڑائی جھگڑے کے کوشش کرے گا۔ اور اس عظیم نکتہ کی طرف اللہ تعالیٰ نے بھی اشارہ فرمایا ہے۔ کہ آیت میں کلمۂ امت پوری جماعت کو بتا رہا ہے۔ اس کے بعد جو صیغے [تَأْمُرُوْنَ اور تَنْهَوْنَ] آئے ہیں، وہ بھی سب جمع کے ہیں اور جماعت پر دلالت کر رہے ہیں۔

بلکہ اِس آیت سے پہلے ایک آیت ہے، جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

ترجمہ: سب ملکر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ اور آپس میں پھٹ نہ جانا۔ (فرقوں میں نہ بٹ جانا) (پارہ: ۴۔آل عمران: ۱۰۳)

(**وَلَا تَفَرَّقُوْا**) یہ کلمہ تو صاف بتا رہا ہے، کہ آپس میں تفرقہ اور پھوٹ مت

ڈالنا۔ مطلب یہی ہے کہ یہ کام اور یہ فریضہ سب ملکر انجام دیں۔ اور اس طور پر انجام دیں کہ اجتماعیت، اتفاق و اتحاد باقی رہے اور آپس میں اختلاف و انتشار پیدا نہ ہو پائے۔

تو دعوت حق کے اس فریضہ کو انجام دینے میں ہر اس چیز اور ہر اس طریقہ سے بچا جائے گا، جو ملت اور اس کے اتحاد کو پارہ پارہ، ٹکڑہ ٹکڑہ کر دے۔ اور امر بالمعروف کے لئے وہی طریقے اپنائے جائیں گے، جو امت کے اجتماع و اتحاد اور آپسی پیار و محبت کو باقی رکھیں۔ جیسا کہ ہمارے بہت سے علما نے دیہات میں ۔ جہاں لوگ جمعہ پڑھتے چلے آ رہے ہوں۔ جمعہ بند کرنے سے منع فرما دیا۔ اس خوف سے کہ آپس میں فتنہ و فساد اور انتشار برپا نہ ہو۔

اس کا آسان طریقہ

دعوت و تبلیغ یا امر و نہی کے اس فریضہ کو انجام دینے کا احسن اور بہتر طریقہ یہ ہے اپنے گھر والوں کے دلوں میں خالق و مالک مولیٰ کریم کی عظمت و محبت پیدا کی جائے۔ ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کے جلال و عظمت، طاقت و قدرت اور عذاب و عتاب کو اس طور پر بیان کیا جائے، کہ خوف و ہیبت سے ان کے کٹھور دل نرم پڑ جائیں۔ ان کے سامنے خیر، بھلائی اور نیک کاموں کی فضیلت اور ثواب بیان کیا جائے اور اس ثواب کی رغبت سے ان کاموں کی طرف بلایا جائے۔ ایسے ہی معصیت و گناہ کی نحوست اور اس گناہ و معصیت پر ہونے والے عذاب کے بارے میں بتایا جائے۔ وہ آیتیں اور حدیثیں جن میں دوزخ قیامت قبر اور موت وغیرہ کی سختیوں کا بیان ہو، اچھے، آسان اور سہل انداز میں میں ان کو سنائی

جائیں۔ انہیں بتایا جائے کہ جب تم ذرا سے مچھر اور چیونٹی کے معمولی کاٹنے کی تاب نہیں رکھتے ہو، تو قبر اور دوزخ کے اونٹ اور خچر کے برابر سانپ اور بچھوؤں کے ڈسنے کی تاب کیسے لاسکو گے؟

دعوت وتبلیغ کے یہی دوطریقے ہیں: ترغیب اور ترہیب۔ لیکن گناہوں کی عادی آج کی اس دنیا میں ترہیب کا طریقہ ہی زیادہ موثر ثابت ہوسکتا ہے۔

حدیثِ محبت: روایت میں آیا ہے: حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی کی: اے موسیٰ! تم میرے بندوں کے دلوں میں میری محبت پیدا کرو۔ سیدنا موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی: اے اللہ تو مُقَلِّبُ الْقُلُوب ہے۔ تیرے بندوں کے دل تیرے قبضہ وقدرت میں ہیں، تو اپنے بندوں کے دلوں میں جس کی چاہے اس کی محبت پیدا کردے۔ ہم تیرے بندوں کے دلوں میں تیری محبت کیسے پیدا کرسکتے ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! تم میرے بندوں کو میری نعمتیں اور میرے احسانات یاد دلاؤ۔ اس طریقہ سے میرے بندوں کے دلوں میں میری محبت پیدا ہوگی۔ (روح البیان)

اس روایت سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں، اس کے احسانات اور اس کی نوازشات یاد کرنے سے اس کی محبت دلوں میں جاگزیں ہوجائے گی۔ اور جب اس کی محبت دل میں بیٹھ جائے گی، تو پھر اس کی طاعت وفرمانبرداری سے کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ تو ہمیں چاہئے کہ ہم اس طریقہ سے اپنی اولاد اور اپنے ماتحتوں کو اعمال حسنہ اور نیک کاموں کی طرف بلائیں۔

اس کام کے لئے علم دین بہت ضروری ہے

لیکن اس امر بالمعروف اور دعوتِ حق کے فریضہ کو انجام دینے سے پہلے تَفَقُّہ فِی الدین یعنی دین کی سمجھ، دین کا ضروری علم اور دین کے احکام واعمال کے درجات ومراتب کا جاننا بھی بہت ضروری ہے۔ اور یہ یا تو کسی مدرسہ میں طالب علم کی حیثیت سے داخلہ کراکے سیکھا جاسکتا ہے۔ یا کسی عالمِ عامل کامل کی صحبت میں رہ کر یہ چیز حاصل کی جاسکتی ہے۔

کیونکہ ایک دعوت دینے والے کو جب تک خود حسنات وسیئات اور اوامر ونواہی کا علم نہ ہوگا، تب تک وہ کسی کو نہ تو اچھے کام کی دعوت دے سکے گا نہ برے کام سے روک پائے گا۔ اور اگر بغیر تفقہ فی الدین حاصل کئے یہ کام کرے گا، تو کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ لاعلمی کی وجہ سے کسی اچھے کام سے روک دے گا۔ اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کسی برے کام سے روکے گا اور اس برے کام سے روک کر اس سے بھی برے کام میں مبتلا کردے گا۔ ایسی صورت میں اسے نہی عن المنکر نہیں کہا جائے گا۔

اس لئے کہ شارع نے امت کو منکرات اور برائیوں سے روکنے کا حکم اس لئے دیا تاکہ اس نہی سے نیکی اور بھلائی پیدا ہو۔ اور جب اس نہی ومنع سے شر اور فتنہ یا جس گناہ سے روکا جارہا ہے اس سے بڑا گناہ پیدا ہورہا ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ناراضگی زیادہ ہے۔ اس طرح کے واقعات حدیثوں میں بہت ملتے ہیں، کہ اللہ پاک کے حبیب ﷺ نے قدرت واختیار پانے کے باوجود بہت سے موقعوں پر لوگوں کو چھوٹے چھوٹے منکرات سے منع نہیں فرمایا۔ تاکہ اس سے بڑا منکر وگناہ پیدا نہ ہوجائے۔

انکارِ مُنکَر کے درجات

انکار منکر یعنی برائی سے روکنے کی علما نے چار صورتیں بیان کی ہیں۔

(۱) جس برائی سے روکا جا رہا ہے، وہ برائی بالکل ختم ہو جائے گی۔ اور اس برائی کی جگہ پر نیکی ظاہر ہو جائے گی۔

(۲) وہ برائی بالکل تو ختم نہ ہوگی، لیکن کم ہو جائے گی۔

(۳) جس برائی سے روکا جائے گا، اسی کے برابر دوسری برائی پیدا ہو جائے گی۔

(۴) جس برائی سے روکا جا رہا ہے، اس سے بدتر برائی پیدا ہو جائے گی۔

پہلی دو صورتوں میں تو دعوتِ حق یعنی برائی سے روکنا جائز و مشروع ہے۔ بلکہ پہلی صورت میں تو ضروری ہے۔ جبکہ تیسری صورت جس میں، منہی عنہ (جس برائی سے روکا جا رہا ہے اسی کے) مثل برائی پیدا ہو رہی ہے، داعی کی بصیرت پر موقوف ہے۔ غور کرے کہ اس برائی میں مبتلا انسان اور ملت کا فائدہ کس صورت میں زیادہ ہے، روکنے میں یا نہ روکنے؟ اسی کے مطابق عمل کرے۔ اور چوتھی صورت میں برائی سے روکنا بالکل حرام ہے۔ (یَا بُنَیَّ)

دعوت و تبلیغ کے یہ درجات اور صورتیں وہی سمجھ سکتا ہے جس کو تفقہ فی الدین حاصل ہو۔

حضرت لقمان کی ایک اور وصیت

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو اقامتِ نماز، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وصیت کرتے ہوئے ساتھ میں صبر کی وصیت بھی فرمائی۔ کیونکہ صبر ایسا

خلق عظیم اور خصلت حمیدہ ہے، جو دونوں جہان میں فلاح و کامیابی کا عظیم سامان ہے۔ انسان کی قوت و طاقت اور ہمت و حوصلہ کا سبب ہے۔ بلکہ صبر انسان میں ایسا وصف ہے جو دوسرے اخلاق حسنہ اور خصلات حمیدہ کی اساس و بنیاد اور جڑ ہے اور ہر دوسرے خلق حسن میں مؤثر ہے۔ جیسے غربت و تنگ دستی میں صبر، سخاوت اور مال خرچ کرنے پر صبر، عدل و انصاف میں حق بات کہنے پر صبر، عفو و معافی میں انتقام و بدلہ لینے پر صبر، اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی میں نفس کو طاعت میں لگانے پر صبر، گناہ و معصیت سے نفس کو روکنے میں صبر۔ غرضیکہ یہ بہت چھوٹا سا کلمہ ہے، لیکن اس کے معانی و مفاہیم بہت بڑے ہیں۔ اسی لئے حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو ان کلمات سے صبر کی وصیت فرمائی:

وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۔ (لقمان:۱۷)

ترجمہ: (اس راہ میں) تمہیں جو مصیبتیں، پریشانیاں اور دقتیں پہنچیں، ان پر صبر کرو۔ بیشک یہ بڑے اولوالعزم اور ہمت و حوصلہ والوں کا کام ہے۔

صبر کڑوا ضرور ہے مگر اس کا نتیجہ و ثمرہ میٹھا ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے: مقصد میں کامیابی کی حلاوت و شیرینی، صبر کی کڑواہٹ کو ختم کر دیتی ہے۔ (یَا بُنَیَّ)

ایک مثال

شہوت پرست اور خواہش کا غلام انسان اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں اپنی خواہشات کو پورا کرنے میں برباد کر دیتا ہے۔ لیکن کیا اب اس کی خواہشات و لذات اور زندگی کے مزے باقی ہیں؟ نہیں۔ یقیناً وقت کے ساتھ زندگی کی خواہشات گزر گئیں۔ لیکن وقت کی بربادی کی ندامت و شرمندگی اور اللہ

تعالیٰ کی نافرمانی کا عتاب وعذاب باقی ہے۔ جو اس کے ساتھ جائے گا۔

ثوابِ عظیم کس کو ملا؟

ایسے ہی جو انسان اپنی خواہشات اور لذتوں کو مار کر اپنی زندگی کے قیمتی وقت کو اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی اور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں صرف کیا۔ اور اس راہ میں جو محنتیں، مشقتیں، مصیبتیں اور پریشانیاں آئیں، انہیں صبر کے ساتھ اٹھاتا رہا۔ تو وقت اس کا بھی گزر جاتا ہے، اور اس نے صبر کے ساتھ جو مصیبتیں، پریشانیاں اٹھائیں تھیں ان کی کڑواہٹ بھی وقت کے ساتھ جاتی رہی۔ لیکن اس دقت و پریشانی پر صبر کر کے اس نے جو ثوابِ عظیم پایا ہے، وہ باقی ہے۔ اور قبر و قیامت ہر جگہ اس کے ساتھ رہے گا اور اس کے کام آئے گا۔

شہوت پرست کی لذتیں اور مزے جاتے رہے اور اس صابر کی مصیبتیں اور پریشانیاں بھی جاتی رہیں۔ مگر دونوں کے انجام میں بہت بڑا فرق ہے۔ صابر کا انجام راحت ہی راحت، خوشی ہی خوشی اور ابدی سکون۔ اور عاصی کا انجام ندامت ہی ندامت، غم ہی غم اور دائمی تکلیف۔

صبر میں خیر ہی خیر

اسی لئے کہا جاتا ہے: صبر کی وقتی اور عارضی تکلیف مت دیکھو، انجام دیکھو۔ کیونکہ انجامِ صبر میں خیر ہی خیر ہے۔

اسی لئے علما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی عطایا میں سب سے بڑی عطا صبر ہے۔ اور اس دنیا میں جو بھی کامیاب ہوئے، اسی خصلتِ عظیمہ کو اپنا کر کامیاب

ہوئے۔ دنیا کی بادشاہتیں، عزتیں بھی اسی خصلت حمیدہ اپنا کر ملیں۔ ولایتیں، معرفتیں اور خداوندِ قدوس کی قربتیں بھی اسی وصف جلیل کے ذریعہ ملیں۔

حدیث میں ہے: جو صبر کرنا چاہے گا، اللہ تعالیٰ اسی کو صبر کی توفیق دے گا۔ اور کسی انسان کو صبر سے بہتر، کشادہ اور افضل کوئی اختیار نہیں دیا گیا۔ (بخاری ومسلم)

خیر کا خزانہ

حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صبر، خیر و بھلائی کے خزانوں میں ایک خزانہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اسی بندے کو صبر عطا فرماتا ہے جو اس کے نزدیک کریم ومکرم ہوتا ہے۔ (بیہقی)

غرض یہ کہ اس وصف عظیم اور خصلت، حمیدہ جلیلہ۔ جو خاص عطیۂ ربانی ہے۔ کے بارے میں قرآن وحدیث، تصوف واخلاق اور سیرت کی کتابوں میں اتنا کچھ بیان کیا گیا ہے، کہ اگر انسان اس کو پڑھ کر اس پر عمل کر لے، تو دین و دنیا کی ترقی و کامیابی میں دنیا کی کوئی قوت وطاقت رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

لیکن یہ چھوٹا سا رسالہ ان ہزاروں واقعات کا متحمل نہیں ہے۔ اسی لئے ہم حضرت لقمان کی اس وصیت کے اِن چند کلمات پر ہی اکتفا کر رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ حقیر وکم ظرف اس وصفِ عظیم وجلیل کی بیان کی اہلیت ولیاقت بھی نہیں رکھتا ہے۔ اگر اس خصلت شریفہ (صبر) کے فضائل ومناقب پڑھنا ہوں، تو حضور پُرنور سیدنا غوث اعظم عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی عظیم کتابوں کا مطالعہ کرو اور حجۃ الاسلام امام محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کیمیائے سعادت اور احیاء العلوم پڑھو۔

حضرت لقمان کی ایک اور وصیت

حضرت لقمان نے اپنے فرزندِ جلیل کو جو عظیم وصیتیں فرمائیں، ان میں سے ایک ہے: تواضع وانکساری۔ یعنی تکبر سے اجتناب اور نفرت۔ آپ اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۔(پارہ:۲۱۔لقمان:۱۸)

ترجمہ: اور لوگوں سے بات کرنے میں اپنے گال (اور گردن) کو ٹیڑھا نہ کر۔ اور زمین پر اترا کر مت چل۔ بیشک اللہ کسی اترانے والے اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔

مطلب یہ کہ لوگوں سے تواضع وانکساری کے ساتھ ملو، گھمنڈ اور تکبر سے نہ پیش آؤ اور جب زمین پر چلو تو عاجزانہ چال سے چلو۔ اکڑ کر اور اترا کر نہ چلو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تکبر اور فخر والوں کو پسند نہیں کرتا۔ غرور وتکبر نہایت حقیر اور ذلیل خصلت ہے۔ اس کی حقارت ورذالت کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ: یہ ابلیسی خصلت ہے۔

گناہ خدا کی ناراضگی کا سبب ہے

حسنات اور نیکیاں اللہ تعالیٰ کی قربت ومحبت اور رضا وخوشنودی کا بہترین ذریعہ ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ بندہ کی نیکیوں سے خوش ہوتا ہے اور اسے اپنے قریب کر لیتا ہے۔ ایسے ہی معصیت وگناہ اللہ تعالیٰ سے دوری اور اس کی ناراضگی کا ذریعہ ہیں۔ بندہ کا گناہ ومعصیت، اپنے خالق ومالک سے انحراف کی علامت ہے۔

گناہ تو بہت ہیں، لیکن ان میں تکبر اور گھمنڈ بدترین گناہ ہے۔ یہ اپنے خالق ومالک سے منحرف ہونے کی سب سے بڑی علامت اور سبب ہے۔ تکبر وگھمنڈ ہی وہ پہلا گناہ ہے، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی گئی۔ سورۂ بقرہ، آیت (۳۴) میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۔(پارہ:۱۔البقرۃ:۳۴)

ترجمہ: یاد کرو وہ وقت جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا آدم کو سجدہ کرو۔ سب فرشتوں نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے تکبر کر کے انکار کیا۔ اور ہو گیا وہ منکرین نافرمانوں میں سے۔

اسی لئے حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو تکبر سے بچاتے ہوئے، لوگوں کے ساتھ تواضع اور انکساری سے پیش آنے کی وصیت کی۔ آپ کی اس وصیت میں کچھ چیزیں بہت غور کرنے کی ہیں۔

اچھے مومن کی پہچان

اس آیت میں ایک کلمہ آیا ہے: (لَا تُصَعِّرْ) یہ صعر سے بنا ہے۔ اس کا معنی ہے: تکبر سے چہرہ پھیر لینا۔ اور ایک لفظ ہے: خَدٌّ اس کا معنی ہے: رخسار، گال۔ بعض لوگ ایسے مغرور ومتکبر ہوتے ہیں کہ لوگوں سے سلام وکلام کے وقت انہیں حقیر وکمتر سمجھتے ہوئے، ان سے چہرہ پھیر لیتے ہیں اور گردن ٹیڑھی کر لیتے ہیں۔ خاص طور سے غربا ومساکین کے ساتھ ان کا یہ رویہ زیادہ ہوتا ہے۔ تو ان کے لئے اس کلام کا مطلب یہ ہوگا کہ: تم لوگوں سے ملاقات کے وقت مکمل توجہ اور

تواضع کے ساتھ ان سے سلام و کلام کرو۔ ان سے بات کرتے وقت نہ اپنا چہرہ پھیرو اور نہ اپنی گردن ٹیڑھی کرو۔ خصوصاً غریب و نادار لوگوں سے۔ اور اچھے مومن کی یہی علامت ہے کہ اس کے نزدیک حسنِ معاملات و ملاقات میں غنی و مالدار اور مفلس و نادار برابر ہوتے ہیں۔

تکبر ایسا عظیم گناہ اور بدترین خصلت ہے جو مدتوں کی کی ہوئی نیکیوں اور برسوں عبادت و ریاضت کے ذریعہ کی گئی قلب و باطن کی اصلاح وصفائی کو ایک لمحہ میں کھا جاتا ہے۔ جیسا کہ ابلیس کے ساتھ ہوا، ہزار ہا سال کی عبادتیں ایک جھٹکے میں ہباءً منثوراً ہوگئیں۔ یہ خصلتِ خبیثہ جب کسی انسان میں پیدا ہو جاتی ہے، تو اس کو ہلاکت و بربادی کی وادی میں جھونک کر ہی دم لیتی ہے۔

مغروروں متکبروں کا طریقہ

بعض مغرور و متکبر تو اس طرح کے ہوتے ہیں کہ اپنی ناک بھوئیں سمیٹ کر لوگوں سے ملتے ہیں۔ بعض ایسے ہوتے ہیں، جو بالکل الگ تھلگ رہنا پسند کرتے ہیں، اپنے سے کمتر لوگوں سے ملنا بھی پسند نہیں کرتے۔ اور اگر کسی مجلس یا محفل میں لوگوں سے ملنا چاہتے بھی ہیں، تو ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ تمام لوگوں سے یا عام لوگوں سے ان کے لئے الگ تھلگ امتیازی مقام ہو۔ کرسی ہو تو امتیازی، یا مسند ہو تو امتیازی۔ جیسا کہ آج کل ہم سماجی بلکہ دینی کہلانے والی مجلسوں میں بھی یہ چیزیں دیکھتے ہیں۔ دنیا دار تو اپنے لئے خصوصی اور امتیازی نشست و برخاست پسند کرتے ہی ہیں۔ اور ان کیلئے ان کی نشست گاہوں پر پہلے ہی چیف گیسٹ کی چِٹ لگائی جاتی ہے۔ اب تو دینی اور روحانی کہلانے والی

مجلسوں میں بھی یہ چیز عام طور سے دیکھ سکتے ہیں۔ اگر کسی دینی پیشوا کے ساتھ نشست و برخاست میں خصوصی معاملہ نہ کیا جائے یا اس کی آمد پر لوگ اس کی تعظیم کیلئے کھڑے نہ ہوں یا نعرہ نہ لگائیں، تو بہت بری طرح سے وہ ناک بھوئیں سکوڑ کر بانیانِ مجلس اور اہل جلسہ پر ناراض ہوتا ہے۔ بلکہ کبھی کبھی تو مجلس سے واپس بھی چلا جاتا ہے۔ اس مغرور و متکبر کو یہ پتہ ہی نہیں کہ محفل و مجلس میں اپنے لئے خصوصی مقام چاہنے والے کیلئے حدیث میں کتنی مذمت آئی ہے۔

حدیث عبرت: حدیث میں آیا ہے: جو انسان اس بات کا خواہش مند ہو کہ مجلس میں اس کے لئے لوگ کھڑے ہوں، تو یہ اس کے دوزخی ہونے کی علامت ہے۔ او کما قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (الکلام الاوضح فی تفسیر الم نشرح)

ہاں اگر کسی دینی پیشوا کی تعظیم کے لئے لوگ خود بخود کھڑے ہو رہے ہیں، تو اس میں کوئی اس کے لئے کوئی مضائقہ و حرج نہیں۔ لیکن اس میں بھی اس کو چاہئے کہ اپنے باطن کو جھانکے اور اپنی علمی و عملی کمزوریوں پر نظر کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کرے۔ اور مولیٰ کریم کی حمد بجا لائے اور اس کا شکر ادا کرے کہ: اس نے میری کمزوریوں پر پردہ ڈال دیا اور نیکیاں لوگوں پر ظاہر کر دیں۔

گمانِ فاسد: علما فرماتے ہیں: لوگوں میں سب سے ناپسندیدہ آدمی وہ ہے جو اپنے بارے میں خود یہ گمان کرتا ہے کہ: ہم ایسے مقام و مرتبہ پر فائز ہیں، جو ہمارے علاوہ کسی کو حاصل نہیں۔ یا ہمارے علاوہ اس مقام پر کوئی اور نہیں پہنچ سکتا۔ اور اس گمانِ فاسد میں مبتلا انسان ہمیشہ دوسروں کو حقیر و ذلیل ہی سمجھتا ہے۔

ایسا انسان اپنی حقیقت پر غور کرے

علما فرماتے ہیں: جو اس طرح کی خبیث وذلیل عادت میں مبتلا ہو، اس کو چاہئے کہ: وہ اپنی زندگی کے تین دوروں پر نظر کرے۔

(۱) ابتداوتخلیق (۲) انتہاوانجام (۳) ان کے بیچ کی مدت

اپنی ابتدا پر غور کرے کہ اس کی ابتدا ناپاک اور غلیظ نطفہ سے ہے، انتہا اور انجام پر غور کرے کہ اس کا انجام نجس اور مردار ہونا ہے اور ان دونوں کے بیچ میں جو مدت ہے، اس میں غور کرے کہ اپنے پیٹ میں نجاست وغلاظت لئے گھومتا ہے۔یعنی اس کے پیٹ میں لیٹرین وپیشاب ہر وقت موجود رہتی ہے۔

جب تینوں دوروں میں نجاست وغلاظت اس کے ساتھ ہیں، تو تکبر کیسا؟ اور گھمنڈ کس بات کا؟

متکبر وگھمنڈی انسان اپنے تکبر وگھمنڈ یا اپنی گردن ٹیڑھی کرنے یا ناک بھوں سمیٹنے کی وجہ سے اپنی اس حسین صورت کو بگاڑ لیتا ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے احسن تقویم پر پیدا کیا ہے۔ پھر قدرت کی طرف سے ایسے انسان کا دل بھی ٹیڑھا اور فاسد کردیا جاتا ہے۔

تکبر کی دوسری صورت

کچھ لوگ اپنے باطنی تکبر کو اپنی رفتار یا اپنی چال سے ظاہر کرتے ہیں۔اور وہ اس زمین پر اکڑ کر چلتے ہیں، جس سے انہیں پیدا کیا گیا ہے۔اسی لئے حضرت لقمان نے (وَ لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا) (زمین پر اکڑ کر مت چلو) سے

اپنے بیٹے کو وصیت فرمائی۔ کیونکہ تمہیں اسی سے پیدا کیا گیا ہے اور ایک دن اِسی میں ملا بھی دیئے جاؤ گے۔

سب زمین پر سب زمین میں

دوسرے اَرض فرما کر یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ جس زمین پر تم اکڑ کر چل رہے ہو، یہ وہی زمین تو ہے جس پر بادشاہ، فقیر، غریب، امیر، مزدور، اجیر، طاقتور انسان اور کمزور کیڑے مکوڑے سب چلتے ہیں، تمہیں کونسی بزرگی وخصوصیت حاصل ہے۔اور اس میں اکڑ کر چلنے والے کے لئے یہ تنبیہ بھی ہے کہ جب وہ تمام لوگوں کے مساوی وبرابر ہے، تو پھر اکڑ کر کیوں چل رہا ہے؟

خیال رہے!

جب مغرور ومتکبر انسان لوگوں کے نزدیک مکروہ وناپسند ہے کہ لوگ اس سے محبت نہیں کرتے ہیں، تو اسے جان لینا چاہئے جو تمام انسانوں کا خالق ومالک ہے وہ بھی اسے پسند نہیں فرماتا ہے۔یہ ذلت وخسارہ کیا اس کے لئے کم ہے؟ اسی لئے حضرت لقمان نے آگے فرمایا: [اِنَّ اللہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ] (اللہ تعالیٰ مغرور، فخر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔)

مغرور اپنے گمان میں بڑا ہے

جو لوگ مغرور گھمنڈی ہوتے ہیں، وہ اپنے تصور وخیال میں خود کو بڑا اور بہتر سمجھتے ہیں۔اور یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ بہت معظم ومکرم ہیں۔حالانکہ وہ یہ نہیں جانتے کہ: اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے نزدیک وہ نہایت ہی مکروہ و

ناپسندیدہ اور گھٹیا انسان ہیں۔

اور وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھتا اس لئے ہے کہ وہ فانی اور ضائع ہونے والی لذتوں اور بیماری میں مبتلا ہے۔ اور وہ تکبر اس لئے کر رہا ہے کہ: وہ اپنی حقیقت سے جاہل ہے۔ جیسا کہ ہم پیچھے بیان کر کے آئے ہیں۔ وہ تصورات کی دنیا میں زندگی گزار رہا ہے۔ ابھی اس بات کو بھولا ہوا ہے کہ اسے ایک دن اسی مٹی میں ملا دیا جائے گا جس پہ وہ اکڑ کر چل رہا ہے۔ اور ابھی وہ اس بات سے غافل ہے کہ اس کا یہ حسین جسم، جس پر وہ اترا رہا ہے، ایک دن مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ اور اس پر کوئی وقت ایسا بھی آسکتا ہے کہ لوگ اس کو اپنے پیروں سے روندیں گے، جبکہ وہ قبر کی تنگ و تاریک کوٹھری میں بے یار و مددگار پڑا ہوگا۔

مغرور کس بات پر گھمنڈ کرتا ہے؟

جو لوگ غرور و گھمنڈ کی بیماری میں مبتلا ہیں، وہ اس حکمت بھری نصیحت کو پڑھیں۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ جو لوگ غرور و گھمنڈ کرتے ہیں، وہ خارجی چیزوں کی وجہ سے گھمنڈ کرتے ہیں۔ اس لئے ایک حکیم فرماتے ہیں:

اے گھمنڈی! اگر تو اپنی اچھی سواری پر گھمنڈ کر رہا ہے، تو حسن و خوبی تو تیری سواری کا ہے، تیرا تو نہیں۔ اگر تو اپنے لباس و مکان وغیرہ پر اتراتا ہے، تو وہ حسن و جمال ان کا ہے، تیرا نہیں۔ اگر تو اپنے باپ دادا کی عزت و بزرگی پر فخر کرتا ہے، تو وہ خوبی و کمال تو ان میں تھا، تجھ میں نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو قوت گویائی دیتا، تو یہ سب چیزیں اس گھمنڈی سے بولتیں: یہ سب خوبیاں اور کمالات تو ہمارے ہیں، تیرا کمال کیا ہے؟ تیری خوبی کیا ہے؟ اگر تو گھمنڈ کرنا ہی چاہتا ہے

تو ایسی چیز پر کر جو تجھ میں ہی ہو تجھ سے خارج نہ ہو اور تیری حاصل کی ہوئی اور کمائی ہوئی ہو۔ اس میں کسی اور کا دخل نہ ہو۔ (روح البیان)

اس بیماری کا علاج

علما فرماتے ہیں: جب تجھے اپنی کوئی چیز اچھی لگے یا تجھ میں عجب و تکبر پیدا کرے، تو تو اس بات کو یاد کر کہ ایک دن تو فنا ہو جائے گا، اور وہ چیز باقی رہے گی۔ یا تو باقی رہے، اور وہ چیز زائل و فنا ہو جائے۔ یا یہ کہ دونوں فنا کے گھاٹ اتر جائیں۔ پھر گھمنڈ کس پر؟

اس وصیت کا نتیجہ

حضرت لقمان اپنی وصیت سے یہ سبق دے رہے ہیں کہ تکبر و گھمنڈ سے بچ کر لوگوں سے سلام و کلام، معاملات اور لین دین میں تواضع و انکساری سے پیش آیا جائے۔ اور یہ تواضع و انکساری ہی اللہ تعالیٰ کے نیک اور سچے بندوں کی صفتِ عظیمہ اور کمال و خوبی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ فرقان میں اس کمال و خوبی کو کس اچھے انداز میں بیان فرمایا ہے، پڑھئے:

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۔ (پارہ:۱۹-الفرقان:۶۳)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کے وہ (مخلص اور نیک) بندے، جو زمین پر انکساری سے چلتے ہیں۔ اور جب جاہل ان سے الجھتے ہیں، تو وہ سلام کہتے (ہوئے گزر جاتے) ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہیں، وہ ہر وقت ذہن میں یہی رکھتے ہیں کہ چھوٹے بڑے ہم سب ایک اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ اور ہماری روحیں اور ہمارے جسم ایک ہی طرح کے ہیں۔

خدا کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کمال

مغرور ومتکبر انسان کو اس بات پر بہت غور کرنا چاہئے کہ دنیا کے انسانوں بلکہ خدا کی اتمام مخلوق میں سب سے افضل واعلیٰ، سب سے برتر وبالا خدا کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کے بیچ ایسے تواضع وانکساری سے زندگی گزاری کہ اجنبی انسان سوچ میں پڑ جاتا تھا، ان میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں؟ اس طرح کی حدیثیں بخاری ومسلم میں بہت جگہ موجود ہیں۔ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے غلاموں کو تکبر سے بچانے اور ان میں تواضع پیدا کرنے کے لئے ارشاد فرماتے ہیں:

صدقہ سے کبھی مال گھٹتا نہیں ہے، معاف کر دینے سے انسان کی عزت بڑھتی ہے۔ اور جس کسی نے بھی اللہ تعالیٰ کیلئے تواضع وانکساری کی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو عزت وبلندی ہی دی ہے۔ (مسلم)

رہن سہن میں آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تواضع

سیرت کی کتابوں میں آیا ہے: اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کے بیچ اس طرح رہتے تھے، کہ اجنبی لوگوں کا آپ کا پہچاننا مشکل ہوجاتا تھا۔

ایک مرتبہ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ کسی قبیلہ میں دین کی تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے۔ لباس اور وضع قطع اس طرح مساوی اور برابر

تھی کہ: اس قبیلہ کے لوگوں کو یہ پہچاننے میں دقت ہو رہی تھی، ان میں آقا کون ہیں غلام کون؟ نبی کون ہیں امتی کون؟ مخدوم کون ہیں خادم کون؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس چیز کو اپنی فراست سے تاڑ لیا۔ فوراً آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر پنکھا جھلنے لگے۔

تاکہ لوگ جان لیں یہ آقا ہیں میں غلام اور یہ مخدوم ہیں اور میں خادم۔

اس واقعہ سے جہاں اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تواضع وانکساری ظاہر ہو رہی ہے، وہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فراستِ ایمانی اور جذبۂ محبت وخدمت بھی۔ اس واقعہ سے آج کل کے خادم ومخدوم اور استاد شاگرد بہت سی نصیحتیں حاصل کر کے اپنی زندگی میں نکھار پیدا کر سکتے ہیں۔ (ماخوذ)

قیامت میں مغرور کا انجام

مغرور ومتکبر لوگ اس دنیا میں لوگوں کے دلوں میں کوئی عزت ووقعت نہیں رکھتے ہیں۔ اگرچہ بظاہر ان کے ذرائع، روابط وتعلقات اور مراتب اعلیٰ ہوں۔ اور قیامت کے روز میدان محشر۔ جو تمام جگہوں سے زیادہ ہولناک اور خوفناک ہوگا۔ میں بھی یہ لوگ بہت ہی حقارت وذلت کی حالت میں اٹھائے جائیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قیامت کے دن مغرور ومتکبر لوگ مردوں کی شکل میں چیونٹیوں کی طرح اٹھائے جائیں گے۔ انہیں طرح طرح سے ذلت گھیرے ہوگی۔ اور دوزخ کے مخصوص قید خانہ میں کھینچ کر لے جایا جائے گا۔ سخت ترین آگ ان کو گھیرے ہوئے ہوگی اور دوزخیوں کی رطوبت ان کو پلائی جائے گی۔ (ترمذی)

ایک اور حدیث میں آیا ہے: قیامت کے دن مغرور و متکبر لوگ اللہ کے محبوب ﷺ کی قربت سے محروم رہیں گے۔

ایک حدیث میں آقا ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: قیامت کے دن تم میں میرا محبوب ترین اور سب سے نزدیک وہ شخص ہوگا، جس کے اخلاق اچھے ہوں گے۔ اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور سب سے دور متکبر و مغرور ہوگا۔

یہ سزا انہیں ان کے کئے کی وجہ سے ملے گی۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: کَمَا تَدِیْنُ تُدَانُ (جیسا کروگے ویسا بھروگے) یعنی: جیسا عمل ویسی سزا۔

تکبر کی حقیقت

اچھے لباس، اچھے کھانے پینے کا نام تکبر نہیں ہے۔ بلکہ تکبر ایک ایسی مذموم اور رذیل کیفیت ہے، جو انسان کے دل میں پائی جاتی ہے۔ اور یہ ظاہر ہوتی ہے خدا کی مخلوق کے ساتھ رابطہ اور معاملہ کرنے سے۔

کیا یہ بھی تکبر ہے؟

اللہ پاک کے حبیب ﷺ نے ایک دن ارشاد فرمایا: جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ ایک صاحب نے عرض کی: حضور! آدمی چاہتا ہے کہ اس کا لباس اور کھانے پینے کا ساز و سامان حد سے اچھا ہو۔ (کیا یہ بھی تکبر ہے؟) آقا ﷺ نے (ان کی غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے) فرمایا: اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور رہن سہن میں جمال کو پسند فرماتا ہے۔ (یعنی رہن سہن میں صفائی و پاکیزگی تکبر نہیں ہے بلکہ) تکبر تو حق کو نہ ماننے اور

لوگوں کو حقیر سمجھنے کا نام ہے۔ (مسلم شریف)

اس لئے ہم سب پر لازم ہے کہ ہم نفسانی عروج اور ابلیسی خصلت سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کریں، تاکہ شیطان کہیں ہمیں اس گناہ میں نہ جھونک دے جس کے ذریعہ اس نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ یاد رکھو۔

میں اس کی کمر توڑ دوں گا

اللہ تعالیٰ کو یہ بات ہرگز پسند نہیں کہ کوئی اس کی صفتِ کبریائی میں منازعت اور جھگڑا کرے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اللہ پاک کا ارشاد معظم ہے: عزت و بزرگی میرا اِزَار ہے اور عظمت و کبریائی میری چادر۔ تو جو بھی ان میں سے کسی میں مجھ سے جھگڑے گا، میں اس کو عذاب دوں گا۔ اور ایک روایت میں ہے: میں اس کی کمر توڑ دوں گا۔ (مسلم شریف)

ان روایتوں سے پتہ چلا کہ غرور و گھمنڈ اور تکبر میں شر ہی شر اور بدی ہی بدی ہے۔ اس کا ضرر و نقصان ظاہر اور اس کا مذموم و برا ہونا روشن۔ اس کے شر اور ضرر و نقصان کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ مغرور و متکبر کے لئے مخلوقِ خدا کے دل میں سخت ترین بغض و کینہ اور ناپسندیدگی پیدا ہوجاتی ہے۔

اور تواضع و انکساری ایسی محبوب ترین خصلت ہے، جو عظیم اور اچھے لوگوں کی پہچان ہے۔ اخلاقِ حسنہ میں ایسا خلقِ حسن ہے، جس سے متواضع انسان کی لوگوں کے دلوں میں بہت جلدی محبت پیدا ہوجاتی ہے۔

اب ہر انسان کو اختیار ہے چاہے تواضع اختیار کرکے لوگوں کا محبوب بنے

چاہے تکبر کر کے مکروہ و مبغوض ہوجائے۔ اتنا ضرور ہے اگر مغرور کو قبر کی ظلمت و تاریکی، اس کے کیڑے مکوڑے۔ جو اس کے حسین جسم کو کھا جائیں گے۔ اور قیامت کی ہولناکیاں معلوم ہوجائیں، تو ضرور وہ تواضع کو اپنا شعار بنالے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے انکساری سے پیش آئے۔ تواضع کے متعلق ہم نے اپنی ''وصایا'' نامی کتاب میں حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی وصیت میں کچھ باتیں ذکر کی ہیں، وہاں پڑھیں۔

خلیفۂ راشد کی تواضع

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ جن کی خلافت کو خلافت راشدہ میں شمار کیا جاتا ہے، ان کی تواضع کا واقعہ آج کل کے مذہبی پیشواؤں اور دنیوی رہنماؤں یعنی سیاسی لیڈر، دونوں کے لئے عبرت ہے۔

خلیفہ عمر بن عبد العزیز کے یہاں ایک دن ایک مہمان آئے۔ گفتگو کے دوران کسی طرح سے چراغ بجھ گیا تو خلیفہ اٹھ کر اسے صحیح کر دیا (روشن کر دیا) تو وہ مہمان بولے: امیر المؤمنین! آپ مجھے حکم دیتے میں صحیح کر دیتا یا کسی خادم کو بلا لیتے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا: جب میں اس کام کے لئے اٹھا تب بھی عمر تھا اور جب کام سے لوٹا تب بھی عمر ہوں۔ (ایضاً)

یعنی اس کام نے نہ میری شخصیت کو گھٹایا، نہ میرے نام کو گھٹایا۔ یہ تھا ہمارے اسلاف اور بزرگوں کا تواضع۔

جب سر میں ہوائے طاعت تھی، سرسبز شجر اسلام کا تھا
جب صرصرِ عصیاں چلنے لگی اِس پیڑ نے پھلنا چھوڑ دیا

مجددِ اسلام کی وصیت

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مجددِ اسلام عبد المصطفیٰ مولانا محمد احمد رضا خان قادری، حضرت مولانا مولوی محمد نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ [ولادت: سنہ ۱۲۴۶ھ / سنہ ۱۸۳۰ء - وصال: سنہ ۱۲۹۷ھ / سنہ ۱۸۸۰ء] کے فرزندِ جلیل ہیں۔ اور قطبِ وقت حضرت علامہ رضا علی خان رحمۃ اللہ علیہ [ولادت: سنہ ۱۲۲۴ھ - وصال: سنہ ۱۲۸۲ھ / سنہ ۱۸۶۶ء] مولانا نقی علی خاں صاحب علم و عرفان تھے۔ جس کی شہادت کے لئے آپ کی بہت سی تصانیف میں سے ایک کتاب ''الکلام الاوضح فی تفسیر الم نشرح'' - جو حدیث و تفسیر کے ساتھ سلوک و معرفت اور تصوف و اخلاق پر مشتمل ہے۔ ہی بہت کافی ہے۔ ویسے تو آپ کا عظیم بیٹا ہی آپ کے علم و عرفان کی چلتی پھرتی روشن تصویر ہے کیونکہ اولاد ماں باپ کی تعلیم و تربیت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے: آپ کے جدِّ امجد (دادا) قطب وقت تھے۔ انہوں نے ظاہری دنیاداری اور زمینداری سے تعلق نہ رکھا اور ساری عمر فقیری اور درویشی میں گزاری۔ انہیں بزرگ ہستیوں کے گھر میں (۱۰/شوال سنہ ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴/جون سنہ ۱۸۵۶ء بروز دوشنبہ بوقت ظہر) اعلیٰ حضرت کی ولادت ہوئی، اور اپنی ۶۸/سالہ زندگی کے تقریباً ۵۴/برس اِحیائے دین، احیائے علوم، احیائے سنت اور تجدیدی و اصلاحی خدمات جلیلہ انجام دے کر (۲۵/صفر سنہ ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۸/اکتوبر سنہ ۱۹۲۱ء بروز جمعہ مبارکہ بوقت دو بج کر اڑتیس منٹ پر اذان جمعہ کے وقت عین حی علی الفلاح پر) داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور سب کو سسکتا بلکتا چھوڑ گئے۔

حرمین طیبین کے سیکڑوں علما نے آپ کو عظیم خطابات جلیلہ سے یاد کیا اور

وہاں کے جلیل القدر علما نے آپ سے سندیں لیں اور آپ کی بے پناہ عزت و احترام کیا اور دیگر خطابوں کے ساتھ ''مجدّدِ مِائۃِ حاضرۃ'' کے خطاب سے مخاطب کیا۔ یوں تو آپ ساری عمر امت کو وصیتیں اور نصیحتیں فرماتے رہے، جس پر آپ کی سیکڑوں کتابوں کے علاوہ ایک ''فتاویٰ رضویہ''۔ جو ۱۲؍ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ جیتی جاگتی روشن دلیل ہے۔ لیکن ہم اپنے اس رسالہ میں اِس عاشق صادق کی صرف وہ وصیتیں بیان کرنے جارہے ہیں، جو وصال سے کچھ وقت پہلے آپ نے ضعف ونقاہت کے باوجود پورے ہوش وحواس اور متانت وسنجیدگی کے ساتھ اپنی اولاد، مریدین ومعتقدین اور ان کے توسط سے کل اہل سنت وجماعت کو فرمائی تھیں۔ جن کو آپ کے برادر زادہ حضرت مولانا حسنین رضا صاحب بریلوی (ولادت: سنہ ۱۳۱۰ھ۔ وصال: سنہ ۱۴۰۱ھ/سنہ ۱۹۸۱ء) نے ترتیب دیا۔

حدیث اخلاص

ہم اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی وصیتیں بیان کرنے سے پہلے بخاری شریف کی ایک حدیث اُس توضیح وتشریح کے ساتھ بیان کرتے ہیں جسے شارح بخاری علامہ بدرالدین عینی (ولادت: سنہ ۷۶۲ھ۔ وصال: سنہ ۸۵۵ھ) نے عمدۃ القاری میں بیان کیا ہے۔ پھر اس حدیث کی روشنی میں اپنے مخلص وخیر خواہ مجدد کی وصیتیں پڑھئے۔

حدیث: رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم دین کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اَلدِّیْنُ اَلنَّصِیْحَۃُ لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِہِمْ

دین نام ہے اللہ عزوجل ورسول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لئے اخلاص اور ائمۂ مسلمین و عامۃ المومنین کے لئے خیر خواہی کا۔

اس بات کو سمجھنے کے لئے پہلے ہمیں نصیحت کو سمجھنا ہوگا۔ لفظِ نصیحت عربوں کے قول: نَصَحَ الرَّجُلُ ثَوْبَہٗ سے بنایا گیا ہے۔ عرب یہ اس وقت بولتے ہیں، جب کوئی اپنے پھٹے ہوئے کپڑے کو سوئی سے سلے یا جوڑے۔ اسی لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۔ (پ:۲۸۔ التحریم:۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبۃ النصوح کرو۔

یہاں پر نصوح کا معنی جوڑنے ہی کا ہے۔ کیونکہ گناہ سے انسان کی نیکیاں ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتی ہیں پھر جب انسان خالص توبہ کرلیتا ہے تو وہ نیکیاں جڑ جاتی ہیں۔ جیسا کہ سوئی پھٹے ہوئے کپڑوں کو جوڑ دیتی ہے۔ یا یہ کہ گناہ کے ذریعہ بندہ کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ٹوٹ جاتا ہے لیکن جب وہ توبۃ النصوح یعنی سچی توبہ کرتا ہے تو اس کے ذریعہ وہ ٹوٹا ہوا تعلق بحال ہوجاتا ہے۔ اس لئے اردو میں توبۃ النصوح کا ترجمہ کرتے ہیں: سچی توبہ کہ انسان نے جو گناہ کیا ہے اس پر نادم وشرمندہ ہو اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا پکا ارادہ کرلے۔

نصیحت کا ایک معنیٰ اخلاص بھی آتا ہے، عرب یہ اس وقت بولتے ہیں: جب انسان کا دل کھوٹ، نفاق اور ہر طرح کی گندگی سے صاف ہو۔ اب الدین النصیحۃ کا مطلب ہوا: دین اخلاص، خیر خواہی اور جوڑنے کا نام ہے۔ کیونکہ جو مخلص ہوتا ہے، وہی خیر خواہ ہوتا ہے اور جو اپنے قول وفعل میں مخلص نہ ہو وہ مخلص نہیں ہوسکتا۔ اور جو اللہ تعالیٰ کیلئے مخلص نہیں وہ نہ اپنا خیر خواہ ہے نہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کا خیر خواہ ہوسکتا ہے۔ نصیحت کا لفظ بظاہر تو چھوٹا ہے لیکن اس میں دین ودنیا کی بھلائیاں موجود ہیں۔ جیسے لفظ فلاح چار حرف کا کلمہ ہے لیکن علما فرماتے ہیں:

کلام عرب میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو اتنے معانی ومعارف کا جامع ہو۔

اللہ تعالیٰ کے لئے نصیحت

حدیث کی اگلی تشریح پڑھئے: اللہ تعالیٰ کے لئے نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے ایمان میں مخلص ہو اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، اس کی صفات میں الحاد و بے دینی سے دور رہے، اللہ تعالیٰ کو صفات جلالیہ اور کمالیہ سے متصف جانے، یعنی جو چیزیں ماننا ضروری ہیں ان کو مانے، اسے تمام عیوب ونقائص سے پاک جانے، اس کی اطاعت وفرمانبرداری کے لئے ہر وقت تیار رہے، اس کی معصیت و نافرمانی سے بچے، اس کے اور اس کے حبیب ﷺ کے نافرمانوں سے دل میں عداوت رکھے اور اس کی نعمتوں اور احسانات کا اقرار وشکر ادا کرے غرضیکہ تمام معاملات میں اخلاص سے پیش آئے۔ اتنی چیزیں جس انسان میں ہوں وہ اللہ تعالیٰ کا مخلص ہے۔ اگر یہاں پر نصیحت کا معنیٰ خیر خواہی لیا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی بندہ کی خیر خواہی کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ تمام عالم سے غنی اور ہر خیر خواہ کی خیر خواہی سے بے نیاز ہے۔ ان تمام چیزوں پر عمل کرنے والے کی خیر خواہی اور اخلاص بندہ کی طرف ہی پلٹتا ہے۔ ہر خیر خواہی اور بھلائی کا فائدہ بندہ ہی کو پہنچتا ہے۔

کتاب اللہ کی خیر خواہی

اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ خیر خواہی اور اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کا کلام جانے، اس کو مخلوق کلام کی ہر طرح کی کمزوریوں سے پاک جانے،

اس بات کا عقیدہ بھی رکھے کہ مخلوق میں کوئی بھی اس طرح کا کلام بنانے پر قادر نہیں، اس کے بعد ظاہر و باطن میں اس کی تعظیم کرے، اس کی تلاوت کا حق اس طور پر ادا کرے کہ مخارج کے ساتھ تلاوت کرے، جو بھی اس میں بیان کیا گیا ہے دل سے اس کی تصدیق کرے، اس کے علوم وفنون کو سمجھنے کی کوشش کرے، اس کی محکم آیتوں پر عمل کرے اور مُتشابہ کو دل سے مانے، اس کے علوم پھیلانے کی کوشش کرے اور اس کی دعوت حق کی طرف عام لوگوں کو دعوت دینے کی جدجہد کرے۔

نبی کی خیر خواہی

اللہ تعالیٰ کے رسول کے ساتھ خیر خواہی اور اخلاص یہ ہے کہ آپ کی نبوت و رسالت کی دل سے تصدیق کرے، آپ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے اس کو دل سے مانے اور تسلیم کرے، آپ کے حکموں کو بجا لائے، جن چیزوں سے آپ نے روکا ہے ان سے رک جائے، آپ کی حیاتِ ظاہری اور بعد وصال یکساں تعظیم کرے، آپ کے نام ونسبت کا دل میں احترام رکھے، آپ کی سنتوں کو زندہ کرے، آپ کی سنتوں اور تعلیمات کو عام کرنے میں لطف ونرمی سے کام لے، آپ کے اخلاقِ حسنہ اور آداب کریمہ سے خود کو مستفیض کرے، آپ کے اہل بیتِ اطہار اور اصحابِ اَخیار سے سچی محبت کرے۔

حاکم امام کی خیر خواہی

دین کے حاکموں اور اماموں سے خیر خواہی یہ ہے کہ حق میں ان کی مدد کرے، ان کی ہر حق بات مانے، حق یاد دلانے میں نرمی سے کام لے اور بلاوجہِ

شرعی ان سے بغاوت نہ کرے۔

عام مومنین کی خیر خواہی

عامّۃُ المسلمین کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ دین و دنیا میں جس چیز میں ان کی بھلائی ہو اس کی رہنمائی کرے، انہیں ہر طرح کی تکلیف سے محفوظ رکھے، دین کی جن باتوں سے وہ جاہل و نادان ہیں انہیں ان باتوں کی تعلیم دینے کی کوشش کرے، نیکی و پرہیز گاری میں ان کی ہر طرح سے مدد کرے، جہاں تک ہو سکے ان کی خامیوں پر پردہ پوشی کرے، ان کے ساتھ شفقت و محبت سے پیش آئے اور جو خیر و بھلائی اپنے لئے پسند کرے، وہی ان کے لئے پسند کرے۔

اب ہمارے دینی پیشوا و رہنما (واعظ و مقرر، مرشد و پیر، مدرس و معلم) حضرات سے لے کر دنیوی قائد (لیڈر) بلکہ عوام و خواص سب اس حدیث کے آئینہ میں یا اس ایمانی ترازو پہ اپنا دین و ایمان دیکھیں اور تولیں، کیا واقعی ہم اس طرح کا ایمان رکھتے ہیں؟ یقیناً ہر شخص کو سوچنا پڑے گا!!! اس طرح کا اخلاص اور خیر خواہی پیدا کرنے کے لئے بڑی ریاضت اور کسی کامل کی صحبت کی ضرورت ہے۔ لیکن ہم جس امامِ وقت کی دو وصیتیں ذکر کرنے جا رہے ہیں، اس امام کی پوری زندگی اس حدیث کی عملی تفسیر ہے۔ اور اس نے اپنی زندگی کی باقی آخری چند گھڑیوں میں جو وصیتیں کی ہیں، وہ اس پوری حدیث کی عملی تفسیر ہیں۔

دینی بزرگی کا معیار

کسی بھی انسان کی دینی عزت و بزرگی اور معرفت و ولایت کے بظاہر دو ہی

معیار یا پیمانے نظر آتے ہیں:

(۱) اس شخص کے شب و روز اور عملی زندگی کتاب و سنت کی تعلیمات کے مطابق ہے یا نہیں؟

(۲) اس کی دینی خدمات، عبادت و ریاضت، عشق و معرفت، الحب فی اللہ و البغض فی اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے دوستی اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے دشمنی) دین و ایمان، طاعت و بندگی میں اخلاص، معاملات کی صفائی، حسن اخلاق اور ایمان والوں کی نصیحت و خیر خواہی وغیرہ میں اس کی زندگی اَسلاف کی زندگی کے مطابق ہے یا نہیں؟ معرفت و ولایت یا خدا رسیدی کا تعلق دولت و شہرت، عوام کالانعام کے نعروں، جلوسوں اور مریدوں کی بھیڑ کا نام نہیں۔

اب آپ امامِ مَمدوح کی علمی و عملی زندگی ان دو پیمانوں پر پرکھ دیکھیں، تو یقینی طور پر آپ کی زندگی بے مثال اور ان دونوں میعاروں پر اعلیٰ طور پر اترتی نظر آئے گی۔ علمی اعتبار سے آپ کی تصانیف خصوصاً فتاویٰ رضویہ علم و معرفت، تفسیر و حدیث وغیرہ کیلئے روشن دلیل ہے۔ اور عملی زندگی، عبادت و ریاضت، الحب فی اللہ والبغض فی اللہ، اخلاص فی العبادۃ، معاملات کی صفائی اور حسنِ اخلاق وغیرہ پر آپ کی سیرت وسوانح پہ لکھی گئیں معتبر کتابیں شاہدِ عادل ہیں جس کی ہلکی سی جھلک امام کی ان چند وصیتوں میں نظر آئے گی۔ اب عاشق صادق کی وصیتیں سنئے۔

دو تقریری وصیتیں

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی وصیتیں دو طرح کی ہیں:

(۱)ملفوظ یعنی تقریری (۲) مکتوب یعنی تحریری

آپ نے اپنے وعظ ونصیحت کی آخری مجلس میں بطور رشد وہدایت یہ دو ملفوظ وصیتیں فرمائیں:

پیارے بھائیو! مجھے نہیں معلوم میں کتنے دن تمہارے اندر ٹھہروں؟ (انسان کے) تین ہی وقت ہوتے ہیں: بچپن، جوانی، بڑھاپا۔ بچپن گیا جوانی آئی، جوانی گئی بوڑھاپا آیا۔ اب کون سا چوتھا وقت آنے والا ہے، جس کا انتظار کیا جائے؟ ایک موت ہی باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ ایسی ہزار مجلسیں عطا فرمائے اور آپ سب لوگ ہوں، میں ہوں اور میں آپ لوگوں کو سناتا رہوں، مگر بظاہر اس کی امید نہیں۔ اس وقت میں آپ لوگوں کو دو وصیتیں کرنا چاہتا ہوں: ایک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اور دوسری اپنی۔

تم مصطفیٰ ﷺ کی بھولی بھیڑیں ہو۔ بھیڑیئے تمہارے چاروں طرف ہیں۔ یہ تمہیں بہکانا چاہتے ہیں کہ تمہیں بے دینی میں ڈال کر اپنے ساتھ جہنم میں لے جائیں، ان سے بچو اور دور بھاگو۔ یعنی جتنے بھی بے دین بدمذہب ہیں، سب بھیڑیئے ہیں، تمہارے ایمان کی تاک میں ہیں، ان کے حملوں سے اپنا ایمان بچاؤ۔ حضور اقدس ﷺ اللہ تعالیٰ کے نور ہیں، حضور ﷺ سے صحابہ روشن ہوئے، ان سے تابعین روشن ہوئے، ان سے ائمۂ مجتہدین روشن ہوئے اور ائمۂ مجتہدین سے سلسلہ بسلسلہ ہم۔ اب ہم تم سے کہتے ہیں، یہ نور ہم سے لے لو۔ ہمیں اس کی ضرورت ہے کہ تم ہم سے روشن ہو۔

اب ذرا غور سے پڑھئے! وہ نور کیا ہے جس سے صحابہ، تابعین، ائمۂ مجتہدین اور اولیائے کاملین روشن ہوئے اور ان سے اعلیٰ حضرت؟ فرماتے ہیں:

وہ نور ہے اللہ ورسول کی سچی محبت، ان کی تعظیم، ان کے دوستوں کی خدمت اور ان کی تکریم (وعزت) اور ان کے دشمنوں سے سچی عداوت ودشمنی

جس سے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی شان میں ادنیٰ اور ذرا سی بھی توہین پاؤ، پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو، فوراً اس سے جدا ہو جاؤ۔ جس کو بارگاہ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو، پھر وہ تمہارا کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو، اپنے اندر سے اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔ میں پونے چودہ برس کی عمر سے یہی بتاتا رہا۔ اور اس وقت پھر یہی عرض کرتا ہوں: اللہ تعالیٰ ضرور اپنے دین کی حمایت کے لئے کسی بندہ کو کھڑا کر دے گا۔ مگر نہیں معلوم میرے بعد جو آئے کیسا ہو اور تمہیں کیا بتائے؟ اس لئے ان باتوں کو خوب سن لو۔ حجۃ اللہ قائم ہو چکی ہے، اب میں قبر سے اٹھ کر تمہارے پاس بتانے نہ آؤں گا، جس نے اسے سنا اور مانا، قیامت کے دن اس کے لئے نور ونجات ہے، اور جس نے نہ مانا، اس کے لئے ظلمت وتاریکی اور ہلاکت وبربادی ہے۔ یہ تو خدا اور رسول کی وصیت ہے۔ جو یہاں موجود ہیں سنیں اور مانیں، اور جو یہاں موجود نہیں، تو حاضرین پر فرض ہے کہ غیر موجود لوگوں کو اس سے آگاہ کریں۔

دوسری وصیت میری ہے۔ آپ حضرات نے کبھی مجھے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچنے دی، میرے کام آپ لوگوں نے خود کئے مجھے نہ کرنے دیئے، اللہ تعالیٰ آپ سب صاحبوں کو جزائے خیر دے۔ مجھے آپ صاحبوں سے امید ہے کہ قبر میں بھی اپنی جانب سے کسی قسم کی تکلیف کے باعث نہ ہوں گے۔ میں نے تمام اہل سنت سے اپنے حقوق لِوَجْہِ اللہ (اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے) معاف کر دیئے ہیں۔ آپ لوگوں سے دست بستہ عرض ہے کہ مجھ سے جو کچھ آپ کے حقوق میں

فروگذاشت (کمی وکوتاہی) ہوئی ہے وہ سب معاف کردیں۔ اور حاضرین پر فرض ہے کہ جو حضرات یہاں موجود نہیں ان سے میری معافی کرالیں۔ (وصایا)

کچھ قابل غور باتیں

حدیث شریف میں آیا ہے: اَلْحُبُّ فِی اللہِ وَ الْبُغْضُ فِی اللہِ۔

کسی سے محبت ہو تو اللہ تعالیٰ ہی کی وجہ سے اور کسی سے عداوت و دشمنی ہو تو اللہ تعالیٰ کی وجہ سے۔ (آگے حدیث کے کلمات ہیں) کسی کو کچھ دینا تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کی وجہ سے اور منع کرنا، روکنا تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی وجہ سے۔

یہ سب چیزیں ایمان یا کمالِ ایمان کی علامت ونشانی ہیں۔ اور یہ وصف و خوبی اسی مؤمن کے دل میں ہوگی، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ سے سچی محبت رکھتا ہوگا اور اس کے دل میں ان کی تعظیم وعزت ہوگی۔ اعلیٰ حضرت فقیہ النفس، کریم النفس، کثیر الفہم اور سلیم القلب ہونے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کے ایسے عاشق صادق تھے، کہ سرکار ﷺ کے گستاخ تو گستاخ، اگر کسی سے اللہ پاک کے حبیب ﷺ کی تعظیم وتوقیر میں ذرا بھی کوتاہی یا کمزوری پاتے تھے، تو وہ آپ کا کتنا ہی عزیز وقریبی کیوں نہ ہوتا، اسے آپ پسند نہیں فرماتے اور اس سے کسی بھی قسم کا تعلق نہ رکھتے۔ اس پر آپ کے فتوے شاہد عادل ہیں۔ اسی کی جھلک آپ کی پہلی وصیت میں پائی جارہی ہے۔

آپ کے سینے میں خوفِ عقبیٰ حد درجہ بسا ہوا تھا۔ اسی وجہ سے آپ ہر وقت آخرت کی فکر میں کھوئے رہتے اور فرائض وواجبات پوری مستعدی سے سنن و مستحبات کے ساتھ ادا فرماتے۔ حقوق ومعاملات میں اس قدر صفائی رکھتے تھے

کہ ہمیشہ اسی فکر میں رہتے: کسی کا کوئی حق میرے اوپر آخرت کیلئے نہ رہ جائے۔ جس کی جھلک آپ کی دوسری وصیت میں پائی جارہی ہے۔ کہ آپ نے اپنے حقوق معاف کرانے سے پہلے تمام اہل سنت کے حقوق اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے معاف کردیئے۔ پھر اپنے حقوق معاف کرانے میں عاجزی اور لچک دیکھئے کہ آپ لوگوں سے دست بستہ عرض کرتے ہیں۔ پھر اور آگے دیکھئے کہ کسی کا کوئی حق سر پر رہ نہ جائے یا معاف نہ ہوسکے، تو موجود لوگوں سے فرمایا: جو یہاں موجود نہیں ہیں، موجود لوگ ان سے میری طرف سے معاف کرائیں۔

یہ وصف وکیفیت اسی مومن کے دل میں ہوگی، جو آخرت پر پورا یقین رکھتا ہو۔ اور فرائض وواجبات کی محافظت و پابندی وہی مومن کرتا ہے، جسے اللہ تعالیٰ سے سچی محبت ہوتی ہے۔ اور اللہ پاک کے حبیب ﷺ کے سچے عاشق وہی ہوتے ہیں، جو فرائض کے ساتھ ساتھ آپ کی ایک ایک سنت اور مستحبات و آدابِ زندگی کی پوری رعایت کرتے ہیں۔ اولیائے کاملین کی سیرت کا مطالعہ کیجئے، آنکھیں کھل جائیں گی۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی فرائض وواجبات اور سنن ومستحبات کی محافظت و پابندی سے وہ لوگ نصیحت حاصل کریں، جو عاشق کے نعرے لگاتے ہیں، اور سنت ومستحب کی ادئیگی تو بہت دور کی بات ہے، خدا کے فرائض علی الاعلان ضائع وبرباد کررہے ہیں۔

مکتوبی اور تحریری وصیتوں کا خلاصہ

اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کو جو خصوصیت اور امتیازی شان اپنے دور کے ظاہری علما میں عطا فرمائی تھی، وہی عظمت وبلندی انہیں اس دور کے

اولیا میں حاصل تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے علومِ کثیرہ میں سے جو علوم اور خصوصیات اولیائے کاملین کو عطا فرماتا ہے، وہ سب اوصاف وکمالات اس نے اعلیٰ حضرت کو عطا فرمائے تھے۔ ایسا لگتا ہے کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کو اللہ تعالیٰ نے ان کے وصال کے وقت کا علم بھی انہیں عطا فرما دیا تھا۔ ان کی درج ذیل وصیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں منٹ منٹ کی خبر تھی۔ اب اعلیٰ حضرت کی وصیتوں کو پڑھئے اور ان کے علم ومعرفت کے ساتھ خدا ترسی، خداطلبی اور خوف عقبیٰ کا اندازہ لگائیے۔ آپ نے یہ وصایا وصال سے ۲ گھنٹہ ۱۷ منٹ پہلے لکھوائے۔

(۱) شروع نزع کے وقت کارڈ، لفافے، روپیہ پیسے کوئی تصویر اس دالان میں نہ رہے۔ جنبی (ناپاک) یا حیض والی عورت نہ آنے پائے، کتا مکان میں نہ آئے۔

(۲) سورۂ یٰسین شریف، سورۂ رعد بلند آواز سے پڑھی جائے، سینے پر دم آنے تک کلمہ طیبہ برابر باآواز پڑھا جائے، کوئی چلا کر بات نہ کرے، کوئی رونے والا بچہ مکان میں نہ آئے۔

(۳) بعدِ قبضِ روح نرم ہاتھوں سے "بِسْمِ اللهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللهِ" کہہ کر آنکھیں بند کردی جائیں۔ نزع میں بہت ٹھنڈا پانی، ممکن ہو تو برف کا پانی پلایا جائے۔ مذکورہ دعا پڑھ کر ہاتھ پاؤں سیدھے کردئے جائیں۔ پھر بالکل کوئی نہ روئے۔ نزع کے وقت میرے لئے اور اپنے لئے دعائے خیر کرتے رہنا۔ کوئی برا کلمہ زبان سے نہ نکلے، کہ فرشتے آمین کہتے ہیں۔ خبردار! جنازہ اٹھتے وقت کوئی آواز نہ نکلے۔

(۴) غسل وغیرہ سب سنت کے مطابق ہو۔

(۵) نماز جنازہ میں بلا عذر تاخیر نہ ہو۔ جنازے کے آگے اگر پڑھیں، تو

''تم پہ کڑوروں درود'' اور ذریعۂ قادری پڑھیں۔

(۶) خبردار کوئی شعر میری مدح وتعریف کا نہ پڑھا جائے، یوں ہی میری قبر پر۔

(۷) قبر میں بہت آہستگی سے اتاریں، داہنی کروٹ پر وہی دعا پڑھ کر لٹائیں، نیچے نرم مٹی کا پشتارہ لگادیں۔

(۸) جب تک قبر تیار ہو سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ عَبِيْدَكَ هٰذَا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ بِجَاهِ نَبِيِّكَ ﷺ پڑھتے رہیں۔ ناج (غلہ) قبر پر نہ لے جائیں (جیسا عرف عام میں ہوتا ہے) یہیں تقسیم کردیں۔ وہاں بہت غُل (شور) ہوتا ہے اور قبروں کی بے حرمتی۔

(۹) قبر تیار ہونے کے بعد سرہانے الٓمّٓ تا مفلحون اور پائنتی آمَنَ الرَّسُوْلُ سے تا آخر سورت پڑھیں۔ اور سات بار بلند آواز سے حامد رضا خاں (بڑے صاحبزادے) اذان کہیں۔ پھر سب واپس آجائیں اور مُلَقِّن (تلقین کرنے والا) میرے مواجہہ میں (یعنی سامنے) کھڑے ہوکر تین بار تلقین کرے پیچھے پیچھے ہٹ کر۔ پھر اَعِزّا اَحِبّا چلے جائیں۔ اور ڈیڑھ گھنٹہ میرے مواجہہ میں درود شریف ایسی آواز میں پڑھتے رہیں کہ میں سنوں۔ پھر مجھے ارحم الراحمین کے سپرد کرکے چلے آئیں۔ اور اگر تکلیف گوارا ہوسکے، تو تین شبانہ روز کامل (مکمل تین دن رات) پہرے کے ساتھ دو عزیز یا دوست مواجہہ میں قرآن مجید و درود شریف ایسی آواز سے بلا وقفہ پڑھتے رہیں کہ اللہ چاہے، تو اس نئے مکان سے دل لگ جائے۔

(۱۰) کفن پر کوئی دوشالہ یا قیمتی چیز یا شامیانہ نہ ہو، کوئی بات خلاف سنت نہ ہو۔

(۱۱) فاتحہ کے کھانے سے اغنیا (مالداروں) کو کچھ نہ دیا جائے، صرف فقرا

کودیں، وہ بھی اعزاز (عزت واحترام) اور خاطر داری (دل جوئی) کے ساتھ، نا کہ جھڑک کر۔ غرض کوئی بات خلاف سنت نہ ہو۔

(۱۲) اَعِزَّا (عزیز و اقارب) سے اگر بَطِیْبِ خاطر (خوشدلی سے) ممکن ہو، تو فاتحہ میں ہفتہ میں دو تین بار اِن اشیاء (چیزوں) سے بھی کچھ بھیج دیا کریں۔ دودھ کا برف خانہ ساز، اگرچہ بھینس کا دودھ ہو، مرغ کی بریانی، مرغ پلاؤ، خواہ بکری کا شامی کباب، پراٹھے اور بالائی، فیرینی، اُرَد کی پُھریری دال مع ادرک و لوازم، گوشت بھری کچوریاں، سیب کا پانی، انار کا پانی، سوڈے کی بوتل، دودھ کا برف۔ اگر روزانہ ایک چیز ہو سکے یوں کرو یا جیسے مناسب جانو مگر بطیب خاطر میرے لکھنے پر مجبورانہ نہ ہو۔

اعلیٰ حضرت کی یہ چند وصیتیں ہیں جن سے ہر شخص عبرت حاصل کر سکتا ہے۔ مکمل وصیتیں وصایا شریف (از مولانا حسنین رضا صاحب) میں پڑھیں۔

اعلیٰ حضرت کی غربا پروری

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دل میں غریبوں، فقیروں اور مسکینوں کے لئے کس قدر اضطراب و بے چینی تھی اس وصیت سے ظاہر ہو گیا۔ پوری زندگی آپ کو غرَ با اور فقرا سے محبت رہی۔ ساری زندگی آپ ان کی مدد فرماتے رہے حتیٰ کہ وصال کے وقت بھی انہیں کا خیال دامن گیر رہا۔ کہ وصال سے کچھ پہلے لذیذ اور مرغوب کھانوں کی فہرست تحریراً بنوا کر اپنے وارثین کو وصیت فرمائی تا کہ بعد وصال بھی یہ مرغوب اور لذیذ چیزیں انہیں پہنچیں۔ اور لوگ بعد وصال بھی امام وقت کی غربا پروری دیکھیں۔ کیا دل تھا امام احمد رضا کے

سینے میں!!! ایسے موقع پر لوگ اپنی اولاد کے بارے میں سوچتے ہیں مگر امام احمد رضا کو فکر ہے تو فقیروں اور مسکینوں کی، کہ ان کے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ کھانوں کے اہتمام کی وصیت کر رہے ہیں۔ جو لوگ علم و بصیرت سے محروم ہیں، وہ ان کے اس اخلاصِ عمل کو کیسے سمجھ سکتے ہیں؟ کاش! وہ اپنے سینے میں امام احمد رضا جیسا دل رکھتے اور اس دل میں امامِ عشق و محبت جیسا درد رکھتے، تو ضرور امام احمد رضا کی ان لذیذ اور اچھے کھانوں کی وصیت کے رمز اور گہرائی کو سمجھتے۔ امام کی اس وصیت میں چند چیزیں غور کرنے کی ہیں:

(۱) غربا کو خاص کرنا (۲) اخلاص اور خوشدلی سے کھلانا (۳) عزت و احترام کے ساتھ کھلانا (۴) اچھے لذیذ کھانے کھلانا

اُس زمانہ میں غربا و فقرا کو بغیر کسی عزت و احترام کے زمین پر بٹھا کر کھانا کھلایا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ غربا و فقرا کھانے کے برتن بھی اپنے ساتھ لاتے تھے۔ قالین اور بچھونے بچھا کر دسترخوان پر کھلانا تو بہت دور کی بات ہے۔ اس وقت کے امیر تو امیر رہے، مُتَوَسِّطُ الحال لوگ بھی فقیروں کو اپنے برتنوں میں کھلانا پسند نہیں کرتے تھے۔ مگر قربان جاؤ امام احمد رضا پر! یہاں پر ان کی غمخواری اور غربا پروری کا یہ عالم ہے کہ وصیت کر رہے ہیں: ان کو عزت سے بٹھایا جائے، ان کی خاطر داری اور دلجوئی کی جائے، ان کو قسم قسم کے مرغوب اور لذیذ کھانے کھلائے جائیں۔ بات کیا ہے؟ امام احمد رضا کتاب و سنت کے کامل مکمل ماہر عالم تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اخلاصِ عمل ہی کی قدر و قیمت ہے۔ اگر یہ نہیں تو کچھ نہیں۔

اعلیٰ حضرت کی سیرت کا بنیادی نکتہ

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی دونوں ملفوظی وصیتوں میں سے پہلی وصیت کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے کچھ چیزوں کو سمجھنا ہوگا۔ محبت ایک بہت وسیع مفہوم ہے۔ یہ رسالہ اس وسیع گفتگو کا متحمل نہیں اور یہ راقم بھی ابھی محبتِ حقیقی کی توضیح کرنے کا اہل نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی کچھ نہ کرنے سے کچھ کرنا بہتر ہے۔ ایک سچا مومن جن اشخاص یا جن چیزوں سے محبت کرتا ہے، وہ دو طرح کی ہیں:

(۱) محبوب لِنَفسِہٖ (۲) محبوب لِغیرِہٖ

جو چیزیں محبوب لغیرہٖ ہوتی ہیں، ان کی انتہا بھی محبوب لنفسہٖ ہوتا ہے۔ اور محبوب سے محبت اس کے حسن و احسان کی وجہ سے کی جاتی ہے یا ہوتی ہے۔ تو اب حق تبارک وتعالیٰ کے علاوہ جو محبوب ہیں، وہ محبوب لغیرہ ہیں۔ کیونکہ مولیٰ کریم کا جو حسن واحسان اور جو کمال وجلال ہے وہ ذاتی ہے۔ اس کے علاوہ جس کا بھی جو حسن واحسان اور کمال ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے حسن و احسان اور کمال سے ہے۔ تو اب اشخاص اور اشیا میں محبوب لذاتہٖ معبودِ حقیقی مولیٰ کریم ہے۔ اور اس کے علاوہ جس سے بھی محبت کی جاتی ہے، وہ محبوب یا محبت رب تبارک وتعالیٰ کی محبت کے تابع ہے۔ جیسے اللہ پاک کے انبیا ورسول اور اس کے اولیا سے محبت۔ اور بیشک انبیا اور اولیا سے محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کے تابع ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے لوازمات میں سے ہے۔ کہ ان سے محبت اصل میں اللہ ہی سے محبت ہے، غیر اللہ کی نہیں۔ کیونکہ اس نے ہمیں اپنے محبوبوں سے محبت کا حکم دیا ہے۔ حتیٰ کہ صحیح بخاری کی حدیث ہے، اللہ پاک کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی اولاد، اس کے ماں باپ اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔

اس لئے کہ محبوب سے سچی محبت اس بات کو واجب کرتی ہے، کہ محبوب جن جن چیزوں سے محبت کرتا ہے، ان سے محبت کی جائے۔ اور محبوب جن اشخاص اور جن چیزوں سے عداوت ونفرت یا بغض و ناپسند کرتا ہے، ان سے دل میں نفرت وعداوت رکھی جائے۔ تبھی محبوب سے محبت کا دعویٰ سچا ہوسکتا ہے۔ اور یہی محبت دین ودنیا میں نفع بخش ہے۔ عربی کا مقولہ ہے: ع

اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعُ

محبوب کے اشاروں کا عاشق غلام ہے

اب دیکھنا یہ ہے کہ جو لوگ رب تبارک وتعالیٰ سے محبت کا دعوی کرتے ہیں، وہ رب تبارک وتعالیٰ کی مبغوض وناپسند چیزوں سے بغض ونفرت رکھتے ہیں یا نہیں؟ اگر رکھتے ہیں، تو اپنے دعویٰ میں سچے ہیں۔ اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہے، تو انہیں اپنے بارے میں غور کرنا چاہئے۔

سچا مومن ومحب وہی ہے، جو خدا کے ساتھ خدا کی محبوب چیزوں کو محبوب رکھے اور اس کی مبغوض وناپسند چیزوں سے دل میں عداوت ونفرت۔ یہی ہے محبِّ حقیقی اور عاشقِ صادق کی اصل پہچان۔ ہر انسان کو اپنے اندر یا دوسروں کے اندر اللہ تعالیٰ سے قربت ومحبت اور ولایت کا اندازہ اسی پیمانہ سے لگالینا چاہئے۔ کیونکہ اصلِ ولایت اور خدا کی دوستی اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبوب اور مبغوض چیزوں میں موافقت کا نام ہے۔ بہت زیادہ نفلی روزے، نفلی نمازیں ادا کرنے

اور مزاروں اور خانقاہوں پر رنگ برنگے کپڑے پہن کر مسندوں پر بیٹھنے کا نام ولایت نہیں۔

اس بیان سے سب سے پہلے تو وہ لوگ نصیحت حاصل کریں، جو اولیاء اللہ حتیٰ کہ انبیا سے نفرت کا اظہار یا ان کی شان میں گستاخی کرتے ہیں، پھر دعویٰ کرتے ہیں مُحِب و مُتَّبِع سنت ہونے کا۔ اور وہ مدعی بھی نصیحت حاصل کریں، جو محبتِ رسول ﷺ کی بڑی بڑی ڈینگیں مارتے ہیں، ساتھ میں رات دن اللہ تعالیٰ کے احکام کی دھجیاں اڑا کر فرائض وواجبات ضائع کر رہے ہیں۔ عاشقِ رسول ﷺ ہونے کا دعویٰ کرنے والے نبی کی پیاری پیاری سنتوں کو چھوڑ کر بدعات وخرافات میں مبتلا ہیں۔

ہر عمل کی اصل

انسان جو بھی اعمال انجام دیتا ہے۔خواہ وہ اعمال حسنہ ہوں یا اعمال سیئہ قبیحہ۔ ہر عمل کی اصل و بنیاد ہے محبت اور میلانِ قلب۔ اور ہم پیچھے بتا کے آئے ہیں: ایمان کی اساس وجڑ محبت ہی ہے۔ حدیث شریف میں بھی ہے:

اَلَا لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا مَحَبَّةَ لَهٗ۔ جس میں محبت نہیں، اس کا ایمان نہیں۔

تو جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوبوں کی محبت کی دولت مل جائے، جان لو اسے دنیا وآخرت کی سب بھلائیاں مل گئیں۔ محبت ہی تو ایجادِ عالم کی مصلحت و حکمت ہے۔ حدیث قُدسی ہے، مولیٰ کریم فرماتا ہے:

فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ فَبِهٖ عَرَفُوْنِیْ۔

میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا پھر میری محبت

سے انہوں نے مجھے پہچانا۔

جیسے جیسے انسان کی معرفت بڑھتی ہے، ویسے ویسے اس کی محبت و چاہت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور انسان کی طاعت وفرمانبرداری کے مطابق ہی اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوبوں سے محبت ہوتی ہے۔ (صاوی)

مومن بندہ کے اعمال کی بنیاد

ایک مومن جو دینی اعمال اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کی رضا و خوشنودی یا ثواب کے لئے انجام دیتا ہے ان کی بھی اصل و بنیاد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہی ہے۔ جیسے اقوال دینیہ میں تمام قول واقرار کی اصل وبنیاد اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کی دل سے تصدیق ہے۔

اب ہر وہ ارادہ اور میلان جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں خلل پیدا کرے یا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے آڑے آئے، دو حال سے خالی نہیں: یا تو ایمان واصل محبت کے معارض اور آڑے آرہا ہے یا اس کو ضعیف کررہا ہے۔ اگر اصل ایمان اور محبت کے آڑے آگیا تو یہ کھلا ہوا کفر اور اسلام سے خارج ہونا ہے۔ اور اگر اصل ایمان کو تو نقصان نہ پہنچایا لیکن کمالِ ایمان میں خلل پیدا کر رہا ہے تو یہ ضعف ایمان تو بہرحال ضرور ہے۔ اور یہ ضعف ایمان بھی بہرحال طالب صادق اور عاشق صادق کے لئے مضر اور نقصان دہ ضرور ہے۔

اللہ تعالیٰ سے سچی محبت کا معیار

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے موالات ومحبت اس وقت

تک سچی نہیں ہے جب تک کہ اس کے محبوبوں سے محبت کے ساتھ اس کے دشمنوں سے عداوت و دشمنی نہ رکھی جائے۔ اگر آپ غور وفکر اور گہرائی سے قرآن کریم کی آیات کا مطالعہ کریں تو ہمارے اس دعویٰ کے تائید میں بہت سی آیتیں مل جائیں گی۔ جیسا کہ اللہ پاک کے محبین و عاشقین کے امام سیدنا خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کی خلت ومحبت کو ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے:

فَاِنَّھُمْ عَدُوٌّ لِّیْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ (پارہ:۱۹-الشعراء:۷۷)

ترجمہ: بیشک وہ سب (معبودانِ باطل) میرے دشمن ہیں، مگر اللہ رب العالمین (میرا محبوب ودوست) ہے۔

اس قولِ خلیل میں اپنے دعویٔ محبت وخلت کو سچا ثابت کرنے کے لئے پہلے خداوند قدوس کے دشمنوں سے دشمنی کا اظہار اور ان سے برأت کو بیان کیا گیا۔ اس سے پتہ لگا کہ خدا سے محبت اس وقت تک نہیں ہوسکتی، جب تک کہ باطل سے برأت ظاہر نہ کی جائے۔ اسی طرح سورۂ زخرف (آیت:۲۶) میں سیدنا ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام نے اپنے چچا، اپنی قوم، ان کے معبودان باطلہ سے عداوت و نفرت کا اظہار اس طرح فرمایا: اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۔

ترجمہ: میں تمہارے معبودوں سے بیزار ہوں۔ (پارہ:۲۵)

توحید ورسالت کی عظمت ومحبت کا قاعدۂ کلیہ

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اصل، اپنی نسل، اپنے پیروکار اور دین حنیف کے ماننے والوں کے لئے توحید ورسالت کی عظمت ومحبت کا یہ قاعدۂ کلیہ قیامت تک کے لئے جاری فرمادیا اور بتادیا کہ یہ محبت ہی وہ اصل ہے جو عذاب

قبر اور عذاب دوزخ سے بچائے گی۔ یہی وہ دستور ہے کہ جنت میں جو جائے گا اسی سے جائے گا۔ یہی وہ مضبوط رسی ہے کہ خدا تک جو پہنچے گا اسی سے پہنچے گا۔ یہی جنت کی کنجی اور مفتاحِ سعادت ہے۔ یہی وہ نقطۂ عظیم ہے جو انسان کو سعید و شقی میں بانٹتا اور مقبول ومردود میں تقسیم کرتا ہے۔ قلب کی یہی وہ اصل طاقت و قوت ہے جو ایک مومن کو خدا کے فرائض ادا کرنے پر آمادہ ومستعد کرتی ہے۔ یہی وہ محبت ہے جو ان کے عاشق صادق کو ان کی سنتوں اور ان کے آداب زندگی کو شب وروز ادا کرنے کے لئے بے چین رکھتی ہے۔ اسی نکتۂ عظیمہ کو کلمۂ توحید اور کلمۂ وُثقیٰ ''لا الہ الا اللہ'' میں بیان کیا گیا اور اسی کلمۂ توحید سے زمین وآسمان قائم ہیں۔ تمام مخلوق کو اسی فطرتِ اسلامیہ پر پیدا کیا گیا۔ اسی کلمۂ توحید پر تمام ملتوں کی بنیاد ہے۔ اس کلمۂ توحید میں پہلے باطل کی نفی، باطل سے بیزاری اور اس کی عداوت کا ذکر ہے، لا اِلٰہ اسی نکتہ کو بیان کررہا ہے۔ اور الا اللہ سے معبودِ برحق اور اِلٰہ حق سے محبت اور اس کی تعظیم کو بیان کیا گیا ہے۔

ہمارے امام کی عملی زندگی

اب ہم امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے ہر پہلو کا مطالعہ کریں خواہ وہ اعدائے دین اور نبی کریم ﷺ کے گستاخوں سے عداوت ودشمنی کا اظہار ہو یا اللہ تعالیٰ، اس کے حبیب ﷺ اور صحابہ واہل بیت سے محبت، ان کا ادب وتعظیم ہو یا فرائض الٰہیہ کی محافظت، یا رفتار وگفتار، نشست و برخاست، خورد ونوش، اطوار وکردار میں سنن ومستحبات کی رعایت و پابندی ہو، غربا وفقرا اور بے سہارا لوگوں کی غمخواری اور امداد واعانت ہو یا اُمرا ورؤسا اور فساق وفجار کی تعریف و

توصیف سے بیزاری، آپ اپنی زندگی کے ہر پہلو میں اپنے زمانے کے علمائے ظاہر اور علمائے باطن میں منفرد اور ممتاز نظر آئیں گے۔ غرضیکہ آپ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کی عملی تفسیر اور چلتی پھرتی تصویر تھے۔

الحب فی اللہ و البغض فی اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے محبت اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے بغض وعداوت) کمالِ ایمان کی بنیاد ہیں اور احکامِ الٰہیہ کی تعظیم اور شفقت علیٰ خلق اللہ قرآن وحدیث کی تعلیمات کا خلاصہ ونچوڑ۔ اور ہمارے امام کے اندر یہ چیزیں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔

آپ کے فرائض و واجبات کا اہتمام واحترام اور سختی سے اتباع سنت خیر الانام ﷺ، اخلاص فی العمل، افتا وقضا میں خالص خدا ورسول کی رضا جوئی، اِحقاقِ حق، اِبطال باطل، حق گوئی وبیباکی، خلقِ خدا سے بے نیازی، صرف اللہ عز وجل اور رسول خدا ﷺ کی بارگاہ میں اِفْتِقَار واحتیاج، غربا پروری، تفقہ، کمالِ علمی اور تصوف ومعرفت پر فتاویٰ رضویہ کے ایک ایک فتویٰ کی ایک ایک سطر کے ایک ایک جملہ کا ایک ایک کلمہ اور ایک ایک لفظ روشن دلیل ہے۔

بشرطیکہ علم کی روشنی میں عشق ومحبت کی آنکھ سے پڑھا جائے۔ اور آپ کی محبت الٰہی اور تعظیم نبوت وعشق رسالت پر حدائق بخشش کی ایک ایک نظم کے ایک ایک شعر کا ایک ایک مصرع روشن دلیل ہے۔ اور آپ کے سینے میں خوفِ الٰہی، نزع کی سختی، قبر کی وحشت وتنہائی، عقبیٰ کا خوف اور نجات کی فکر کس قدر موجزن تھی؟ اس کے لئے آپ کے وصایا شریف کھلی ہوئی دلیل ہیں۔ جو یقیناً علمائے ربانی کی خاصیت ہے۔ آپ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَآءُ کا سچا مصداق ونمونہ تھے۔ اور یقیناً اللہ والے اپنے عمل پر بھروسہ نہیں کرتے۔ وہ

صرف اور صرف اپنے مولیٰ کے فضل وکرم کے طلبگار رہتے ہیں اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

امام احمد رضا کی فراست مومنانہ

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کو اللہ تعالیٰ نے ان کی محبت اور اتباع سنت پر اپنے فضل سے فرقان اور فراست مومنانہ یا وہ عرفانی قوت عطا فرمائی تھی کہ سوا سو (۱۲۵) برس پہلے جو باتیں آپ ارشاد فرما گئے تھے، آج وہ سب سامنے آرہی ہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو؟ جسے مقامِ احسان ومراقبہ حاصل ہو، اس کی یہی شان ہوتی ہے۔ شجاع کرمانی فرماتے تھے:

جس نے اپنے ظاہر کو اتباع سنت سے معمور اور اپنے باطن کو دوامِ مراقبہ (یعنی خدا دیکھ رہا ہے کے تصور) سے آباد کر لیا، اپنی نظر کو حرام سے بچا لیا، اپنی خواہش کو مشکوک ومشتبہ چیزوں سے روک لیا اور صرف حلال وطیب کا استعمال کیا، اس کی فراست کبھی خطا نہیں کرے گی۔ (الجواب الکافی لابن القیم)

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کا سراپا اتباع سنت سے آباد تھا۔ ان کا باطن خدا ورسول کی محبت سے معمور تھا۔ بلاشبہ وہ مقام مراقبہ حتیٰ کہ مقام مشاہدہ پر فائز تھے۔ حرام تو حرام، اللہ تعالیٰ نے انہیں مشکوک ومشتبہ چیزوں سے بھی بچایا تھا۔ اسی لئے انہیں عرفان حاصل تھا اور فراست ایمانی اور قوت فرقانی وعرفانی میں ان کی امتیازی شان تھی۔

راقم الحروف (سید محمد احسن) کی وصیت

اب یہ حقیر سراپا تقصیر اپنی اولاد، اپنے اقارب واحباب، اساتذۂ کرام،

تلامذہ، اہل معاملہ اور جن کے ساتھ اتفاق رہا، سے کچھ گزارشات، دست بستہ معروضات، کچھ وصیتیں اور نصیحتیں عرض کر رہا ہے۔ اس لئے نہیں کہ میں کچھ ہوں، بلکہ صرف اس لئے کہ مجھ پر کسی کا کوئی حق نہ رہ جائے۔ کیونکہ میرے پاس قیامت میں اس کا بدلہ دینے کے لئے نیکیاں نہیں ہیں۔ اور حدیث میں ہے:

اگر دنیا میں کسی نے کسی کا حق مارا اور ادا نہ کیا یا معاف نہ کرا سکا، تو قیامت میں اس کی نیکیاں اس حق کے بدلے حق والے کو دے دی جائیں گی۔ اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ نکلیں، تو حق والے کے گناہ حق مارنے والے کے سر تھوپ دیئے جائیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے معاف نہ کرے۔

دوسرے اس لئے کہ بہت سے بزرگ یہاں تک چوکنّے رہتے تھے کہ اپنا وصیت نامہ اپنے سرہانے رکھ کر سویا کرتے تھے، نا جانے کس وقت موت آجائے جیسا کے پیچھے بیان کرآئے ہیں۔ اس لئے یہ چند باتیں عرض ہیں:

(۱) تمام اہل اسلام و اہل سنت، خصوصاً اہل وعیال، عزیز و اقارب، اہل معاملہ، ہمارے اساتذہ، تلامذہ، جن سے ادارہ میں کام کرنے کرانے کا اتفاق رہا (مدرسین و ملازمین وغیرہ) اور معاونین ومخلصین سے یہ فقیر سراپا تقصیر اپنے تمام حقوق اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے معاف کرتا ہے۔ اور آپ سب سے میری عاجزانہ دست بستہ عرض ہے کہ مجھ سے جو بھی آپ حضرات کے حقوق میں فروگذاشت یا کوتاہیاں ہوئی ہوں۔ میں اپنی یاد کے مطابق عرض کر رہا ہوں: شاید میں نے کسی کا مالی حق نہیں مارا۔ لیکن ادارہ کے نظم ونسق، احقاق حق وابطال باطل یا پاس شرع کی خاطر ہم سے آپ میں سے کسی نہ کسی کو ضرور زبانی تکلیف پہنچی ہوگی، آپ لوگ خدا کے واسطے مجھے معاف کر دیں۔ جو حضرات ہمارا یہ کتابچہ پڑھیں، اور جن حضرات

سے ہمارا یہ معاملہ رہا ہو، وہ بھی خدا کے واسطے معاف کر دیں۔ یا ان کے علم میں جس کا مجھ سے معاملہ رہا ہو، اس سے معاف کرا دیں۔

(۲) تمام اولاد، اہل عیال، تلامذہ، منتظمین اور احباب سے ایک اور عرض ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت وتعظیم، ان کے دوستوں کی عزت وتکریم اور ان کے دشمنوں سے دل میں سچی عداوت ایمان اور اعمال کی اصل ٹھہری، تو ہمارے لئے دعا کریں: کہ مولیٰ کریم ہمیں آخری سانس تک اسی پر قائم رکھے اور اسی پر خاتمہ بالخیر فرمائے۔ آمین

خدایا بحق بنی فاطمہ　　کہ بر قول ایمان کنم خاتمہ

اور آپ سب لوگ بھی دائم اسی پر قائم رہیں۔ اللہ و رسول اور ان کے محبوبوں سے محبت وتعظیم کا اظہار بھی کرتے رہیں اور موقع اور حالات کے حساب سے ان کے دشمنوں سے سچی عداوت ونفرت کا مظاہرہ بھی۔ لیکن دل میں ان کی سچی محبت وتعظیم کی طرح ان کے دشمنوں سے عداوت ونفرت بھی رکھیں۔

(۳) کسی بھی اللہ والے، مُتَّبِعِ شرع مومن، عالم دین اور خدا رسیدہ کی شان میں کبھی گستاخی نہ ہو پائے۔ کہ اللہ والوں کی گستاخی اور ایذا رسانی سے کبھی کبھی ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

(۴) جامعہ فاطمہ اور اس سے منسلک جتنے بھی ادارے ہیں۔ فاطمہ شریعت کالج، فاطمہ گرلس انٹر کالج، فاطمہ ہائی اسکول شاہجہان پور، فاطمہ شریعت کالج، فاطمہ لیان پبلک اسکول بریلی۔ ان کی جملہ جائداد وأملاک سب بیت المال، اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مِلک ہیں نا کہ میری ذاتی ملکیت۔ لہٰذا میرے بعد میری اولاد، میرے عزیز و اقارب، احباب اور معاونین و

متوسلین بھی اسے اللہ و رسول اور بیت المال کی ملکیت جان کر اس کی حفاظت و خدمت کریں۔ ہاں اولاد، احباب، تلامذہ اور احباب و متوسلین خدمت گزاران اپنی قابلیت اور محنت کا محنتانہ اور نذرانہ اس سے لیتے رہیں، یہ ان کا اپنا حق ہے۔

(۵) البتہ جن لوگوں کے ہاتھ میں جائداد اور مالیت کے اختیارات ہیں وہ اپنا مشاہرہ اور تنخواہیں بہت غور وفکر اور سوچ سمجھ کر لیں۔ چونکہ میں یہ اختیارات اپنی زندگی ہی میں کچھ لوگوں کے سپرد کر چکا ہوں۔ اب اگر یہ لوگ اپنی لیاقت و محنت سے زیادہ وظیفہ لیں گے یا ادارہ کی مالیت کا بے جا استعمال کریں گے تو دنیا میں اور خاص طور سے آخرت میں اللہ تعالیٰ کے یہاں خود ہی جواب دہ ہوں گے میں اس سے بَری ہوں۔ کیونکہ میں نے اداروں کی جائداد اور مالیت کی حفاظت میں اس درجہ جد وجہد اور کوشش کی کہ بہت سے مواقع پر میں خود خفیف اور ہلکا بھی ہوا اور کچھ مفاد پرست خودغرض لوگ مجھ سے ناراض بھی ہو گئے۔

(۶) جامعہ فاطمہ کے زیرِ انتظام جو دنیوی تعلیم کے ادارے۔ فاطمہ گرلس انٹر کالج شاہجہان پور اور فاطمہ لیان بریلی۔ چل رہے ہیں۔ جو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ آمدنی کا بھی ذریعہ ہیں۔ ان اداروں کا قیام بھی خالصاً لوجہ اللہ دینی تعلیم، دعوت وتبلیغ اور مدرسوں کی اعانت کے مقصد سے عمل میں آیا۔ انگریزی تعلیم اور کمائی ہرگز مقصود نہیں۔ اگر اس حقیر سراپا تقصیر کا مقصد پیسہ کمانا ہی ہوتا تو ہماری اولاد اور ہمارے بہت سے شاگرد و مخلصین جانتے ہیں کہ شاہجہانپور و بریلی میں ۲۰۱۳ء میں دو بی۔ٹی۔سی۔ بی۔ایڈ کی مانیتا بہت آسانی سے مل رہی تھی اور جامعہ فاطمہ بھی بہت آسانی سے ایڈ ہو رہا تھا کروا لیتے لیکن ہم نے بے حیائی اور خالص دنیا داری کی وجہ سے یہ دونوں کام نہیں کئے۔ جس کی حقیقت ہمارے

سب قریبی لوگ جانتے ہیں۔ دل کا حال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ فاطمہ لیان اور فاطمہ گرلس انٹر کالج کا قیام اور ان کا جاری رکھنے کے دو مقصد ہیں:

(۱) قوم کے بچوں کی ایک بڑی تعداد جو دینی تعلیم سے محروم ہے، وہ ان اداروں میں دنیوی تعلیم کے ساتھ ضروریاتِ دین اور قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرے۔

(۲) ان اداروں کی آمدنی سے خالص دینی تعلیم کے مدرسے فارغ البالی سے چلتے رہیں اور چندہ کے محتاج نہ رہیں۔ ساتھ میں دعوت وتبلیغ اور اشاعت و تصنیف کا کام بھی چلتا رہے۔

اگر میرے بعد کسی نے ان کالجوں میں دینی تعلیم کو باضابطہ جاری نہ رکھا یا ان کی آمدنی کو دینی مدرسوں کی کفالت، دینی تعلیم کی اشاعت اور دعوت وتبلیغ پر استعمال نہ کیا، تو قوم کو اور کل قیامت میں خود جواب دہ ہوں گے اور میں بھی ان کا دامن پکڑوں گا۔ کیونکہ میری زندگی کا مقصد دینی تعلیم ہے، انگریزی تعلیم نہیں۔ کیونکہ انگریزی تعلیم کے بہت ادارے ہیں۔ ان کالجوں کے قیام کے میرے دو ہی مقصد تھے، جن کو میں نے اوپر بیان کر دیا۔

(۷) اگر کسی بھی فرد خواہ مدرسین وملازمین یا اہل معاملہ یا جس کسی کا کوئی حق خصوصاً مالی حق مجھ پر آتا ہو، وہ ابھی ہم سے وصول کر لے، میں اس کا حق بھی ادا کر دوں گا اور ساتھ میں اس کا مشکور وممنون بھی ہوں گا۔

(۸) میرے منصوبوں میں طلبہ و طالبات کے لئے دینی تعلیم کے ساتھ دنیوی تعلیم میں علاج ومعالجہ کے لئے ایک ''طبیہ کالج'' کا قیام بھی تھا۔ لیکن اس منصوبہ کو میں اپنی کمزوری کے وجہ سے، یا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کس وجہ سے، عملی جامہ نہیں پہنا سکا۔ لیکن یہ منصوبہ میرا باقی ہے، جس کے لئے جد وجہد جاری ہے۔

اس کے لئے شاہجہانپور کے اداروں کی زمین جائداد کے علاوہ بریلی میں فاطمہ لیان اور اس کے آس پاس ملحق کم و بیش پچاس بیگھہ زمین مہیا ہے اور کچھ نقد مالیت بھی موجود ہے۔ باقی کے لئے جدوجہد میں مصروف ہوں۔ جو بھی میرے اس منصوبہ کو پورا کرنے میں مدد کرے گا، وہ مولیٰ کریم کے یہاں اجر وثواب کا مستحق ہوگا۔ یہ کل جائداد اور مالیت سب اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ بیت المال اور قوم کی ہے۔

(۹) جو بھی برسر اقتدار رہے، میری اولاد، عزیز واقارب، میرے پرانے مخلصین اور ادارہ کے مخلص خادمین، ان میں سے کسی کو ادارہ کی خدمات سے محروم ودور نہیں کرے گا۔ بلکہ اس کے عہدہ ومرتبہ، سابقہ خدمات، ایمانداری، دیانت اور ہماری نسبت وخدمت وغیرہ کا لحاظ کرتے ہوئے پورا پورا مختتانہ اور نذرانہ خدمت گزاری کے ساتھ ادا کرتا رہے۔

فاطمہ گرلس انٹر کالج شاہجہانپور کی آمدنی کے مصارف

کالج کے اسٹاف رملازمین کی تنخواہ اور کالج کی تعمیر ومرمت، بجلی اور فرنیچر وغیرہ متفرق اخراجات کے جو بچت آئے وہ مندرجہ ذیل مدوں میں استعمال کی جائے۔

(۱) کُل بچت کا ۵رفیصد جملہ اداروں کے کام سے بیٹھ رہے وہ بے سہارا ملازمین جن کی آمدنی کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں اور وہ بے سہارا یتیم بچے اور بیوہ عورتیں جن کا کوئی ذریعہ معاش نہیں۔خواہ وہ ادارے سے جڑے ہوں یا نہ جُڑے ہوں۔ پر استعمال کیا جائے۔خواہ ماہانہ یا چھ ماہی وظیفہ باندھ کر یا مستحقین کی جس میں آسانی ہو۔

(۲) کُل بچت کا ۱۵رفیصد دین کی اشاعت وتبلیغ پر صرف کیا جائے۔

اشاعت وتبلیغ تقسیم کتب ورسائل کے ذریعہ ہو یا مکاتب کی تعلیم کے ذریعہ۔

(۳) بچت کا ۵رفیصد قادری چشتی لنگر پر عموماً حسبِ ضرورت روزانہ خرچ کیا جائے۔خصوصاً ان لوگوں کے کھانے پر جنہیں شام کو کہیں کھانا نہ ملے وہ شام کو جامعہ فاطمہ آ کر علی فاطمہ کے دسترخوان پر کھانا تناوُل فرمائیں۔ نیز باہر سے آنے والے مہمان حضرات بھی اسی دسترخوان پر کھانا تناول فرمائیں۔ یہ کھانا عموماً جامعہ فاطمہ اور فاطمہ شریعت کالج کے طلبہ طالبات کے کھانے کے ساتھ بنوادیا جائے۔اور کسی بزرگ کے عرس کی تقریب پر بہتر واعلیٰ کھانا بنوایا جائے۔

(۴) بچت کا ۵رفیصد جامعہ فاطمہ وفاطمہ شریعت کالج کے وہ یتیم طلبہ طالبات جن کا کوئی سہارا نہیں، ان کی رہائش اور مطبخ اخراجات کے علاوہ ان کے لباس اور علاج ومعالجہ پر صرف ہو اور کچھ ضروری اخراجات کے لئے حسبِ ضرورت ووُسعت ان کا ماہانہ وظیفہ مقرر کیا جائے۔ یہ بھی دھیان رہے کہ ان طلبہ وطالبات سے ادارہ کوئی فیس بھی نہیں لے گا۔ بلکہ ان کے کُل اخراجات کا کفیل خود ادارہ ہوگا۔

(۵) باقی ۷۰رفیصد بچت جامعہ فاطمہ وفاطمہ شریعت کالج کی حسبِ ضرورت جدید تعمیر ومرمت، مطبخ خرچ اسٹاف وملازمین کی تنخواہ پر خرچ کیا جائے۔

ان جملہ مدات کے اخراجات کا علم میرے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات کو ہونا چاہئے۔

میرے دونوں بیٹے مولوی سید محمد آل مصطفیٰ سلمہ وسید محمد عبد اللہ سلمہ، میرے بھتیجے محمد طالب علی، میرے دونوں داماد سید صاحبِ عالم وسید عبد السبحان اور میرے مخلصین جناب انیس احمد عرف پھول بابو، حافظ خلیق الزماں صاحب، حافظ ساجد صاحب، سید گلریز صاحب، مولانا محمد حسین صاحب، جناب عبدالعلیم

صاحب، عارف صاحب نیوریا

اور ان مدوں کو مقرر کرنے میں مندرجہ بالا لوگوں کے علاوہ فاطمہ شرانٹر کالج کے منیجر و پرنسپل کی بھی رائے لی جائے، خصوصًا پہلے نمبر کے لوگوں کا وظیفہ مقرر کرنے میں۔ اور ہمارے کچھ اور مخلصین و محبین کی رائے بھی شامل کر لی جائے۔

فاطمہ لیان بریلی کی آمدنی کے مصارف

(٦) فاطمہ لیان بریلی کی بچت کو بھی مذکورہ مدوں میں خرچ کیا جائے۔

میری اپنی ذات کے لئے وصیت

(١) شروع نزع کے وقت اخبار، روپے کوئی تصویر اس دالان میں نہ رہے۔ جنبی (ناپاک) یا حیض والی عورت نہ آنے پائے، کتا مکان میں نہ آئے۔

(٢) سورۂ یٰسین شریف، سورۂ رعد بلند آواز سے پڑھی جائے، سینے پر دم آنے تک کلمہ طیبہ برابر باآواز پڑھا جائے، کوئی چلا کر بات نہ کرے، کوئی رونے والا بچہ مکان میں نہ آئے۔

(٣) بعدِ قبضِ روح نرم ہاتھوں سے "بِسْمِ اللہِ وَعَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللہِ" کہہ کر آنکھیں بند کر دی جائیں۔ نزع میں بہت ٹھنڈا پانی، ممکن ہو تو برف کا پانی پلایا جائے۔ مذکورہ دعا پڑھ کر ہاتھ پاؤں سیدھے کر دئے جائیں پھر بالکل کوئی نہ روئے۔ نزع کے وقت میرے اور اپنے لئے دعائے خیر کرتے رہنا۔ کوئی برا کلمہ زبان سے نہ نکلے کہ فرشتے آمین کہتے ہیں۔ خبردار! جنازہ اٹھتے وقت کوئی آواز نہ نکلے۔

(٤) غسل وغیرہ سب سنت کے مطابق ہو۔

(٥) نماز جنازہ میں بلا عذر تاخیر نہ ہو۔

(٦) جنازے کے آگے اگر پڑھیں تو "تم پہ کڑوروں درود" پڑھیں۔

(٧) جب تک قبر تیار ہو سُبْحَانَ اللہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَ اللہُ اَکْبَرُ اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ عَبِیْدَكَ ھٰذَا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ بِجَاہِ نَبِیِّكَ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھتے رہیں۔

(٨) قبر تیار ہونے کے بعد سرہانے الٓمٓ تا مفلحون اور پائنتی اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے تا آخر سورت پڑھیں۔ اور سات بار بلند آواز سے آل مصطفٰی (بڑے بیٹے) اذان کہیں۔ پھر سب واپس آجائیں اور مُلَقِّنْ (تلقین کرنے والا) میرے مواجہہ میں (یعنی سامنے) کھڑے ہو کر تین بار تلقین کرے پیچھے پیچھے ہٹ کر، پھر اَعِزَّا اَحِبَّا چلے جائیں۔ اور ڈیڑھ گھنٹہ میرے مواجہہ میں درود شریف ایسی آواز میں پڑھتے رہیں کہ میں سنوں۔ پھر مجھے ارحم الراحمین کے سپرد کر کے چلے آئیں۔ اور اگر تکلیف گوارا ہو سکے تو مکمل تین دن رات پہرے کے ساتھ دو عزیز یا دوست مواجہہ میں قرآن مجید و درود شریف ایسی آواز سے بلا وقفہ پڑھتے رہیں کہ اللہ چاہے تو اس نئے مکان سے دل لگ جائے۔

(٩) کفن پر کوئی دوشالہ یا قیمتی چیز یا شامیانہ نہ ہو، کوئی بات خلاف سنت نہ ہو۔

(١٠) فاتحہ کے کھانے سے مالداروں کو کچھ نہ دیا جائے، صرف فقرا کو دیں وہ بھی عزت و احترام اور خاطر داری کے ساتھ۔ غرض کوئی بات خلاف سنت نہ ہو۔

(١١) اَعِزَّا (عزیز و اقارب) سے اگر بَطِیْبِ خاطر (خوشدلی سے) ممکن ہو تو فاتحہ میں ہفتہ میں دو تین بار عمدہ ولذیذ کھانے بھیج دیا کریں۔

○○○

Naseehatein Wa Wasiyatein

Author
Murshide Tariqat Mufakkire-islam
Hazrat Allama
Sayyed Muhammad Ahsan Miyan
Sahab Qibla



JAMIA FATIMA
Jalal Nagar, Shahjahapur, (U.P.)-Pincode : 242001
Mob.: 9335292933, 9452545031, 8299373718
fatimagic1204@gmail.com , fatimaleyanps@gmail.com